اسوۂ حسنہ

جلد سوم

حقوق العباد ○ دعوتِ اسلامی

تزکیۂ نفس ○ دعوتِ دین ○ جہاد

(بنتُ الاسلام)

بزمِ بتول

فصیح منزل - فصیح روڈ - اسلامیہ پارک

لاہور ۵۴۵۰۰

ناشر ــــــــ بزمِ بتول

کتابت ــــــــ محمدؐ انور قریشی فاروقی

بارِ اوّل ــــــــ ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳م

بارِ دوم ــــــــ ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹م

بارِ سوم ــــــــ ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲م

بارِ چہارم ــــــــ ۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵م

بارِ پنجم ــــــــ ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷م

مطبع ــــــــ زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

تعداد ــــــــ ۱۱۰۰

قیمت ــــــــ ۱۷۰

ترتیب

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

تعارف

کتاب کی اس تیسری جلد میں ذیل کے پانچ اہم موضوعات سے تعلق رکھنے والی احادیث پیش کی گئی ہیں۔

۱۔ حقوق العباد
۲۔ اخوّت اسلامی
۳۔ تزکیۂ نفس
۴۔ دعوتِ دین اور
۵۔ جہاد فی سبیل اللہ

حقوق العباد :

ایک مسلمان کی زندگی میں حقوق الٰہی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو جو اہمیت حاصل ہے اس پر قرآن اور حدیث دونوں گواہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر فرد ایک مرکزی نقطے کی حیثیت رکھتا ہے جس کے اردگرد انسانی تعلقات کے دائرے کھنچے ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا اور قریب ترین دائرہ تو

اس کا اپنا گھر ہے۔ جہاں وہ ان متعلقین کے ساتھ رہتا ہے جن سے اس کا سب سے زیادہ قریبی تعلق ہے۔ اب ایک مسلمان کی حیثیت سے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان سب اہل خانہ کے حقوق کو پہچانے اور انہیں ادا کرنے کے لیے کوشاں رہے۔

گھر کے دائرے کے آگے پھر دوسرا دائرہ اس معاشرے کا ہے جس میں اس نے اٹھنا بیٹھنا اور ملنا جلنا ہوتا ہے اور جو اس کی زندگی کی ضروریات کے پورا ہونے میں اس کا مددگار بنتا ہے۔ یہاں اس کے کچھ رشتے دار ہوں گے، کچھ ہمسائے ہوں گے، کچھ دوست احباب ہوں گے، کچھ رفقائے کار ہوں گے۔ بہت سے ایسے ہوں گے جن سے اس کا براہ راست تعلق ہوگا اور بے شمار ایسے بھی ہوں گے جن سے اس کا براہ راست تو کوئی تعلق نہیں ہوگا مگر بالواسطہ ضرور ہوگا۔ اب جو انسان ایک سچا مسلمان بن کر جینا چاہتا ہوگا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان سب کے حقوق سے واقفیت حاصل کرے اور اپنے امکان کی حد تک انہیں ادا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

معاشرے کے دائرے کے آگے پھر اس ریاست کا دائرہ ہے جس کا وہ ایک باشندہ ہے۔ اس علاقے میں یا تو وہ حکمران ہے یا اس کا رعایا کے کسی طبقے سے تعلق ہے۔ اب اگر وہ حکمران ہے تو ضروری ہے کہ اُسے معلوم ہو کہ رعایا کے اس پر کیا کیا حقوق ہیں جو اس نے لازماً ادا کرنے ہیں اور اگر وہ رعایا میں سے ایک فرد ہے تو اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ جائز امور میں حکمرانوں کی اطاعت کرنے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کے سلسلے میں اس پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

ریاست کے دائرے کے آگے ایک اور بہت بڑا دائرہ ہے جو قطبین تک پھیلا ہوا ہے اور یہ اخوتِ اسلامی کا دائرہ ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں

بھی کوئی مسلمان موجود ہے وہ اس کا بھائی ہے۔ اس سے محبت کرنا۔ اس کا خیر خواہ رہنا، اس کی خوشی پر خوش اور اس کے دکھ پر دکھی ہو جانا اس کے مومن ہونے کی علامت ہے۔ لہٰذا اس کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلامی اخوت کی رو سے اس پر دوسرے مسلمانوں کے کیا کیا حقوق عائد ہوتے ہیں جن کا ادا کیا جانا از بس ضروری ہے۔

اب جو انسان ایک سچا مسلمان بن کر رہنے کا خواہش مند ہو گا اس کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ خدا کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کے گرد کھنچے ہوئے ان انسانی تعلقات کے دائروں کے حقوق بھی پہچانے اور امکان کی حد تک ان کی ادائیگی کے لیے کوشاں رہے۔

اسلامی اخوّت :

اسلامی اخوّت کو حقوق العباد کا ایک حصّہ بھی بنایا جا سکتا تھا مگر اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے ایک علیحدہ موضوع بنا کر اس سے تعلق رکھنے والی احادیث کو اس کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں ملّت اسلامیہ کو جن جان لیوا مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا رہا ہے ان کی تہہ میں مسلمانوں کی باہمی بے اتفاقی کا بہت دخل رہا ہے۔ مثال کے طور پر ماضی بعید میں بغداد کی تباہی اور ماضی قریب میں پاکستان کا ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو جانا ہماری تاریخ کے دو انتہائی الم ناک باب ہیں اور ان دونوں کے معاملے میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ ان کی تہہ میں اغیار کی دشمنی اور ریشہ دوانیوں سے زیادہ خود مسلمانوں کی باہمی بے اتفاقی کا ہاتھ تھا۔ یہ مسلمانوں کی باہمی بے اتفاقی ہی تھی جس کے باعث ان کا خون پانی کی طرح بہا اور ان کے مصائب اور غم و الم کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ باہمی بے اتفاقی مختلف اسباب کے باعث پیدا ہوتی رہی ہے مگر ہر سبب کی بنیاد اسی حقیقت پر قائم تھی کہ دلوں میں

اسلامی اخوت کا کما حقہٗ احساس موجود نہ تھا۔ مسلمانوں کے باہمی اتفاق و محبت کے بارے میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرامین موجود ہیں ان سے عدم واقفیت، اور اگر واقفیت ہے بھی تو دلوں میں ان کا صحیح طور پر نقش نہ ہونا، وہ منبع ہے جس سے ہماری بے چینیوں اور اضطراب کا بہت سا حصہ پھوٹ کر ہماری زندگیوں میں زہر گھولتا رہتا ہے۔

تزکیۂ نفس :

اس موضوع کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد یہی ہوتا تھا کہ انسانوں کے نفوس کی اصلاح کی جائے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے اور وفادار نائب بنانے کی سعی ہو۔ تزکیۂ نفس کی مہم قدرتی طور پر دو مراحل پر مشتمل ہوتی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو غلط عقائد اور برے اعمال وعادات سے پاک کرنا اور صحیح عقائد اور صالح اعمال وعادات کی طرف لانا، اور یہ دونوں کام کہنے میں آسان مگر عمل میں انتہائی مشکل ہوتے ہیں۔ لہٰذا تزکیۂ نفس کے موضوع کے تحت وہ احادیث بھی قلم بند کی گئی ہیں جن میں تزکیۂ نفس کی تاکید اور فضیلت بیان ہوئی ہے اور ساتھ ہی حضورؐ کے وہ فرامین بھی بیان کر دیے گئے ہیں جن میں حضورؐ نے وہ طریقے بتائے ہیں جن پر عمل کرنا اس دشوار مہم میں آسانی پیدا کرتا ہے۔

دعوتِ دین :

کلام پاک میں سورۃ الحج آیات ۷۷ اور ۷۸ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، رکوع اور سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو۔ اور نیک کام کرو۔ اسی سے توقع کی جا سکتی ہے

کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام "مسلم" رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) "تاکہ رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔"

یہاں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ
"رسولؐ تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔" اس کی تشریح یوں کی گئی ہے:

"اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوع انسانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا اس وقت رسولؐ ہمارے ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے تم پر گواہی دے گا کہ فکر صحیح اور عمل صالح اور نظام عدل کی جو تعلیم ہم نے اسے دی تھی وہ اس نے تم کو بے کم و کاست پوری کی پوری پہنچا دی اور عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھا دیا۔ اس کے بعد رسولؐ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اٹھنا ہوگا اور یہ شہادت دینی ہوگی کہ رسولؐ نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا تم نے انہیں پہنچانے میں، اور جو کچھ رسولؐ نے تمہیں دکھایا تھا وہ تم نے انہیں دکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔"

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ ۱۱۹)

مندرجہ بالا آیت اور اس کی تشریح کی روشنی میں امت مسلمہ کا یہ

فرض ہے کہ جو ہدایت اُسے پہنچائی گئی ہے وہ اسے آگے دوسروں تک پہنچائے ۔ اس فرض سے منہ موڑ کر مسلمانوں نے صرف اپنی عاقبت ہی نہیں بلکہ اپنی دنیا بھی خراب کی ہے۔ اگر وہ دعوتِ دین کا فریضہ فرض شناسی کے ساتھ ادا کرتے رہے ہوتے تو آج یہ صورت نہ ہوتی کہ بعض ممالک جن پر وہ صدیوں حکومت کرتے رہے تھے وہاں آج اکثریت غیر مسلموں ہی کی ہے اور حکومت کھو بیٹھنے کے بعد اب مسلمان اقلیت ہونے کے باعث اس اکثریت کے ظلم سہنے پر مجبور ہیں جنہیں انہوں نے خدا کا پیغام پہنچانے کا فریضہ ادا نہیں کیا تھا۔ مثال کے طور پر اسی صدی کے وسط میں جب انگریز مجبور ہو کر ہندوستان کو چھوڑ کر جانے لگے تو مسلمان یہاں کی آبادی کا صرف ایک چوتھائی تھے۔ حالانکہ اس وقت انہیں یہاں آئے ہوئے کم و بیش بارہ سو سال ہو چکے تھے۔ اور اس عرصے کا زیادہ تر وقت انہوں نے یہاں حکمرانوں کی حیثیت سے گزارا تھا۔ اگر اس لمبے عرصے کے دوران انہوں نے دعوتِ دین کا فریضہ صحیح طریقے سے ادا کیا ہوتا تو آج ہندوستان کی غالب اکثریت مسلمان ہوتی اور سارا ہندوستان ہی پاکستان ہوتا۔ یہ دعوتِ دین سے غفلت برتنے کا ہی نتیجہ تھا کہ برصغیر میں بارہ تیرہ صدیاں گزار چکنے کے بعد بھی غیر مسلم ہم سے چار گنا زیادہ ہی رہے۔

جہاد فی سبیل اللہ:

اسلام ایک مکمل دین ہے جو انسان کو اس کی انفرادی زندگی

اور اجتماعی زندگی دونوں کے بارے میں ہدایات دیتا ہے۔ اسلام نے امّتِ مسلمہ کو جو طریقۂ زندگی سکھایا ہے اُسے پورے طور پر نافذ کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مسلمان سیاسی طور پر آزاد ہوں اور حکومت ان کی اپنی ہو جو علاقے میں اسلامی قانون نافذ کرنے کا پورا اختیار رکھتی ہو ورنہ اسلام کا بتایا ہوا طریقۂ زندگی پورے طور پر نافذ نہیں ہو سکے گا۔ ایسے ہی جب مسلمان دوسرے علاقوں کے غیر مسلموں کو دعوتِ دین دیں گے اور وہ غیر مسلم اسلام قبول کریں گے تو ان کے لیے بھی قدرتی طور پر یہ ضروری ہو جائے گا کہ دین پر پورے طور پر عمل کرنے کے لیے ایسی حکومت کے زیرِ سایہ زندگی گزاریں جو اسلامی اصولوں کے مطابق چل رہی ہو۔

لہٰذا اسلامی علاقوں کو غیر مسلموں کی دست بُرد سے بچانے کے لیے، اور غیر مسلم علاقوں میں خدا کا دین پھیلانے کے لیے، اور جن ممالک میں مسلمان غیر مسلم اکثریت کے مظالم کا نشانہ بن رہے ہوں انہیں ان مظالم سے بچانے کے لیے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ایک لازمی امر ہے اور جب مسلمان جہاد فی سبیل اللہ سے جان چرانے لگیں اور اللہ کی راہ میں مر جانے کے بجائے زندگی کو چمٹے رہنے کو پسند کرنے لگیں تو پھر وہ ذلت اور رسوائی کا شکار ہو کر رہتے ہیں اور بسا اوقات اپنی سیاسی آزادی کھو کر اپنے وطنوں کے اندر بے وطن ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع کے تحت جہاد کی فضیلت، اہمیت اور تاکید کے علاوہ شہادت کے رتبۂ بلند سے تعلق رکھنے والی احادیث بھی پیش کی گئی ہیں تاکہ پڑھنے والوں کے دلوں میں جیتے رہنے کی خواہش کے بجائے عزت کی موت مر جانے کا اشتیاق پیدا ہو کیونکہ جب مسلمان شہادت کے مشتاق ہو جائیں تو انہیں خدا کی رضا اور آخرت کی کامیابی

تو حاصل ہوتی ہی ہے مگر ساتھ ہی ملت اسلامیہ انجام کار دنیا میں بھی عزت حاصل کر لیتی ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع کے ساتھ ہی یہ تالیف بھی خدا کے فضل سے اپنے اختتام کو پہنچ گئی ہے اس رؤف و رحیم سے التجا ہے کہ وہ اسے شرفِ قبولیت بخشے اور اسے پڑھنے والوں کے لیے نافع بنائے، کیونکہ بہت سی چیزیں پڑھ تو لی جاتی ہیں مگر وہ نفع نہیں دیتیں اور بہت سی نفع دینے والی چیزیں موجود ہیں مگر انہیں پڑھنے کی توفیق نہیں ملتی۔ پڑھنے کی توفیق بخشنا اور پڑھے ہوئے کو نافع بنانا صرف اسی قادر مطلق کے اختیار میں ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

کتاب ۱۱

حقوق العباد

مال کو اجاڑنے میں تمیز کر سکے۔ شوہر کے مال کی حفاظت کرنا خود اپنی مالی حیثیت کو مضبوط کرنا ہے۔

۵

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دوزخ دکھائی گئی تو میں نے دیکھا کہ اس میں رہنے والوں میں اکثریت عورتوں کی ہے (وجہ یہ ہے کہ) وہ کفر کرتی ہیں۔ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ خدا کا کفر کرتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ (نہیں بلکہ) شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور (اس کا) احسان نہیں مانتیں (اے مخاطب) اگر تو ان میں سے کسی کے ساتھ زمانۂ دراز تک احسان کرتا رہے پھر وہ تم سے کوئی (ناپسندیدہ) بات دیکھ لے تو (فوراً) کہے گی کہ میں نے تو تم سے کبھی بھلائی پائی ہی نہیں۔

(بخاری)

تشریح: اس فرمان میں حضورؐ نے ایک ایسی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ ہر انصاف پسند انسان اُسے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ عموماً خواتین کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خاوند کی طرف سے ذرا سی بے توجہی یا کمی ہوئے پر اس کے بڑے بڑے احسانات کو نظر انداز کر کے اعلان کر دیتی ہیں کہ "اس گھر میں آکر کبھی سکھ پایا ہی نہیں"

ناشکری ایک ناپسندیدہ شے ہے اور خواتین کو اس سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے، جہاں چند لوگ مل جل کر رہیں گے وہاں ایک دوسرے کے ساتھ کبھی تھوڑی بہت زیادتی بھی ہو جاتی ہے اور یہ زیادتی ہمیشہ مرد ہی کی طرف سے نہیں ہوتی بسا اوقات عورتیں بھی زیادتی کر دیتی ہیں لہٰذا چھوٹی چھوٹی باتوں سے مشتعل ہو کر بڑی بڑی باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا

چاہیئے ۔ شوہر بیوی کو کما کر دیتا ہے ، اس کے سارے اخراجات کا ذمہ دار ہے ۔ اس کی حفاظت کرتا ہے اور زندگی میں اسے وہ رفاقت دیتا ہے جو اسے کسی اور جگہ سے نہیں مل سکتی کیونکہ والدین تو ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور بہن بھائی اپنے اپنے کنبوں میں مصروف ہو جاتے ہیں ۔ ایک تنہا عورت عمر بھر کے لیے ان رشتوں پر بھروسہ نہیں کر سکتی ۔ وہ صرف شوہر ہی کی ذات ہوتی ہے جو انشاء اللہ اسے عمر بھر کی رفاقت دیتی ہے ۔ پھر اسی انسان کے باعث وہ ایک گھر کی مالکہ بنتی ہے جہاں اس کی رائے کو ایک خاص حیثیت حاصل ہوتی ہے اور جہاں اس کے پاؤں کے نیچے آئندہ نسل کی جنت ہوتی ہے ۔ ان سب حقائق پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس کے دل میں اس انسان کے لیے ضرور شکر گزاری کے جذبات ہونے چاہئیں جسے خدا نے ان تمام پسندیدہ نتائج کا ذریعہ بنایا ہوتا ہے ۔

۱۴

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہوگی ۔ (ترمذی)

تشریح :- بعض جگہ یہ حدیث اس طرح بھی بیان ہوئی ہے کہ جو عورت اس حالت میں وفات پائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہوگی ۔ جو صورت بھی ہو مقصود یہ ہے کہ عورت کو کوشش کرنی چاہیئے کہ شوہر اس سے راضی رہے ۔ ظاہر ہے کہ انسان اسی سے راضی رہتا ہے جو اس کی مرضی کے مطابق چلے ، اس کی اطاعت کرے ، اس کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے ۔ اس کے جائز اور مفید پروگراموں میں اس کا مددگار ہو اور زندگی میں

حقوق العباد کی اہمیت

۱

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ۔ ہمارے ہاں تو مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو نہ ساز وسامان رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز اور روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا۔ مگر اس حالت میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا۔ پھر وہ بیٹھے گا اور اس کی کچھ نیکیاں اس کے مظالم کے قصاص کے طور پر ایک (مظلوم) لے لے گا اور کچھ دوسرا (مظلوم) لے لے گا۔ پھر اگر اس کی نیکیاں اس کی خطاؤں کا قصاص ادا کرنے سے پہلے

ہی ختم ہو گئیں تو پھر اس کے مظلوموں کی خطائیں لے لی جائیں گی اور اس (ظالم) پر ڈال دی جائیں گی۔ پھر اُسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (ترمذی)

تشریح: یعنی جس انسان نے خدا کے حقوق تو ادا کئے ہوں گے مگر ساتھ ہی انسانوں کے حقوق تلف کرتا رہا ہو گا وہ قیامت کے دن ماخوذ ہو گا اور اگر اس کی نیکیاں اس کے ان مظالم کا قصاص ادا کرنے سے قاصر رہیں جو اس نے خدا کے بندوں پر کئے ہوں گے تو وہ اپنی نمازوں، روزوں اور زکوٰۃ کے باوجود جہنم کا سزاوار ہو گا۔ امام بیہقیؒ نے اپنے مجموعہ احادیث "شعب الایمان" میں ایک روایت بیان کی ہے کہ حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ پس اُسے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی عیال سے حسن سلوک کرے۔

باب ۱

افرادِ خانہ کے باہمی حقوق

ایک کنبے میں رہنے والے مختلف افراد کے باہمی حقوق بیان کرنے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور ازدواجی زندگی کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نگاہ کی کچھ وضاحت کر دی جائے۔ سُنَن ابن ماجہ، الواب النکاح کی دوسری حدیث میں حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نکاح میری سُنّت ہے۔ پس جو کوئی میری سنت پر نہ چلے وہ مجھ سے تعلق نہیں رکھتا۔ ۔ ۔ ۔"

اس حدیث سے اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے طرز عمل سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں تجرّد کی زندگی کو پسند نہیں کیا گیا بلکہ نکاح کر کے ازدواجی زندگی اختیار کرنے کو پسند کیا گیا ہے۔ یہاں مختصراً یہ بیان کر دینا مفید ہوگا کہ ازدواجی زندگی کے وہ دینی اور دنیوی فوائد کیا ہیں جن کے باعث اسلام نے اسے تجرّد کی زندگی پر ترجیح دی ہے۔

۱۔ نکاح انسان کی عفت وعصمت کو محفوظ کرنے کا ایک کامیاب ذریعہ ہے۔ انسان کی آفرینش کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کو اللہ تعالیٰ نے مرد ہی سے پیدا کیا تھا۔ لہٰذا ان دونوں کا ایک دوسرے سے کٹی ہوئی زندگی گزارنا تقریباً ناممکن ہے دنیا کا کوئی نظام بھی خرابی پیدا کئے بغیر انہیں ایک دوسرے سے کلی طور پر علیحدہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس لیے اگر یہ جائز طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہ رہیں گے تو ناجائز طریقے اختیار کرنے پر تُل جائیں گے۔ اس لیے اسلام نے اسی بات کو پسند فرمایا ہے کہ وہ نکاح کی پابندیاں اختیار کر کے مل جل کر زندگی گزاریں اور جنسی خرابیوں سے محفوظ ہو جائیں۔

۲۔ نکاح نسل انسانی کی بقاء، حفاظت اور تعلیم وتربیت کا عمدہ ترین ذریعہ ہے۔ انسانی زندگی کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے۔ ہر شخص جو دنیا میں آتا ہے اس نے لازماً ایک دن واپس بھی جانا ہے۔ اس لیے دنیا میں انسانیت کے باقی رہنے کے لئے ضروری ہے کہ جانے والے اپنی جگہ دوسرے انسان چھوڑ جائیں۔ پھر مقصد صرف انسانیت کے سلسلے کو باقی رکھنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ جو نئے انسان دنیا میں آئیں ان کی حفاظت اور تعلیم وتربیت کا بھی مناسب بندوبست ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان نوواردوں کو ایک محفوظ گھر دیا جائے جہاں ان کے ایسے ہمدرد، بہی خواہ اور جان نثار موجود ہوں جو صرف احساس فرض ہی کے باعث نہیں بلکہ دل کے جذبے اور قلبی محبت کے باعث بھی ان کی پرورش، تعلیم وتربیت اور غور وپرداخت کریں۔ اور یہ کٹھن مہم صرف ماں کی مامتا اور باپ کی شفقت ہی سرانجام دے سکتی ہے۔ نکاح کی شرائط، پابندیاں اور اس کے لازم کئے ہوئے باہمی

حقوق و فرائض والدین کو بچوں کے ساتھ اس طرح باندھ دیتے ہیں کہ وہ عمر بھر ان کی خیر خواہی میں لگے رہتے ہیں۔ انسانی اداروں میں غالباً صرف ازدواجی زندگی ہی ایک ایسا ادارہ ہے جس سے تعلق رکھنے والوں کی یہ دلی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے سیکھے ہوئے زندگی کے ہر میدان میں ان سے آگے بڑھ جائیں۔

۳۔ نکاح مرد و زن کی صلاحیتوں کو نشو و نما دیتا ہے۔ لوگ عموماً شادی کو صرف ایک خوشی اور مسرت کی بات سمجھتے ہیں۔ حالانکہ شادی صرف خوشی اور حفاظت حاصل ہونے کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ ذمہ داریوں کا ایک بہت بڑا پلندہ بھی ہے۔ روزی کمانا، اہل خانہ کی کفالت کرنا، آمدنی اور اخراجات کو برابر کرنے کی سعی کرنا، بچوں کو پالنا، ان کی تعلیم و تربیت کرنا، ان کے دکھ بیماریوں اور شوخی شرارتوں کے سلسلے میں مشقتیں اٹھانا، گھر بار کی حفاظت کرنا اور ایسی ہی اور بے شمار ذمہ داریوں کا بوجھ پڑنے سے انسان کی بہت سی ایسی سوئی ہوئی قوتیں اور صلاحیتیں جاگ اٹھتی ہیں کہ اگر ان ذمہ داریوں کا بوجھ نہ پڑتا تو وہ سوئی ہی رہتیں۔

۴۔ نکاح اشاعت دین کا ذریعہ بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کی تعداد کے بڑھنے کے دو ذرائع ہیں۔ ایک یہ کہ غیر مسلموں میں اشاعت دین کر کے انہیں دائرہ اسلام کے اندر لایا جائے اور دوسرے یہ کہ اسلامی معاشرے کے اندر مسلمانوں کی تعداد بڑھے۔ ازدواجی زندگی اس دوسرے طریقے سے مسلمانوں کی تعداد بڑھاتی ہے ایک کلمہ گو مرتے وقت اپنی جگہ کئی اور کلمہ گو چھوڑ جاتا ہے جو فوراً اس کی کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔ پھر والدین نے چونکہ بچوں کی صرف جسمانی دیکھ بھال ہی نہیں کرنی ہوتی بلکہ انہیں دینی، اخلاقی اور

روحانی تربیت بھی دیتی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ غیر ارادی طور پر کسی حد تک تبلیغ دین کا حق بھی ادا کرتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی ازدواجی زندگی کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً ہر مرد اور ہر عورت کو ایک آرام دہ ٹھکانہ مل جاتا ہے جس میں عورت کو کما کر کھلانے والا اور حفاظت کرنے والا اور مرد کو اس کا گھر بار سنبھالنے والی اور اس کے بچوں کو پالنے والی اور اسے سچی رفاقت دینے والی مل جاتی ہے۔ ازدواجی زندگی فراخیٔ رزق کا ذریعہ بھی ہے۔ دو انسانوں کے اپنے اپنے حصے کے رزق ملتے ہیں تو برکت زیادہ ہو جاتی ہے۔ بسا اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ اولاد ایسی ہونہار نکل آتی ہے کہ گھر کی کایا پلٹ کر رکھ دیتی ہے۔

ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ ازدواجی زندگی کے پیدا کردہ بوجھ، غم، فکر، اضطراب اور ناخوشگوار تجربات عموماً انسان کے دل کے نرم ہو کر خدا کی طرف مائل ہونے میں بہت مددگار ہوتے ہیں۔ غرضیکہ نکاح گوناگوں فوائد کا حامل ہوتا ہے، اسی لیے اسلام نے ازدواجی زندگی کو تجرد کی زندگی پر ترجیح دی ہے۔

افراد خانہ کے باہمی حقوق کے سلسلے میں عموماً والدین کے حقوق کو پہلے بیان کیا جاتا ہے کیونکہ خدا اور رسولؐ کے بعد انسان کے سب سے بڑے محسن والدین ہی ہوتے ہیں۔ مگر یہاں زوجین کے حقوق کو اس لیے پہلے رکھا گیا ہے کہ انسانی رشتوں میں جو رشتہ سب سے پہلے وجود میں آیا تھا وہ زوجین کا رشتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور اس کے بعد ان کی رفاقت کے لیے حضرت حوا کو پیدا فرمایا اور ان کے بعد والدین اور اولاد کے رشتے وجود میں آئے۔

شوہر کے حقوق :

قرآن اور حدیث کی روشنی میں شوہر کے خاص خاص حقوق حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اس کی عزت کی جائے۔
۲۔ اس کی اطاعت کی جائے۔
۳۔ اس کی خدمات کا احساس رکھتے ہوئے دل میں اس کے لیے شکر گزاری کے جذبات ہوں۔
۴۔ جہاں تک ہوسکے اسے راضی رکھنے کی کوشش کی جائے۔
۵۔ اس کے گھربار، مال اور بچوں کی حفاظت کی جائے اور اس کی کمائی کو اجاڑا نہ جائے۔
۶۔ اس کے گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دی جائے جن کا آنا وہ پسند نہ کرتا ہو۔
۷۔ اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفل روزے نہ رکھے جائیں۔ وغیرہ۔

(۲)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو (خدا کے علاوہ) کسی اور کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے (مگر خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدہ جائز نہیں ہے) (ترمذی)

تشریح:۔ انسان سب سے بڑا اعزاز جو کسی کو دے سکتا ہے وہ یہی

ہے کہ اس کے آگے سجدہ کرے۔ اسلام میں وہ واحد ہستی جو اس اعزاز کی مستحق ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے اس کے سوا اور کسی کے آگے سجدہ کرنے کی قطعی طور پر اجازت نہیں۔ اس حدیث میں جو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو کسی اور کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے تو اس فرمان سے حضورؐ کی مراد یہ واضح کرنا تھا کہ شوہر بیوی کے لیے بہت زیادہ محترم ہستی ہے۔ لہٰذا بیوی کو اس کی عزت کرنی چاہیئے۔ عزت کرنے کی ایک شکل تو یہ ہے کہ بیوی خاوند کے ساتھ رویہ ایسا رکھے جو عزت مندانہ ہو اور جس میں اس کے احترام کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ خاندان اور معاشرے میں بھی اس کی عزت قائم رکھنے کی سعی کرے۔ اکٹھے رہتے ہوئے انسان کو ایک دوسرے کے خلاف ہزار شکایات پیدا ہو سکتی ہیں۔ مگر کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ ان کے ازالے کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے انسان ایک دوسرے کی بے عزتی کا باعث نہ بنے۔

۳

(سورۃ التوبہ آیات نمبر ۳۴ اور ۳۵ میں فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری

سنا دو۔ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا تو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزا چکھو)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بہت شاق ہوئی۔اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ (ٹھہرو) میں تمہاری اس پریشانی کو دور کرتا ہوں۔پس وہ چلے اور (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر) عرض کیا کہ اے خدا کے نبیؐ، آپؐ کے اصحابؓ پر یہ آیت بہت شاق ہوئی ہے (وہ اس بات سے پریشان ہو گئے کہ دنیا میں جو دولت ان کے پاس ہوگی وہ قیامت کے دن عذاب کا ذریعہ بن جائے گی) اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دیکھو) اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے تاکہ (اس کی ادائیگی کے بعد) جو اموال تمہارے پاس باقی رہ جائیں وہ پاک ہو جائیں (اور قیامت کے دن ذریعہ عذاب نہ بنیں) اور اسی واسطے خدا نے ورثے کو وارثوں میں تقسیم کرنے کو فرض ٹھہرادیا ہے تاکہ (تمہارے چھوڑے ہوئے اموال) تمہارے بعد آنے والوں کو پہنچ جائیں (جب حضورؐ نے یہ وضاحت فرمادی) تو حضرت عمرؓ (مارے خوشی کے) اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ اٹھے۔پھر حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ شے نہ بتاؤں جو انسان کا بہترین خزانہ ہے (پھر فرمایا کہ انسان کا بہترین خزانہ) وہ نیک عورت ہے کہ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کردے۔اور جب شوہر اُسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جب شوہر غائب ہو تو وہ (اپنے نفس اور گھر بار کی) حفاظت کرے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔عورت کے لیے خاوند کی اطاعت کرنے کو اتنا پسندیدہ

کیوں سمجھا گیا ہے؟ اس کی مصلحت کو سمجھنے کے لیے یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ جہاں کہیں بھی ایک سے زیادہ لوگ مل جل کر رہ رہے ہوں گے۔ وہاں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے اور معاملات کو درست طریقے سے چلانے کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ ان میں سے کسی ایک کو سربراہ بنا دیا جائے۔ پھر اس سربراہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو حفاظت بھی بہم پہنچائے، ان کی اُن ضروریات کا بھی بندوبست کرے جو وہ خود پوری نہ کر سکتے ہوں اور اس بات کا بھی دھیان رکھے کہ وہ لوگ ایک دوسرے کے حقوق نہ چھیننے پائیں اور ایک دوسرے پر دست درازی نہ کر سکیں۔ مختصر یہ کہ وہ سربراہ اس نظم اجتماعی کو عمدہ طریقے سے چلانے کا ذمہ دار ہوگا اور چونکہ اس کے کندھوں پر ذمہ داری کا بوجھ ڈالا گیا ہوگا اس لیے اسے اس بوجھ کو اٹھانے کے قابل بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہوگا کہ اسے کچھ خصوصی اختیارات بھی دیئے جائیں۔ کیونکہ اگر کسی سربراہ کے زیر نگرانی رہنے والے لوگ اس کی اطاعت نہیں کریں گے تو وہ سربراہ اپنی ذمہ داریوں کو درست طریقے سے ادا نہیں کر سکے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نظم اجتماعی میں خرابی اور فساد پیدا ہوگا جس سے ان نافرمانی کرنے والوں کو بھی اتنی ہی تکلیف پہنچے گی جتنی اسے جس کی نافرمانی کی جائے گی۔

اب گھر بھی ایک نظم اجتماعی ہے۔ اس میں بھی ایک سے زیادہ لوگ مل جل کر زندگی گزارتے ہیں۔ یہاں بھی ایک سربراہ کی ضرورت ہے جو یہاں کے معاملات کو درست رکھنے کا ذمہ دار ہو اور اس ذمہ دار سربراہ کے لیے بھی لازمی ہے کہ زیر نگرانی رہنے والے اس کی اطاعت کریں۔ مرد کی خصوصی صلاحیتوں اور ان ذمہ داریوں کے باعث جو خدا نے اس کے کندھوں پر ڈالی ہوئی ہیں یہ سربراہی کا منصب اسے عطا کر دیا گیا ہے تاکہ وہ گھر کی چھوٹی سی سلطنت کے معاملات درست رکھے اور ان میں فساد نہ پیدا ہونے دے۔

یہاں اطاعت کے معاملے میں چند ضروری باتیں ذہن نشین کر لینی چاہییں تاکہ اطاعت کی خواہش مند خواتین غیر ضروری پریشانی اور مشقت سے بچ جائیں۔
ایک یہ کہ اطاعت صرف جائز امور ہی میں کی جائے گی۔ ناجائز امور میں نہیں کی جائے گی۔ یعنی ان امور میں اطاعت نہیں کی جائے گی جن میں اطاعت کرنے سے خدا کی نافرمانی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شوہر بیوی کو حکم دے کہ تم شرک کرو یا فرض نماز نہ پڑھو یا اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہ کرو وغیرہ تو ان امور میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ ایسے ہی عورت انہیں امور میں اطاعت کرنے پر مامور ہے جنہیں کرنے کی اس میں استطاعت ہو۔ اب اگر خاوند کوئی ایسا حکم دے جسے پورا کرنا بیوی کی استطاعت سے باہر ہو تو وہ اس میں معذور سمجھی جائے گی اور خدا کے نزدیک اس کا اطاعت نہ کرنا قابل مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ جائز امور میں جو اس کی استطاعت کے اندر ہوں اسے اطاعت کرنی چاہیئے۔

ایسے ہی مرد کی غیر موجودگی میں عورت کا اپنے نفس، اپنے بچوں اور گھر بار کی حفاظت کرنا بھی اس لیے از حد پسندیدہ ہے کہ مرد نے تو روزی کمانے کے سلسلے میں گھر سے باہر جانا ہی ہوتا ہے اور یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہیں حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی غیر موجودگی میں عورت ہی ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہو سکتی ہے۔ اس کا احساس فرض شناسی کے ساتھ ان سب کی حفاظت کے لیے سعی کرنا اس کے لیے بہت قابل تعریف بات ہے۔

۴

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے بہترین قریش کی عورتیں

ہیں (اس حدیث کے) ایک اور راوی نے کہا کہ (حضورؐ نے یوں فرمایا کہ اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے بہترین) قریش کی نیک عورتیں ہیں کہ وہ بچے کے بچپن میں اس کے لیے بہت شفیق ہوتی ہیں اور خاوند کے ہاتھ کے مال کی بہت حفاظت کرتی ہیں۔ (بخاری)

تشریح :۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کا بیوی پر ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اس کے مال کی حفاظت کرے۔ کیونکہ شوہر کے مال کی حفاظت کرنے والی خواتین کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ مال کی حفاظت یہ ہے کہ اسے برباد ہونے سے بچایا جائے۔ بربادی کی ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت نہ کی جائے، لہٰذا اسے چور چرا کر لے جائیں یا گھر کے خادم گھر کی مالکہ کی مناسب نگرانی نہ ہونے کے باعث اسے لوٹتے رہیں یا مسرفانہ طور پر استعمال کر کے برباد کرتے رہیں اور دوسری شکل یہ ہے کہ گھر والی خود اسے اپنے ہاتھوں ایسے مصارف پر صرف کرتی ہے جو لایعنی اور فضول ہوں۔ ہمارے ہاں شادی اور ماتم کی کئی ایسی رسوم مروّج ہیں جو غیر اسلامی تہذیبوں، بلکہ بعض بت پرست تہذیبوں سے لی گئی ہیں اور جو لایعنی ہونے کے علاوہ بے ہودہ بھی ہیں۔ ان رسوم پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے اور عموماً خواتین ہی ان رسوم کی زیادہ دلدادہ ہوتی ہیں اور اصرار کر کر کے ان رسوم کو پورا کرواتی اور اس طرح شوہر کی کمائی کو اجاڑنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ایسے ہی جھوٹی شان و شوکت دکھانے کے لیے بھی مال اجاڑا جاتا ہے۔ جو شرعی نقطہ نگاہ سے سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ جسے خدا نے مال دے رکھا ہو۔ اس کے لیے اچھا کھانا، اچھا پہننا اور اچھی طرح رہنا سہنا ایک بالکل جائز امر ہے۔ مگر ایک مسلمان عورت میں، جسے معلوم ہے کہ کل اس نے خدا کے ہاں جا کر ہر نعمت کا حساب دینا ہے، اتنی فراست اور سمجھ بوجھ ضرور ہونی چاہیئے کہ وہ مال کو جائز ضروریات پر خرچ کرنے اور

اسے اچھی رفاقت دے۔ لہٰذا بیوی کو شوہر کو راضی رکھنے کے لیے ان امور کا دھیان رکھنا ہو گا جس سے عموماً ایک شوہر کو راضی رکھا جا سکتا ہے اور جن میں بیوی کی نیکوکاری، نیک چلنی اور وفاداری کو نمایاں حیثیت حاصل ہے یہاں ایک بات کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ بعض مرد کی طبائع میں ایسا اکھڑ پن اور خود پسندی اور تکبر ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی صورت راضی ہونا ہی نہیں ہونا چاہیے بیوی کتنی ہی کوششیں کیوں نہ کر گزرے۔ ایسی صورت میں عورت کو اپنا فرض ادا کرتے رہنا چاہیئے اور نتائج خدا پر چھوڑ دینے چاہئیں جو شوہر بے وجہ ناراض ہوتا رہے اس کی ناراضی انشاء اللہ بیوی کے لیے اللہ کے ہاں کسی قسم کے نقصان کا باعث نہیں بنے گی۔ اس قسم کی صورت حالات میں ایک بنیادی بات یاد کر لینی چاہیئے وہ یہ کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ انسانوں میں سے خاص خاص رشتوں کو راضی رکھنے کی کوشش صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ ان کی رضا کے ذریعے خدا کی رضا حاصل کی جائے۔ اب اگر ان رشتوں میں سے کسی رشتے سے تعلق رکھنے والا انسان ایسا ہے کہ کسی صورت راضی ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تو اس کی مرضی۔ جس شخص نے خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے اسے راضی کرنے کی کوشش کی تھی اس کی نیک نیتی کی بنا پر اللہ اس سے ضرور راضی ہو جائے گا اور یہی اس کا اصل مقصود تھا۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے کٹر دل لوگ کم ہوتے ہیں۔ ایک عام شوہر جو اپنے گھر بار کے امن چین سے محبت رکھتا ہے عموماً بیوی کی اطاعت، تعاون، نیکی، فرض شناسی اور خوش خلقی سے راضی ہی رہتا ہے۔

۷

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔ اور نہ اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت دے۔ اور (بیوی) خاوند کی کمائی میں سے اس کے حکم کے بغیر جو کچھ بھی (راہِ خدا) خرچ کرے گی اس کا آدھا اجر خاوند کو ملے گا۔ (مسلم)

تشریح: جہاں تک اس حدیث میں بیان کردہ باتوں میں سے پہلی بات کا تعلق ہے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ روزے سے یہاں مراد نفل روزہ ہے یا کوئی ایسا روزہ جسے رکھنا تو ضروری ہے مگر اسی دن رکھنا ضروری نہیں بلکہ وہ کسی اور دن بھی رکھا جا سکتا ہے مثلاً نذر کا روزہ یا رمضان کے کسی روزے کی قضا وغیرہ۔ حکم یہ ہے کہ جب شوہر شہر میں موجود ہو تو اس قسم کا کوئی روزہ اس کی اجازت سے رکھا جائے۔ لیکن اگر وہ سفر پر گیا ہو تو پھر بیوی کو اس کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر قسم کا روزہ رکھ سکتی ہے۔ ایسے ہی جب شوہر گھر میں موجود ہو تو بیوی اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔ اس کے بارے میں بھی علماء بتاتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ بیوی کو معلوم نہ ہو کہ اس آنے والے کا آنا اس کے شوہر کو پسند ہو گا یا ناپسند۔ اور اگر اسے معلوم ہو کہ اس کا آنا اس کے شوہر کو ناپسند نہیں تو وہ اُسے آنے کی اجازت دے سکتی ہے۔ ایسے ہی اگر بیوی شوہر کے حکم کے بغیر اس کے مال میں سے خیرات کرے گی تو اس خیرات کا آدھا ثواب شوہر کو ملے گا۔ کیونکہ وہ مال شوہر کی ملکیت ہے اور اگرچہ خیرات اس کے حکم کے بغیر کی گئی ہے تاہم چونکہ مال اسی کا تھا اس لیے آدھا ثواب اُسے ملے گا۔

بیوی کے حقوق :

مندرجہ بالا احادیث میں شوہر کے جو حقوق بیان ہوئے ہیں وہ بیوی کے فرائض تھے۔ اب آئندہ صفحات میں بیوی کے حقوق بیان ہوں گے جو شوہر کے فرائض ہیں۔ آئندہ آنے والی احادیث پڑھ کر اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے کہ اگر ایک طرف بیوی خاوند کے حقوق ادا کرنے کی پابند ہے تو دوسری طرف خاوند پر بھی فرض ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ بیوی کے حقوق ادا کرے۔ اسلامی احکام و تعلیمات کی رُو سے ایک بیوی کے نمایاں حقوق مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شوہر بیوی کی کفالت کرے یعنی بیوی کے تمام ضروری اخراجات کا بار اٹھائے۔ شوہر امیر ہو یا غریب وہ اپنی حیثیت کے مطابق بیوی کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہے۔

۲۔ شوہر کے لیے ضروری ہے کہ بیویوں کے معاملے میں انصاف سے کام لے اور اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو سب کے حقوق یکساں طور پر ادا کرے۔

۳۔ شوہر کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بیوی کے معاملے میں محبت اور خیر خواہی کا رویہ رکھے، اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے اور بدسلوکی کرنے سے پرہیز کرے۔

۴۔ اگر بیوی کو شوہر سے اتنی نفرت ہو چکی ہو کہ وہ اس کے ان حقوق کو ادا نہ کر سکتی ہو جو خدا نے ضروری قرار دیئے ہیں تو وہ خلع لے سکتی ہے یعنی اپنے نکاح کو ختم کرا سکتی ہے۔

۸

حکیم بن معاویہ القُشیری کے باپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے خدا کے رسولؐ ، ہم میں سے کسی پر اسکی بیوی کا کیا حق ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ (بیوی کا تم پر یہ حق ہے کہ) جب تو خود کھائے تو اسے بھی کھلائے اور جب تو خود پہنے تو اسے بھی پہنائے اور اس کے چہرے پر نہ مار اور اُسے بُرا نہ کہہ اور اُسے جدا نہ کر مگر گھر کے اندر ہی ۔ (ابوداؤد)

تشریح :۔ اس حدیث میں کفالت کرنے اور بدسلوکی سے پرہیز کرنے کا حکم ہے ۔ مسلم کتاب الحج میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضورؐ امت کو زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھنے والے احکام دے رہے تھے تو عورتوں کے بارے میں آپؐ نے جو نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ " ان کا روٹی کپڑا دستور کے موافق تم پر واجب ہے ۔" حدیث کے آخر میں حضورؐ نے یہ جو فرمایا ہے کہ اسے جُدا نہ کر مگر گھر کے اندر ہی تو اس سے مراد یہ ہے کہ ناراضی کی صورت میں بھی اسے گھر سے نکالا نہ جائے ۔

۹

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا تمہیں ثواب دیا جائے گا ۔ یہاں تک کہ جو (لقمہ) تم اپنی بیوی

کے منہ میں دو گے (اس کا بھی تمہیں ثواب ملے گا) (بخاری)

تشریح : بیویوں کے اخراجات خوش دلی سے پورے کرنے پر شوہروں کو ثواب کی بشارت دی گئی ہے تاکہ وہ دلی اشتیاق سے اس فریضے کو ادا کریں۔ ذیل کی حدیث میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

۱۰

حضرت ابومسعودؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مرد خالص خدا کی رضامندی چاہنے کے لیے اپنی بیوی (یا اپنے گھر والوں) پر خرچ کرے تو وہ خرچ کرنا اس کے لیے خیرات کا حکم رکھتا ہے (جس کا اسے ثواب ملے گا) (بخاری)

۱۱

(حضرت امیر معاویہؓ کے والدین ابوسفیان اور ہند نے مدتوں اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کی تھی۔ آخر جب حضورؐ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو یہ دونوں مسلمان ہو گئے)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہند رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ خدا کی قسم (پہلے میرے دل کی کیفیت یہ تھی کہ) سطحِ زمین پر جتنے گھرانے ہیں ان میں سب سے زیادہ آپؐ کے گھرانے کے بارے میں مجھے یہ پسند تھا کہ خدا اسے ذلیل کرے اور (اب میرے دل کی کیفیت یہ ہے کہ) سطحِ زمین پر جتنے گھرانے ہیں ان میں سب سے زیادہ آپؐ کے گھرانے کے بارے میں مجھے یہ پسند ہے

کہ خدا اُسے معزز کرے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تمہارے دل کی یہ کیفیت ابھی اور بڑھے گی (یعنی تمہارے دل میں ابھی خدا اور خدا کے رسولؐ کی محبت اور زیادہ پیدا ہوگی) پھر ہند نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ (میرے شوہر) ابوسفیان ایک کنجوس آدمی ہیں۔ اگر میں ان کے مال میں سے کچھ ان کی اجازت کے بغیر ان کے بال بچوں پر صرف کر لیا کروں تو کیا مجھے گناہ ہوگا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے کوئی گناہ نہیں ہوگا بشرطیکہ تو اس کے بال بچوں پر دستور کے موافق ہی صرف کرے۔ (مسلم)

تشریح: بعض مرد دل کی تنگی کے باعث یا کسی اور وجہ سے بیویوں کو اتنا خرچ نہیں دیتے جو ان کی اور بچوں کی ضروریات کے لیے پورا ہو سکے۔ ایسی صورت میں اگر بیوی شوہر کے مال میں سے بغیر اُسے بتائے لے لے تو حرج نہیں بشرطیکہ اتنا ہی لے جو اس کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔ بہت زیادہ اور ضرورت سے زیادہ نہ لے۔ حضورؐ نے جو کچھ ہندؓ کے سوال پر فرمایا اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ شوہر بیوی بچوں کی کفالت کا ذمہ دار ہے اور اگر وہ اس ذمہ داری کو پورے طور پر نہ اٹھائے اور بیوی کو اتنا خرچ نہ دے جتنا ضروری ہو تو بیوی اسے بتائے بغیر بھی اس کے مال میں سے اتنا لے سکتی ہے جو اُسے کفایت کرے۔

(۱۲)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں میں سے ایک کی طرف

جھکے (اور اس کے حقوق ادا کرے اور اس کے مقابلے میں دوسری کے حقوق ادا نہ کرے) تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ گرا ہوا ہوگا۔ (ابوداؤد)

تشریح: ایک کی طرف جھکنے سے مراد یہ ہے کہ دوسری کی طرف سے بے توجہی برتے اور اس کے حقوق ادا نہ کرے۔ یہ صراحتاً بے انصافی ہے اور اسلام نے بیویوں کے درمیان عدل قائم کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی ہے۔ بیویوں کے ساتھ بے انصافی کرنے کی کئی شکلیں ہوتی ہیں مگر ان میں شدید ترین غالباً یہی ہے کہ اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان میں سے کسی ایک کے حقوق ادا کیے جائیں اور دوسری کو نظر انداز کیا جائے گویا کہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اسلام میں اس معاملے میں شدید تنبیہ آئی ہے اور سختی سے حکم دیا گیا ہے کہ سب بیویوں سے یکساں سلوک کیا جائے۔ کفالت کا مسئلہ ہو یا حفاظت کا، یا پاس رہنے کا، یا کسی اور امر کا جس کا ازدواجی زندگی سے تعلق ہو، سب کے بارے میں یہی ہدایت دی گئی ہے کہ سب بیویوں کو ایک درجے پر رکھا جائے۔ البتہ دل پر چونکہ انسان کو اختیار حاصل نہیں ہوتا اس لیے اگر شوہر کے دل میں کسی ایک بیوی کی محبت دوسری کی نسبت زیادہ ہو تو اس میں اسے معذور سمجھا جائے گا۔ تاہم یہ رخصت صرف دل کے جذبات تک کے لیے ہے۔ جہاں تک ظاہری سلوک کا تعلق ہے شوہر کے لیے لازم ہے کہ جس بیوی سے کم محبت ہے اس سے بھی سلوک ویسا ہی رکھے جیسا اس سے جس سے زیادہ ہے۔

۱۳

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں

کے پاس باری باری رہتے تھے اور ان میں برابری رکھتے تھے پھر فرماتے تھے کہ اے خدا یہ میرا عمل ہے اس امر میں جس کا میں مالک ہوں، پس مجھے ملامت نہ کیجیو اس امر میں جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں۔ (ابن ماجہ)

تشریح: مراد یہ ہے کہ جہاں تک ظاہری سلوک کا تعلق ہے میں اپنی بیویوں میں انصاف کرتا ہوں کیونکہ ایسا کرنا میرے اختیار میں ہے مگر جہاں تک دل کی محبّت کا تعلق ہے وہ میرے اختیار سے باہر ہے کیونکہ دل کا میلان انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ یہ ایسی چیز ہے جو صرف خدا کے اختیار میں ہوتی ہے۔ پس اگر میرے دل میں کسی ایک کی محبّت زیادہ ہو تو اس پر مؤاخذہ نہ فرمایئے گا۔ واضح رہے کہ شوہر کے دل کے کسی ایک کی طرف زیادہ مائل ہونے سے حرج واقع نہیں ہوتا اگر وہ حسن سلوک اور دوسرے معاملات میں سب بیویوں کے درمیان برابری رکھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم امہات المؤمنین کے معاملے میں پورے عدل سے کام لیتے تھے۔ آپؐ کا طریقہ تھا کہ باری باری ہر امّ المؤمنین کے پاس رہتے تھے۔ پھر جب آپؐ اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں پھر آپؐ دنیا سے تشریف لے گئے تو آخری ایّام آپؐ نے حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں گزارے مگر اس کے لیے آپؐ کو باقی امہات المؤمنین نے اجازت دی تب آپؐ وہاں رہے۔

(۱۴)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمنوں میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب

سے اچھا ہو اور تم میں سب سے زیادہ اچھے وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے سب سے اچھے ہیں۔ (ترمذی)

تشریح:۔ پیارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے عمل سے مسلمانوں کے سامنے جو نمونہ پیش کیا وہ بھی یہی تھا کہ بیویوں سے نہایت عمدہ برتاؤ کیا جائے اور زبان مبارک سے بھی یہی تلقین فرمائی خطبۂ حجۃ الوداع میں جہاں حضورؐ نے مسلمانوں کو اور بہت سی نصیحتیں کیں وہاں عورتوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ

"عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی نصیحت قبول کرو" (ترمذی)

حسن سلوک ایک جامع ترکیب ہے اور اس میں اچھے برتاؤ کی بہت سی شکلیں آجاتی ہیں مثلاً بیوی کے اخراجات کو اپنی استطاعت کے مطابق اچھی طرح پورا کرنا، اس کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنا، اس کا ہمدرد اور خیر خواہ رہنا، اس کی چھوٹی موٹی غلطیوں کو نظر انداز کرنا، اس کے رشتے داروں کو برا کہنے سے پرہیز کرنا بلکہ ان سے اچھا سلوک رکھنا، اس پر بے جا اور نامناسب پابندیاں نہ لگانا، اپنے امکان کی حد تک اسے راحت و آرام پہنچانا وغیرہ۔ جو لوگ حضورؐ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے بیویوں سے حسن سلوک کرتے ہیں انہیں آخرت کے اجر سے پہلے ہی دنیا میں بھی عموماً یہ اجر مل جاتا ہے کہ بیویاں بھی ان کی ہمدرد، خیر خواہ اور سچی رفیق ثابت ہوتی ہیں۔

۱۵

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مومن مرد مومن عورت کو دشمن نہ رکھے۔ کیونکہ اگر اسکی ایک عادت ناپسندیدہ

ہو گی تو دوسری پسندیدہ ہو گی (راوی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ فرمایا) یا اس کے علاوہ کچھ اور فرمایا۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ بے عیب ذات صرف خدا کی ہے۔ ایک عام انسان میں تو کوئی نہ کوئی نقص یا کمی ضرور موجود ہوتی ہے۔ اس سے نہ کوئی شوہر خالی ہے نہ کوئی بیوی۔ حضورؐ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مومن مرد اپنی مومن بیوی میں کوئی نقص دیکھے تو اسے ایک دم دل برداشتہ نہیں ہو جانا چاہیئے بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر اس میں یہ نقص ہے تو اور خوبیاں کون کون سی ہیں۔ عجب نہیں کہ اس کی خوبیاں اس کے نقائص سے زیادہ ہوں۔ یا جو نقص اس میں پایا جاتا ہے وہ اتنی اہمیت نہ رکھتا ہو جتنی وہ خوبیاں رکھتی ہوں جن کی وہ حامل ہو۔ مثال کے طور پر اگر بیوی کم صورت ہے تو ممکن ہے کہ اس کی سیرت نہایت عمدہ ہو اور اتنے اچھے اخلاق کی مالک ہو کہ شوہر اور اس کے گھر والوں کے ساتھ نہایت عمدگی سے نباہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ لہذا شوہر کے لیے مناسب نہیں کہ صرف اس کے نقائص ہی کو دیکھتا رہے بلکہ اسے اس کی خوبیوں کی طرف بھی نگاہ کرنی چاہیئے اور حتی الامکان حسن سلوک کرتے ہوئے عمدہ طریقے سے نباہ کرنے کی سعی کرنی چاہیئے۔

۱۶

(عرب سخت مزاج لوگ تھے اور ان کے ہاں بیویوں کو مارنے کا رواج تھا)

حضرت عبداللہ بن ابی ذباب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے (لوگوں سے) فرمایا کہ تم خدا کی کنیزوں (یعنی اپنی بیویوں)

کو مارا نہ کرو (لہٰذا صحابہؓ مارنے سے رُک گئے) پھر (ایک دن کیا ہوا کہ) حضرت عمرؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ عورتیں تو اپنے خاوندوں پر دلیر ہو گئی ہیں۔ لہٰذا حضورؐ نے اجازت دے دی کہ (اگر وہ قصور کریں تو) انہیں مارا جا سکتا ہے (لہٰذا جب خاوندوں نے اپنی بیویوں کو مارا تو) بہت سی عورتیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گرد جمع ہو گئیں اور اپنے خاوندوں کی شکائتیں کرنے لگیں (حضورؐ کو اس بات کا پتہ چلا) تو آپؐ نے (صحابۂ کرامؓ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی شکائتیں لے کر محمدؐ کی بیبیوں کے گرد ہو گئیں۔ (تم میں سے جن لوگوں نے اپنی بیویوں سے بدسلوکی کی ہے) وہ تمہارے اچھے لوگ نہیں ہیں۔

(ابوداؤد)

تشریح: اس سے پایا جاتا ہے کہ حضورؐ کا طبعی میلان اسی طرف تھا کہ عورتوں کے ساتھ نرمی کی جائے اور ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ جیسے کہ آپؐ کے اس فرمان سے بھی ظاہر ہے کہ "تم خدا کی کنیزوں کو مارا نہ کرو" لہٰذا اگرچہ حضرت عمرؓ کے شکایت کرنے پر آپؐ نے اجازت دے دی کہ اگر عورتیں قصور کریں تو انہیں مارا جا سکتا ہے۔ تاہم جن لوگوں نے پھر اپنی بیویوں کو مارا اور وہ شکایت لے کر امہات المؤمنین کے پاس پہنچیں تو آپؐ نے بدسلوکی کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ تمہارے اچھے لوگ نہیں ہیں۔

۱۷

حضرت حُبَیبہؓ بنت سعدؓ انصاری بیان کرتی ہیں کہ وہ ثابت بن قیس بن

شماس کی بیوی تھیں (ایک روز) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لیے نکلے تو حضرت حبیبہؓ بنت سہلؓ کو اندھیرے مُنہ اپنے دروازے پر کھڑا پایا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ہے انھوں نے عرض کیا کہ میں حبیبہؓ بنت سہلؓ ہوں یا رسولؐ اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا بات ہے۔ انھوں نے اپنے خاوند کے بارے میں عرض کیا کہ میں ثابت بن قیس کے پاس نہیں رہ سکتی۔ پھر جب اُن کے شوہر ثابت بن قیس آئے تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ حبیبہؓ بنت سہلؓ ہے اور اس نے (تمہارے بارے میں) وہ کچھ کہا جو خدا کو منظور تھا کہ یہ کہے (یعنی حضورؐ نے بتایا کہ یہ تم سے علیٰحدگی چاہتی ہے) پھر حضرت حبیبہؓ نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ جو کچھ انھوں نے مجھے دیا تھا وہ سب میرے پاس ہے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا کہ اس سے (اپنا مال) لے لو۔ پس ثابت بن قیس نے حضرت حبیبہؓ سے اپنا مال لے لیا۔ اور وہ اپنے میکے بیٹھ رہیں (یعنی خلع حاصل کر لیا) (مؤطا)

تشریح:۔ شوہر اور بیوی کی باہمی علیٰحدگی کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ شوہر بیوی کو طلاق دے دے اور دوسری یہ کہ بیوی خود مطالبہ کر کے اور شوہر کو کچھ مال دے کر اپنا نکاح ختم کروا لے جسے "خلع" کہا جاتا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۲۹ میں فرمایا گیا ہے:

"اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں (یعنی شوہر اور بیوی) حدودِ الٰہی پر قائم نہیں رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیٰحدگی حاصل کرے۔"

تفہیم القرآن جلد اوّل میں اس آیت کی یوں تشریح کی گئی ہے۔

"شریعت کی اصطلاح میں اسے "خلع" کہتے ہیں یعنی ایک عورت کا اپنے شوہر کو کچھ دے دلا کر اس سے طلاق حاصل کرنا۔ اس معاملے میں اگر عورت اور مرد کے درمیان گھر ہی میں کوئی معاملہ طے ہو جائے تو جو کچھ طے ہوا ہو وہی نافذ ہو گا۔ لیکن اگر عدالت میں معاملہ جائے تو عدالت صرف اس امر کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع یہ عورت اس مرد سے اس حد تک متنفر ہو چکی ہے کہ اس کے ساتھ اس کا نباہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی تحقیق ہو جانے کے بعد عدالت کو اختیار ہے کہ حالات کے لحاظ سے جو فدیہ چاہے تجویز کرے اور اس فدیے کو قبول کر کے شوہر کو اسے طلاق دینا ہو گی۔ بالعموم فقہا نے اس بات کو پسند نہیں کیا ہے کہ جو مال شوہر نے اس عورت کو دیا ہو، اس کی واپسی سے بڑھ کر کوئی فدیہ اسے دلوایا جائے"

مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ اور تشریح واضح کیے دیتے ہیں کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے اس درجہ متنفر ہو چکی ہو کہ وہ شوہر کے وہ حقوق ادا نہ کر سکتی ہو جو ایک مسلمان بیوی کی حیثیت سے اسے ادا کرنے چاہئیں تو خدا نے اس کے لیے یہ راہ نجات رکھی ہوئی ہے کہ وہ خلع کے ذریعے اس خاوند سے علیحدگی حاصل کر لے۔

۱۸

(اگر خاوند اور بیوی دونوں غلام ہوں اور بیوی آزاد ہو جائے تو اسے اختیار رہتا ہے چاہے اس شوہر کو اختیار کرے چاہے اسے چھوڑ دے شوہر چاہے بھی تو بیوی کی مرضی کے خلاف اس شادی کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ ایسے ہی جو شخص کسی غلام یا کنیز کو آزاد کرے اسے ایک حق حاصل

ہوتا ہے جسے وَلاء کہا جاتا ہے یعنی اگر وہ آزاد کردہ کنیز یا غلام مرجائے تو آزاد کرنے والا بھی اس کا ایک وارث ہوتا ہے یہ حق اسی مالک کو حاصل ہوگا جس نے آزاد کیا ہوگا۔ اگر کوئی شخص غلام یا کنیز کو کسی اور شخص کے ہاتھ فروخت کردے تو اسے حق نہیں ہے کہ وہ یہ شرط لگائے کہ اس غلام یا کنیز کی وَلاء مجھے ملے)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے (کنیز) بَریرہؓ کو خریدا تو اس کے مالکوں نے شرط لگا دی کہ بریرہؓ کی وَلاء انہیں کو ملے گی۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم بریرہؓ کو آزاد کردو۔ وَلاء تو اسی کا حق ہے جس نے رقم دی ہو۔ لہٰذا میں نے بریرہؓ کو آزاد کردیا۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور اُسے اس کے شوہر (مُغیث) کے بارے میں اختیار دیا کہ چاہے تو اسے بطور شوہر اختیار کرلے۔ چاہے تو تعلق توڑ دے وہ مغیث کو اختیار نہیں کرنا چاہتی تھی، پس کہنے لگی کہ اگر وہ مجھے اتنا اور اتنا مال دے تو بھی میں اس کے پاس نہ رہوں پس وہ اپنے شوہر سے جدا ہوگئیں۔ (بخاری)

تشریح: روایات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت بریرہؓ کو کسی وجہ سے اپنے شوہر مغیث پسند نہیں تھے۔ لیکن مغیث ان پر جان دیتے تھے اور ان سے علیحدہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ نے حضرت بریرہؓ کو آزاد کیا اور انہیں یہ اختیار حاصل ہوگیا کہ چاہیں تو اپنے شوہر کے ساتھ رہیں اور چاہیں تو ان سے علیحدہ ہوجائیں تو انہوں نے علیحدگی کو ترجیح دی۔ اگرچہ مغیث ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے کہ مجھ سے علیحدہ نہ ہو مگر انہوں نے پرواہ نہ کی۔ حضورؐ نے بھی مغیث کی سفارش کی مگر وہ نہ مانیں۔ ذیل کی حدیث اس واقعے پر روشنی ڈال رہی ہے۔

۱۹

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بریرہؓ کا شوہر ایک غلام تھا جسے مُغیث کہا جاتا تھا (اس کی خواہش تھی کہ بریرہؓ اس سے علیحدہ نہ ہوں) گویا کہ میں اُسے دیکھ رہا ہوں کہ وہ بریرہؓ کے پیچھے روتا پھر رہا ہے اور اس کے آنسو اس کی ڈھاڑی پر بہہ رہے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے عباسؓ کیا تمہیں (اس بات پر) تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہؓ سے کتنی محبت ہے اور بریرہؓ کو مغیث سے کتنی نفرت ہے۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت بریرہؓ سے) فرمایا کہ کاش کہ تو مغیث کو لوٹا لیتی (اور اس سے جدا نہ ہوتی) بریرہؓ نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ کیا آپؐ مجھے (ایسا کرنے کا) حکم دے رہے ہیں۔؟ حضورؐ نے فرمایا کہ (نہیں حکم نہیں دے رہا۔ تمہیں اُسے چھوڑنے کا حق حاصل ہے) میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں (کہ اسے نہ چھوڑ) بریرہؓ نے جواب دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں (اور اس نے مغیث کو قبول نہ کیا) (بخاری)

تشریح:۔ حضرت بریرہؓ نے حضورؐ سے یہ جو پوچھا کہ "یارسولؐ اللہ کیا آپؐ مجھے حکم دے رہے ہیں" تو اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اگر تو آپؐ حکم دے رہے ہیں تو پھر تو میں اس حکم کے آگے سر جھکا دوں گی اور اسے مان لوں گی۔ اور اگر یہ حکم نہیں تو پھر میری مرضی یہی ہے کہ میں مغیث سے علیحدہ ہو جاؤں۔ لہٰذا جب حضورؐ نے فرمایا کہ یہ حکم نہیں بلکہ سفارش ہے تو انہوں نے اسے ماننا ضروری نہ سمجھا۔ اس واقعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان خواتین کو حضورؐ نے کتنی آزادیٔ رائے دے رکھی تھی۔ اس

حدیث کی مزید تشریح کے لیے اس سے پہلے والی حدیث کی تشریح دیکھ لی جائے۔

۲۰

(جس عورت کی ایک دفعہ شادی ہو چکی ہو پھر طلاق مل جائے یا شوہر مر جائے اس عورت کو ثیبہ کہا جاتا ہے)

یزید بن جاریہ انصاری کے دو بیٹے عبدالرحمٰن اور مُجمّع بیان کرتے ہیں کہ حضرت خنساء بنت خِذام انصاریہؓ کے باپ نے اُن کی شادی کر دی حالانکہ وہ ثیبہ تھیں۔ انہیں وہ شادی پسند نہ آئی، لہٰذا وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور بات کی) تو حضورؐ نے اُن کا نکاح منسوخ کر دیا۔ (بخاری)

تشریح:۔ واضح رہے کہ نکاح ایک مقدس بندھن ہے اور اس بات کو پسند نہیں کیا گیا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشتعل ہو کر اسے توڑ دیا جائے کیونکہ اس کے ٹوٹ جانے سے بعض اوقات بڑے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں خصوصاً اس صورت میں جہاں بچے بھی موجود ہوں۔ جب ان بچوں کے ماں باپ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں تو اگر وہ باپ کے پاس رہیں تو ماں کی شفقت سے محروم ہو جاتے ہیں اور لبا اوقات سوتیلی ماؤں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن جاتے ہیں اور اگر ماں کے پاس رہیں تو باپ کے سائے اور محبت سے محروم ہو کر دلوں میں احساس محرومی پیدا کر لیتے ہیں اور بے شمار اور قسم کی محرومیوں کا بھی شکار ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا پسند تو اسی کو کیا گیا ہے کہ میاں بیوی صبر و تحمل سے کام لیں اور نباہ کی کوشش کریں تاہم اگر باہمی اختلافات اس درجے پر پہنچ جائیں کہ زندگی

عذاب بن جائے تو پھر خدا نے مرد کو طلاق کا اور عورت کو خلع کا حق دے کر یہ بندوبست فرما دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر اپنی اپنی مرضی کے اور ساتھی چن لیں۔ اسلام میں یہ صورت نہیں کہ ایک عورت شوہر کے مظالم سہتے سہتے تپِ دق کا شکار ہو جائے مگر اسے نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئے۔ اگر اس کی زندگی اجیرن ہی ہو جائے اور خاوند طلاق دینے کو تیار نہ ہو تو وہ قانونی چارہ جوئی کر کے خلع حاصل کر سکتی ہے۔

حضورؐ کا طرزِ عمل:

نبی بننے کے بعد حضورؐ نے اس کرۂ ارض پر جتنی زندگی گزاری وہ اہل اسلام کے لیے ایک نمونہ تھی۔ زندگی کے جس پہلو میں آپؐ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ بہترین طرزِ عمل تھا۔ اور اُسے اختیار کرنے ہی میں مسلمانوں کی دنیا کی بہتری اور آخرت کی نجات ہے۔ یہاں کچھ احادیث پیش کی جا رہی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے امہات المؤمنین کے بارے میں کیسا محبت اور ہمدردی و خیر خواہی کا رویہ اختیار کئے رکھا۔ ان احادیث میں ان غصیلے، سخت مزاج اور کرخت طبیعت مردوں کے لیے بہت کچھ سبق ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ گھروں کے سربراہ ہونے کا یہ ایک تقاضا ہے کہ کرختگی اختیار کی جائے ورنہ ہمارا رعب قائم نہیں ہو سکے گا۔ حضورؐ سے زیادہ بارعب شخصیت اور کس کی تھی۔ مگر یہ رعب آپؐ کی عظمت کے احساس اور آپؐ سے والہانہ محبت کی پیداوار تھا۔ نہ کہ صرف ڈر اور خوف کی۔ ذیل کی احادیث سے جہاں امہات المؤمنینؓ پر آپؐ کے لطف و مہربانی کا حال معلوم ہوتا ہے وہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ امہات المؤمنین کے ساتھ

حضور کے عادلانہ اور مہربانانہ رویتے کے سلسلے میں حدیث ۱۴ اور اس کی تشریح بھی دیکھ لی جائے۔

۲۱

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم میں سب سے زیادہ اچھا ہوں۔ اور (حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ) جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اس کا (برائی سے) ذکر کرنا چھوڑ دیا کرو۔ (ترمذی)

۲۲

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے جتنا رشک حضرت خدیجہؓ پر آتا اتنا رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کسی اور بیوی پر نہ آتا (حالانکہ) حضرت خدیجہؓ حضورؐ کے میرے ساتھ شادی کرنے سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ رشک مجھے اس وجہ سے آتا کہ میں حضورؐ کو ان کا ذکر کرتے سنا کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت خدیجہؓ کو خوشخبری دے دیں کہ انہیں (جنّت میں) ایک موتی کا محل ملے گا۔ اور (حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد بھی حضورؐ کو ان کا اتنا خیال رہتا تھا کہ) اگر آپؐ بکری ذبح فرماتے تو اس میں سے ان کی سہیلیوں کو بقدر کفایت ہدیہ بھیجا کرتے۔ (بخاری)

۲۳

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ (گزشتہ) امت کی بہترین خاتون مریم بنت عمران (یعنی حضرت مسیحؑ کی والدہ ماجدہ) تھیں اور (اس) امت کی بہترین خاتون (حضرت) خدیجہؓ ہیں۔ (بخاری)

۲۴

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یارسولؐ اللہ آپؐ کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب کون ہے آپؐ نے فرمایا کہ عائشہؓ۔ پوچھا گیا کہ مردوں میں (کون سب سے زیادہ محبوب ہے) تو فرمایا کہ اس کا باپ (یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ) (ترمذی)

۲۵

(عربوں کے ہاں ایک کھانا کھایا جاتا تھا جسے "ثرید" کہتے تھے اور ثرید ان کے ہاں بہت پسندیدہ کھانا سمجھا جاتا تھا)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہؓ کو عورتوں پر ایسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو باقی کھانوں پر۔

(ترمذی)

۲۶

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن حضورؐ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا کہ عائشہؓ یہ جبرئیلؑ ہیں اور وہ تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ (حضورؐ کی یہ بات سن کر) میں نے (جبرئیلؑ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے) کہا کہ ان پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ہوں (یارسولؐ اللہ) آپؐ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھتے۔ (ترمذی)

والدین کے حقوق :

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ
(بنی اسرآئیل - آیت ۲۳)

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اسی کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

واضح رہے کہ "نیک سلوک" میں ادب، تعظیم، اطاعت، رضا جوئی، خدمت سب داخل ہیں۔ والدین کے اس حق کو قرآن میں ہر جگہ توحید کے حکم کے بعد بیان فرمایا گیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کے بعد بندوں کے حقوق میں سب سے مقدم حق انسان پر اس کے والدین کا ہے۔

کلام پاک اور احادیث نبویہ میں والدین کے جو حقوق بیان ہوئے ہیں، ان کی رو سے اولاد کا فرض ہے کہ۔

۱۔ ہر جائز امر میں والدین کی اطاعت کرے۔

۲۔ اپنے امکان کی حد تک ان کی مالی اور جسمانی دونوں طرح کی خدمت کرے۔

۳۔ انہیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے۔
۴۔ ان سے دلی محبت رکھے۔
۵۔ ان کے متعلقین اور احباب سے حسنِ سلوک کرے۔
۶۔ ان کے حق میں دعائے خیر کرے۔
۷۔ اور ان کی بددعا سے بچنے کی کوشش کرتی رہے وغیرہ

جہاں تک والدین کی اطاعت کا تعلق ہے یہاں بھی وہی اصول پیش نظر رہنا چاہیئے جو شوہر، حکمران اور دوسرے لوگوں کے بارے میں ہے کہ اطاعت صرف ان احکام کی کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔ اگر والدین کوئی ایسا حکم دیں جو اللہ کے کسی حکم سے ٹکراتا ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ البتہ جائز امور میں، استطاعت کی حد تک والدین کے احکام کی اطاعت کرنا نہایت ضروری ہے۔

۲۷

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ، والدین کا اولاد پر کیا حق ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ تمہاری جنت ہیں اور تمہاری دوزخ ہیں۔ (ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ)

تشریح:۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چھوٹے چھوٹے دو جملوں میں معانی کا سمندر بند ہے۔ حضورؐ کی مراد یہ ہے کہ والدین وہ ہستیاں ہیں جن کے ذریعے تم جنت بھی حاصل کر سکتے ہو اور دوزخ کے مستحق بھی ہو سکتے ہو۔ اگر تم نے والدین کے حقوق ادا کیے اور ان کو راضی رکھا تو یہ عمل تمہیں جنت کا مستحق بنا دے گا اور اگر تم نے ان کے حقوق ادا کرنے سے غفلت برتی اور اپنے طرز عمل یا زبان سے ان کا دل دکھایا

تو تم دوزخ کے مستحق بھی ہو سکتے ہو۔

۲۸

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ اعمال میں سے کون سا عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نماز جو اپنے وقت پر ادا کی جائے میں نے عرض کیا کہ پھر اس کے بعد کونسا افضل ہے یا رسولؐ اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ پھر اس کے بعد کون سا افضل ہے یا رسولؐ اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پھر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم مجھ سے خاموش ہو گئے اور اگر میں اور زیادہ پوچھتا تو آپؐ مجھے اور زیادہ جواب عطا فرماتے۔ (ترمذی)

۲۹

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس کی ناک خاک آلود ہو۔ پھر اس کی ناک خاک آلود ہو۔ پھر اس کی ناک خاک آلود ہو! عرض کیا گیا کہ کس کی یا رسولؐ اللہ، فرمایا (اس کی) جس نے اپنے والدین کو، ان میں سے ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسلم)

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ والدین کی جس عمر میں بھی ان کی خدمت کی جائے بڑے اجر و ثواب کا باعث ہوتی ہے تاہم جب وہ بوڑھے ہو چکے ہوں تو اس وقت ان کی خدمت کرنا زیادہ ہی ثواب

کا باعث ہے۔ حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ جس نے والدین کو بڑھاپے میں پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی زندگی میں یہ وقت آگیا تھا کہ اس کے والدین دونوں یا دونوں میں سے ایک بوڑھا ہو چکا تھا۔ اب اس کے لیے یہ موقع تھا کہ ان کی خدمت کرکے اپنے آپ کو جنت کا مستحق بنا لیتا مگر اس نے اس موقع کو غفلت کی نذر کر دیا اور ان کی خدمت کرکے جنت کا استحقاق حاصل نہ کیا۔ یہ شخص اتنا بے نصیب ہے کہ حضورؐ نے تین دفعہ اس کے بارے میں فرمایا کہ "اس کی ناک خاک آلود ہو" عربوں کے ہاں یہ ایک ملامت کا جملہ تھا۔ بوڑھے والدین کی خدمت کا اجر اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس وقت وہ اپنی کمزوری کی حالت میں ہوتے ہیں اور عموماً مالی لحاظ سے بھی جوان اولاد ہی کے اوپر پڑے ہوتے ہیں اور دنیاوی لحاظ سے ان کے اختیارات بھی عموماً کم ہو چکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا اولاد کا فرض ہے کہ پوری تندہی سے ان کی خدمت کرے کیونکہ جب یہ جوان بچے خود کمزور اور بے اختیار تھے اور مالی لحاظ سے بھی والدین ہی کے محتاج تھے تو والدین نے اپنا خون پسینہ ایک کرکے اور اپنا سکھ چین حرام کرکے انہیں پالا پوسا تھا اور ان کی تمام ضروریات پوری کی تھیں والدین نے بچوں کے ساتھ جس طرح جان ماری ہوتی ہے اس کا پورا پورا بدلہ ادا کرنا تو محال ہوتا ہے تاہم جہاں تک ہو سکے ان کی جاں نثاری کے جواب میں جاں نثاری سے کام لینا چاہیئے۔ بوڑھا ہو کر انسان بچے کی مانند ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات بوڑھے والدین چڑچڑے ہو جانے کے باعث چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ایسی ضدیں کرتے ہیں جو جوان اولاد کے لیے ناقابلِ فہم ہوتی ہیں۔ پھر والدین اور اولاد کے زمانوں میں بھی فرق ہو چکا ہوتا ہے۔ اس سے بھی اختلافات پیدا ہونے کا امکان موجود ہوتا ہے۔ پھر اکثر اوقات یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ

جوان اولاد خود اپنے بال بچوں اور گھر بار کے جھنجالوں میں پھنسی ہوتی ہے اس لیے بوڑھے والدین کو زیادہ وقت دینا اہنیں مشکل لگتا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ درست ہے تاہم خدا اور خدا کے رسولؐ کا فرمان یہی ہے کہ اپنے امکان کی حد تک بوڑھے والدین کی کما حقہٗ خدمت کی جائے اور ان کے ساتھ سخت کلامی نہ کی جائے اور ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھا جائے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳ میں ارشاد ہوا ہے۔

"تیرے ربّ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑکو ، بلکہ اُن سے احترام کے ساتھ بات کرو۔"

۳۰

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں اس لیے آیا ہوں کہ آپؐ کی بیعت کروں ہجرت پر اور میں اپنے ماں باپ کو روتا چھوڑ آیا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تو اُن کی طرف واپس لوٹ جا اور (جا کر) اہنیں ہنسا جیسے کہ اہنیں رلایا تھا۔ (ابوداؤد)

تشریح :۔ یعنی جا کر ان کے پاس رہ اور ان کی خدمت کر اور ان سے حسن سلوک کرتا کہ وہ خوش ہو جائیں یعنی حضورؐ نے اس شخص کے لیے یہ زیادہ پسند فرمایا کہ وہ ماں باپ کے پاس رہ کر اہنیں خوش کرے بجائے اس کے کہ ہجرت کرے۔

۳۱

حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اللہ سے اجر حاصل کرنے کی خواہش میں ہجرت اور جہاد پر آپؐ سے بیعت کرتا ہوں حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے اس نے عرض کیا کہ جی ہاں بلکہ دونوں زندہ ہیں۔ حضورؐ نے پوچھا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتا ہے اس نے عرض کیا کہ جی ہاں (اس پر) آپؐ نے فرمایا کہ تو اپنے والدین کی طرف لوٹ جا اور انہیں اچھی رفاقت دے (خدا تعالیٰ تجھے اجر عطا کر دے گا) (مسلم)

تشریح : والدین کے لیے، خصوصاً بڑھاپے میں، جوان اولاد کا صرف پاس رہنا ہی بہت سکون اور تقویت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ صاحب اجر کے خواہش مند تھے۔ اور اس کے لیے ہجرت اور جہاد کرنا چاہتے تھے اس پر حضورؐ نے انہیں مطلع فرمایا کہ ماں باپ کی موجودگی میں وہ ان کے پاس رہ کر اور ان کی خدمت کر کے بھی اجر حاصل کر سکتے ہیں، لہٰذا انہیں اپنے والدین کے پاس واپس جا کر اور انہیں اچھی رفاقت دے کر اجر حاصل کرنا چاہیئے۔

۳۲

حضرت عبد اللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی۔

حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر انہیں (کی خدمت) میں (مصروف رہ کر) جہاد کر۔ (مسلم)

۳۳

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے رسول خدا صلیٰ اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا۔ آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا یمن میں تیرا کوئی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میرے والدین ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ کیا انہوں نے تمہیں (ہجرت کرکے یہاں آنے کی) اجازت دی تھی۔ اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کی طرف لوٹ جا اور ان سے اجازت مانگ، پس اگر وہ تمہیں اجازت دے دیں تو تو جہاد کر ورنہ انہیں کے ساتھ نیکی کر۔ (ابوداؤد)

۳۴

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیٰ اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کوئی بیٹا باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا، سوائے اس کے کہ باپ کو غلام پائے اور پھر اُسے خرید کر آزاد کر دے۔ (ترمذی)

۳۵

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیٰ اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ رب کی رضامندی باپ کی رضامندی میں ہے اور رب

کا غصہ باپ کے غصے میں ہے۔ (ترمذی)

تشریح :- احادیث ۳۴ اور ۳۵ میں باپ کے حقوق کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ باپ بچے کا کفیل ہوتا ہے اور اسے حفاظت بہم پہنچاتا ہے اور اس کی بہتری کے لیے مشقت اٹھاتا ہے اور وہ باپ ہی کی نسل سمجھا جاتا ہے۔ تاہم جہاں تک خدمت اور حسن سلوک کا تعلق ہے ماں کو باپ پر بھی ترجیح دی گئی ہے۔ جیسے کہ "ماں کے بارے میں خصوصی ہدایات" کے موضوع کے تحت آنے والی احادیث سے واضح ہو جائے گا۔

۳۶

عمر بن سائب بیان کرتے ہیں کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے کہ آپؐ کے رضاعی باپ آ گئے۔ آپؐ نے ان کے لیے اپنے کپڑے کا ایک حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر آپؐ کی (رضاعی) ماں آ گئیں تو آپؐ نے ان کے لیے اپنے کپڑے کا دوسری طرف کا آدھا حصہ بچھا دیا۔ وہ (بھی) اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر آپؐ کا رضاعی بھائی آ گیا تو آپؐ کھڑے ہو گئے اور اس کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ (ابو داؤد)

تشریح :- اسلام میں رضاعت کے رشتے کو بھی بہت احترام حاصل ہے۔ رضاعت کا مطلب ہے دودھ پلانا۔ بچے کو ماں کے علاوہ اگر کسی اور عورت نے دودھ پلایا ہو تو وہ اس کی رضاعی ماں کہلائے گی اور وہ اس کے لیے تقریباً ایسے ہی محترم ہو گی جیسے حقیقی ماں۔ رضاعت کے ذریعے دوسرے رشتے بھی قائم ہو جاتے ہیں مثلاً رضاعی ماں کا شوہر بچے کا رضاعی باپ ہوگا۔ اس کے دوسرے بچے یا وہ اور بچے جنہوں نے اس عورت کا دودھ پیا ہو بچے کے رضاعی بہن بھائی ہوں گے۔ اس

کے بہن بھائی بچے کے رضاعی ماموں خالہ ہوں گے اور رضاعی باپ کے بھائی بچے کے رضاعی چچا ہوں گے۔ وغیرہ۔ رضاعت کے رشتے کا یہاں تک احترام ہے کہ نسب کے لحاظ سے جن رشتوں میں نکاح ناجائز ہے رضاعت کے لحاظ سے بھی ان میں ناجائز ہے۔ مثلاً کسی بچے کی شادی اپنی رضاعی خالہ سے نہیں ہو سکتی نہ کسی بچی کی شادی اپنے رضاعی ماموں سے ہو سکتی ہے۔ عرب میں یہ عام رواج تھا کہ خوش حال گھرانوں کے بچے دیہات میں دایہ عورتوں کے پاس بھیج دیئے جاتے تھے جو انہیں دودھ پلاتی تھیں اور پالتی تھیں۔ اس حدیث میں جن خاتون کا ذکر آیا ہے وہ حضورؐ کی رضاعی والدہ تھیں۔ لہٰذا ان کے شوہر آپؐ کے رضاعی والد اور ان کے بیٹے آپؐ کے رضاعی بھائی تھے۔ ان لوگوں کی عزت افزائی کے لیے آپؐ نے انہیں بٹھانے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھادی۔

۳۷

ابوالطفیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ (مقام) جعرّانہ میں گوشت تقسیم فرما رہے تھے۔ میں اس زمانے لڑکا ہی تھا جو اونٹ کی ہڈی اٹھایا کرتا تھا۔ اتنے میں ایک عورت آئی یہاں تک کہ حضورؐ کے قریب پہنچ گئی۔ حضورؐ نے (اس کی اتنی عزت افزائی کی کہ) اس کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ اور وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے تو لوگوں نے بتایا کہ حضورؐ کی (رضاعی) ماں ہیں جنہوں نے حضورؐ کو دودھ پلایا تھا۔

(ابوداؤد)

۴۸

حضرت عبداللہ بن دینار حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے راستے میں انہیں ایک بدو ملا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے اسے سلام کیا اور جس گدھے پر خود سوار تھے اس پر اُسے سوار کر دیا اور جو عمامہ سر پر باندھے ہوئے تھے اُسے دے دیا۔ ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے عرض کیا کہ اللہ آپ کے ساتھ بھلائی کرے (آپ نے اسے اتنا کچھ کیوں دے دیا) یہ دیہاتی لوگ ہیں اور یہ تھوڑی چیز پر بھی راضی ہو جاتے ہیں (اس پر) حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اس بدو کا باپ (میرے باپ) حضرت عمرؓ بن خطاب کا دوست تھا اور میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ بیٹا اپنے باپ کے دوستوں سے حسن سلوک کرے۔ (مسلم)

تشریح: والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ان کے متعلقین اور دوست احباب کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے والدین وفات پا چکے ہوں تو ان کے متعلقین اور دوست احباب سے حسنِ سلوک کرنا گویا والدین ہی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ہے۔ جیسے کہ ذیل کی حدیث سے ظاہر ہے۔

۴۹

ابو اُسید مالک بن ربیعہ ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ (قبیلہ) بنو سلمہ کا ایک شخص آ گیا اور

اس نے کہا کہ یا رسول اللہ، میرے ماں باپ کے وفات پا جانے کے بعد بھی کیا ان سے نیکی کرنے کی کوئی شکل باقی رہ جاتی ہے کہ اس طرح میں ان سے نیکی کروں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں (کیوں نہیں، والدین کے وفات پا جانے کے بعد بھی ان سے نیکی کی جاسکتی ہے اور اس کی شکلیں یہ ہیں)

ان کے لیے دعا کرنا،

اور ان کے لیے بخشش مانگنا،

اور (ان کے بعد) ان کی وصیت یا اقرار کو پورا کرنا،

اور ان کے تعلق سے جو رشتے ہوں، ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا۔

اور ان کے دوستوں کا اکرام واحترام کرنا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ والدین کے وفات پا جانے کے بعد بھی ان سے نیکی کی جاسکتی ہے اور اس کی جو شکلیں حضورؐ نے بیان فرمائیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے دعا کرنا۔

۲۔ اگر انہوں نے کوئی وصیت کی ہے یا کسی سے کوئی اقرار کیا ہے تو ان کی وفات کے بعد اسے پورا کر دینا۔

۳۔ ماں کے تعلق سے بننے والے رشتے داروں (یعنی ننھیال وغیرہ) اور باپ کے تعلق سے بننے والے رشتے داروں (یعنی ددھیال وغیرہ) کا لحاظ کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا۔

۴۔ ماں کی سہیلیوں اور باپ کے دوستوں کا احترام واکرام کرنا۔

جو شخص یہ کام کرتا رہا اس نے اپنے والدین کے وفات پا جانے اور ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان سے نیک سلوک کرنا جاری رکھا۔

۴۰

سنن ابن ماجہ، ابواب الآداب میں ایک حدیث ہے جس کے آخر میں حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ:

رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ آدمی کا درجہ جنّت میں بلند ہوتا ہے (بعد اس کے کہ وہ مر چکا ہوتا ہے۔ اور جنّت میں اس کا ایک درجہ معیّن ہو چکا ہوتا ہے) وہ (حیران ہو کر) کہتا ہے کہ میرا درجہ کیسے بلند ہو گیا (جب کہ اب میں وفات پا کر دنیا سے آچکا ہوں اور عمل کی کوئی گنجائش نہیں) تو اسے بتایا جاتا ہے کہ تیرے بچے نے تیرے لیے جو بخشش مانگی اس کے باعث (تیرا درجہ بلند ہوا ہے) (ابن ماجہ)

تشریح:۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کا یہ بھی ایک حق ہے کہ اولاد اُن کی وفات کے بعد اُن کی بخشش اور درجات کی بلندی کے لیے دعا کرتی رہے۔ عام اصول تو یہی بتایا گیا ہے کہ انسان اپنی آخرت اسی وقت تک بنا سکتا ہے جب تک وہ زندہ ہو۔ جب ایک دفعہ دنیا سے چلا گیا تو پھر عمل کرنے کے مواقع ختم ہو گئے۔ البتہ جن خوش قسمت لوگوں کی اولاد بعد میں ان کے لیے دعا کرتی رہے گی ان کا درجہ وفات کے بعد بھی بلند ہو جائے گا۔

۴۱

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن مُسیّبؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ بے شک انسان (کے مرجانے کے بعد بھی اس) کا درجہ بلند ہو گا۔

اس کے بچے کے اس کے بعد دعا کرنے کے باعث ۔ اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور انہیں بلند کیا۔ (مُوطّا)

۴۲

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین دعائیں ایسی ہیں جو (ضرور) قبول ہوتی ہیں ۔ ان کے قبول ہونے میں (قطعاً) کوئی شک نہیں (ایک) مظلوم کی دعا (دوسرے) مسافر کی دعا، اور (تیسرے) باپ کی اپنے بیٹے کے لیے بد دُعا ۔ (ترمذی)

تشریح :۔ اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اولاد کو اس بات کی پوری احتیاط کرنی چاہیئے کہ باپ کے ناراض ہونے کی نوبت نہ آئے ورنہ اگر اس نے ناراض ہو کر کوئی بد دعا دے دی تو وہ ضرور قبول ہو جائے گی ۔

ماں کے بارے میں خصوصی ہدایات :

۴۳

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اور پوچھا کہ انسانوں میں سے میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے حضورؐ نے فرمایا کہ تیری ماں ۔ اس نے عرض کیا کہ (ماں کے بعد) پھر کون ۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر تیری ماں ۔ اس نے عرض کیا کہ پھر (اس کے بعد) کون ۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر تیری ماں ۔ اس نے (چوتھی دفعہ) پوچھا کہ پھر کون (اب) آپؐ نے فرمایا کہ پھر تیرا باپ ۔ (مسلم)

تشریح:- یہ جو حضورؐ نے تین دفعہ ماں کا نام لینے کے بعد پھر چوتھی دفعہ باپ کا نام لیا اس سے علماء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ایسا کرنے سے حضورؐ کی مُراد ماں کے حقوق پر خصوصی زور دینا تھا۔ کیونکہ اگرچہ بچے کا کفیل باپ ہی ہوتا ہے مگر اُسے پالنے پوسنے اور اس کی دیکھ بھال کرنے میں جتنی مشقت ماں اٹھاتی ہے اتنی باپ نہیں اٹھاتا۔ لہٰذا جہاں تک خدمت کرنے اور حسنِ سلوک کرنے کا تعلق ہے ماں کے حقوق بہ نسبت باپ کے زیادہ ہیں۔

(۴۴)

حضرت ابو سلامہ سلامی بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں وصیت کرتا ہوں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں (کہ اس سے نیک سلوک کرے) میں وصیت کرتا ہوں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں (کہ اس سے نیک سلوک کرے) میں وصیت کرتا ہوں آدمی کو اس کی ماں کے بارے میں (کہ اس سے نیک سلوک کرے۔ ماں کے بارے میں تین دفعہ وصیت کرنے کے بعد پھر فرمایا کہ) میں وصیت کرتا ہوں آدمی کو اس کے باپ کے بارے میں (کہ اس سے نیک سلوک کرے) میں وصیت کرتا ہوں آدمی کو اس کے مولا کے بارے میں جو اس کا قریبی ہے (کہ اس سے نیک سلوک کرے) اگرچہ اس کو اس سے ایذا پہنچے۔ (ابن ماجہ)

تشریح:- حدیث ۴۳ کی طرح اس حدیث میں بھی پہلے ماں کے بارے میں تین دفعہ تاکید کی گئی ہے اور اس کے بعد باپ کا نام لیا گیا ہے اور باپ کے بعد مولا کا۔ لفظ "مَوْلیٰ" عربی زبان میں بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً ربّ، مالک، سردار، منعم، آزاد کرنے والا، وہ غلام جو آزاد کر دیا گیا ہو، مددکرنے والا، ہمسایہ، چچا کا بیٹا، حلیف، داماد، خسر وغیرہ۔ جہاں کہیں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہو سیاق و سباق کی روشنی میں مناسب مفہوم لے لیا جاتا ہے۔ یہاں مولا سے بظاہر چچا کا بیٹا یا وہ رشتے دار مراد ہے

جو باپ کے بعد آتا ہو۔ واضح رہے کہ حسنِ سلوک کے معاملے میں ایک قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ قریب ہو اتنا ہی زیادہ حسنِ سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔ انسان سے قریب ترین ہستی اس کی ماں ہوتی ہے پھر باپ پھر درجہ بدرجہ دوسرے رشتے دار۔

٤٥

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ نیک غلام کو جو کسی کی ملکیت میں ہو، دُہرا ثواب ہے (حضورؐ کے اس فرمان کی بنا پر حضرت ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ) مجھے اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوہریرہؓ کی جان ہے کہ اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور ماں کے ساتھ نیکی کرنا نہ ہوتا تو میں اسی بات کو پسند کرتا کہ میں غلامی کی حالت میں وفات پاؤں۔

(مسلم)

تشریح:۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مراد یہ تھی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کر کے اور حج کر کے اور ماں کے ساتھ نیکی کر کے بہت زیادہ اجر حاصل کیا جا سکتا ہے اس لیے میں مطمئن ہوں کہ چلو اگر میں غلام نہیں تو نہ سہی میں ان تین اعمال کے ذریعے ہی بہت زیادہ اجر کما سکتا ہوں۔ لیکن اگر یہ تین نہ ہوتے تو میں یہی خواہش کرتا کہ میں غلامی کی حالت میں مروں تاکہ مجھے دہرا اجر ملے۔ جیسے کہ ظاہر ہے حضرت ابوہریرہؓ کے اس بیان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تین اعمال بہت زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہوتے ہیں۔

٤٦

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے

عہد میں میری ماں میرے پاس آئیں اور وہ مشرک تھیں۔ پس میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کے بارے میں) دریافت کیا اور عرض کیا کہ وہ (مجھ سے کچھ حاصل کرنے کی) خواہش مند ہیں، تو کیا میں اپنی ماں سے سلوک کروں آپؐ نے فرمایا کہ ہاں تو اپنی ماں سے سلوک کر۔ (بخاری)

تشریح:۔ یعنی ماں اگر مشرک بھی ہو تو بھی اس سے حسن سلوک کیا جا سکتا ہے۔ البتہ مشرک والدین اگر شرک کا حکم دیں تو ان کی یہ بات ہرگز نہیں مانی جائے گی نہ ان کی کوئی ایسی بات مانی جائے گی جو خدا کے احکام کے خلاف ہو یا جس کو ماننے سے اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو۔

اولاد کے حقوق:

اسلام کے سوا دوسرے مذاہب اور طریقہ ہائے زندگی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں والدین کے حقوق پر تو زور دیا گیا ہے مگر اولاد کے حقوق کو چنداں قابل التفات نہیں سمجھا گیا۔ حالانکہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بچہ پہلے اپنے ضروری حقوق پورے کرواتا ہے پھر ایک مدت کے بعد جا کر وہ اس قابل ہوتا ہے کہ والدین کے حقوق پورے کر سکے۔ لہٰذا دوسرے مذاہب کے برعکس اسلام میں اولاد کے حقوق کو بڑی وضاحت سے بیان فرما دیا گیا ہے۔ اولاد کے حقوق کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو کچھ پایا جاتا ہے اس کی روشنی میں اولاد کے نمایاں حقوق حسب ذیل ہیں۔

۱۔ بچوں کا یہ حق ہے کہ والدین انہیں پالیں پوسیں اور انہیں بوجھ سمجھ کر ختم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

۲۔ اپنے امکان کی حد تک انہیں اچھی تربیت دی جائے اور اسلام کے احکام کا عادی بنانے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ بچوں کے درمیان عدل قائم رکھا جائے۔
۴۔ انہیں ضروری شفقت و محبت دی جائے۔
۵۔ انہیں ورثے سے محروم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ وغیرہ

اس کے علاوہ امام بیہقیؒ کے مجموعۂ احادیث "شعب الایمان" میں حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی ایک روایت بیان ہوئی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے اُسے چاہیئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے اچھی تربیت دے اور جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اس کی شادی کر دے پس اگر وہ سن بلوغ کو پہنچ گیا اور والد نے اس کی شادی نہ کی اور (اس کے باعث) اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔ غرضکہ والدین اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ جو اولاد خدا نے انہیں عطا کردی ہے اس کی پرورش اور تربیت کریں۔ اور اپنے امکان کی حد تک اس کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کریں۔

۴۷

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا گناہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ کے ساتھ کوئی ہمسر قرار دے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے میں نے عرض کیا کہ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ پھر (اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے) آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف کے مارے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی (یعنی تجھے اسے کھلانا پڑے گا) میں نے عرض کیا کہ پھر (اس کے بعد) کونسا (گناہ سب سے بڑا ہے) آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی بیوی سے بدکاری کرے (بخاری)

تشریح:۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۳۱ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔
"اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔"

مندرجہ بالا حدیث اور آیت دونوں واضح کر رہی ہیں کہ خدا کی طرف سے جو بچہ عطا ہو جائے اسے پالنا والدین کا فرض ہے اگر وہ اپنی مفلسی کو بہانہ بنا کر اسے ختم کرنے کی کوشش کریں گے تو انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ بچے کے رازق وہ نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے اور خود ان کا رازق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لیے انہیں بچے کا رازق نہیں بن بیٹھنا چاہیئے۔ بچے کو یہ سمجھ کر ختم کرنا کہ ہمارے پاس اتنا نہیں ہے کہ اسے کھلا سکیں گے، یہ دعویٰ کرنا ہے کہ ہمیں اس کے رازق ہیں اور اب چونکہ ہمارے

پاس زیادہ رزق نہیں اس لیے اب اسے کہیں سے رزق ملے گا ہی نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ جس روح کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ اس کے حصے کا رزق بھی ساتھ بھیجتا ہے۔ اگرچہ عام طور پر تو یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ ماں باپ کے دل میں ممتا اور شفقت پدری اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ بچے کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال دیتے ہیں تاہم یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جہالت کا شکار لوگ بیٹیاں پیدا ہونے پر انہیں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اور مشرک بت پرست قومیں اپنے بیٹوں کو دیویوں دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے۔ دنیا میں ایسی تہذیبیں رہی ہیں جن میں باپ کو یہ حق حاصل تھا کہ اولاد کو قتل کر دے اور پھر اس قتل پر کوئی قانونی باز پرس بھی نہیں ہوتی تھی۔ اسلام میں کسی بے گناہ کی جان لینے کو ایک انتہائی شدید گناہ قرار دیا گیا ہے کجا یہ کہ وہ بے گناہ اپنا ہی جگر گوشہ ہو۔ قرآن و حدیث

کے احکامات کی روشنی میں والدین کا پہلا فریضہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد کی نعمت سے نوازا ہے تو وہ ان کی پرورش کو اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے اپنے وسائل و ذرائع کی حد تک انہیں اچھی طرح پالیں پوسیں۔

(۴۸)

عبد الملک بن رُبیع بن سَبُرَۃ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اُسے نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے (اور نماز نہ پڑھتا ہو) تو اُسے اس پر مارو (ابوداؤد)

تشریح :۔ عموماً انسان پر شرعی احکام اُسی وقت عائد ہوتے ہیں جب وہ بالغ ہو جائے اور سات سال کا بچہ بالغ نہیں ہوتا تاہم حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اسے نماز کا حکم دیا جائے اور دس سال کا ہونے پر بھی اگر وہ نہ پڑھتا ہو تو اسے اس پر سزا دی جائے۔ یہ اس لیے ہے کہ بالغ ہونے تک بچہ نماز کا اچھی طرح عادی ہو جائے۔ والدین کا فرض ہے کہ بچے کو نماز ہی کی طرح دوسرے شرعی احکام کی عادت بھی ڈالیں اور اُن کی عمدہ تربیت کرنے کی کوشش کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ والدین کا فرض صرف بچے کو پال دینا ہی نہیں بلکہ اسے اس طرح پالنا ہے کہ وہ بہتر سے بہتر زندگی گزار سکے اور آخرت میں زیادہ سے زیادہ بہتری حاصل کر سکے۔

(۴۹)

عطار بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ نے ذیل کی بات کو رسولِ

خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ رات کو اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھا کرو (باہر نہ پھرنے دیا کرو۔ اس حدیث کے ایک اور راوی) مسدد کہتے ہیں کہ (حضورؐ نے فرمایا کہ) شام کو (اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھا کرو، باہر نہ پھرنے دیا کرو) کیونکہ (اس وقت) جن پھیل جاتے ہیں یا (یوں فرمایا کہ اس وقت جن) اچک لے جاتے ہیں۔ (ابوداؤد)

تشریح: مراد یہ ہے کہ جب دن ختم ہو جائے اور رات شروع ہو جائے تو بچوں کو گھر کے اندر رکھا کرو اور باہر نہ پھرنے دیا کرو۔ کیونکہ اس وقت بچوں کا باہر نکلنا انہیں کوئی ضرر پہنچا سکتا ہے۔ یہ ضرر جسمانی بھی ہو سکتا ہے اور اخلاقی اور دینی بھی۔ یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی بد باطن بچے کو اٹھا کر یا ورغلا کر لے جائے یا اسے کوئی تکلیف پہنچا دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بچے بری عادات سیکھ لیں یا آوارہ گردی کے عادی ہو جائیں۔ رات کا اندھیرا برائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے پردے کا کام دیتا ہے۔ بعض گناہ ایسے ہیں جن کا ارتکاب عموماً رات ہی کے وقت کیا جاتا ہے۔ مثلاً چوری چکاری شراب خوری وغیرہ۔ شراب خانوں جوا خانوں اور برائی کے اڈوں کو رات ہی کو زیادہ پر رونق بنایا جاتا ہے اس کے علاوہ مختلف برائیوں کے عادی لوگ راتوں کو آوارہ گردی کرتے ہیں اور بچے ان کے ہتھے چڑھ کر برائیاں سیکھ سکتے ہیں۔ یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ جن پھیل جاتے ہیں یا جن اچک لے جاتے ہیں اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ شیطان صفت انسان پھر رہے ہوتے ہیں اور وہ بچوں کو گمراہ کر سکتے ہیں یا انہیں کوئی اور ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ غرضکہ بچوں کو عادت ڈالنی چاہیئے کہ اندھیرا ہو جانے کے بعد گھر کی محفوظ حدود کے اندر رہیں اور باہر آوارہ گردی نہ کریں۔

۵۰

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے بیان کیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اے لوگو) اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو، اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔ (النسائی)

تشریح:۔ والدین پر بچے کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اس کے ساتھ انصاف کریں۔ بچوں کے ساتھ بے انصافی کرنے کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ کبھی اولاد ایک سے زیادہ ماؤں سے ہوتی ہے تو باپ کا میلان جس بیوی کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ وہ اس کے بچوں کا زیادہ دھیان رکھتا ہے اور دوسرے بچوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ ایک بیوی وفات پا گئی یا اُسے طلاق دے دی گئی اور دوسری شادی کی گئی۔ اب جن بچوں کی ماں موجود نہیں ان سے تو توجہ ہٹ گئی اور ان کے حقوق ادا کرنے سے کوتاہی برتی جانے لگی اور جن بچوں کی ماں موجود ہے ان سے حسن سلوک ہوتا رہا۔ ایسی صورتِ حالات میں عموماً باپوں کو پہلی بیوی کے بچوں میں خرابیاں بھی نظر آنی شروع ہو جاتی ہیں اور وہ اپنی بدسلوکی کو جائز سمجھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ لبا اوقات ہوتا یہ ہے کہ شرارت تو وہ بچے بھی کرتے ہیں جن کی ماں موجود ہے اور وہ بھی کرتے ہیں جن کی ماں موجود نہیں ہوتی مگر ماں والے بچوں کی ماں اُن کی شرارتوں پر پردہ ڈال لیتی ہے مگر جن کی ماں موجود نہیں ہوتی ان کی شرارتیں نمایاں ہو جاتی ہیں اور باپ بھی سمجھتے رہتے ہیں کہ پہلے بچے زیادہ شریر ہیں اور دوسرے مطیع اور با اخلاق ہیں۔ ایسے ہی بعض گھرانوں میں لڑکے اور لڑکی کے درمیان بہت فرق کیا جاتا ہے اور لڑکے کے حقوق تو خوشی خوشی ادا کئے جاتے ہیں

اور لڑکیوں کو بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ اب جس شکل میں بھی بے انصافی کی جائے خدا اور خدا کے رسولؐ کے نزدیک یہ فعل سخت ناپسندیدہ ہے۔

۵۱

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ بتاتے ہیں کہ میرے باپ (حضرت بشیرؓ) نے اپنے مال میں سے کچھ حصہ میرے نام ہبہ کیا: اس پر میری ماں عَمْرۃؓ بنت رَوَاحہ نے کہا کہ میں اس پر راضی نہیں جب تک کہ آپؐ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہبے پر گواہ نہ بنائیں۔ میرے والد حضورؐ کی خدمت میں چل پڑے تاکہ آپؐ کو اس ہبے پر گواہ بنائیں جو انہوں نے میرے نام کیا تھا۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنی ساری اولاد کو اسی طرح دیا ہے انہوں نے عرض کیا کہ نہیں اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو۔ پس میرے والد لوٹ آئے اور اپنا ہبہ واپس لے لیا۔ (مسلم)

تشریح:۔ مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہی واقعہ بیان ہوا ہے اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اے بشیرؓ کیا اس کے علاوہ تیرے اور بھی لڑکے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا ان سب کو اتنا اتنا ہی ہبہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں (اس پر) آپؐ نے فرمایا کہ پھر مجھے گواہ نہ بناؤ، کیونکہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔

بچوں کے درمیان انصاف نہ کرنے کا ایک بُرا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ بچوں کے درمیان بے اتفاقی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ جنہیں محروم رکھا جاتا ہے ان کے دلوں میں ان بہن بھائیوں کے خلاف جلن پیدا ہو جاتی ہے جن کے

حقوق زیادہ اچھے طریقے سے ادا کیے جاتے ہیں اور جنہیں ان کے حق سے زیادہ دیا جاتا ہے۔ یہ شے آخر بچوں کے درمیان اختلافات پیدا کر دیتی ہے جو لبا اوقات دشمنی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر جن بچوں سے بے انصافی کی جاتی ہے وہ والدین کو وہ محبت اور احترام نہیں دے سکتے جو اولاد کو دینا چاہیئے۔ اس طرح بے انصافی سے کام لے کر والدین ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے حضور میں گنہ گار ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سب بچوں کے حقوق ادا کرنے لازم کئے تھے۔ مگر وہ ان میں سے کچھ بچوں کے حقوق ادا کرتے ہیں اور کچھ کے نہیں کرتے اور دوسری طرف وہ دنیاوی لحاظ سے بھی نقصان اٹھاتے ہیں کیونکہ لبا اوقات وہ ان بچوں کے حسن سلوک اور خدمت سے محروم ہو جاتے ہیں جن سے انہوں نے بے انصافی روا رکھی ہوتی ہے اور پھر معاشرہ بھی انہیں "ظالم" ہی کا خطاب دیتا ہے۔ لہذا والدین کی دینداری ہی نہیں عقلمندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھیں۔ ہاں البتہ اگر کوئی بچہ ماں باپ کی اطاعت اور خدمت اوروں سے زیادہ کرتا ہو تو اسے کچھ زیادہ دے دینے میں حرج نہیں۔

۵۲

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو (اپنے) بال بچوں پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مہربان ہو (حضورؐ کے صاحبزادے) ابراہیمؓ مدینے کے (قریب کی ایک بستی) عوالی میں (ایک انّا کے گھر میں پرورش پاتے اور اس کا) دودھ پیتے تھے حضورؐ (وہاں) تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور ہم بھی آپؐ کے ساتھ

ہونے تھے۔ آپؐ گھر میں داخل ہوتے، گھر میں دھواں بھرا ہوتا تھا کیونکہ بچے کی انّا کا شوہر لوہار تھا۔ آپ بچے کو لیتے اور اسے چومتے اور پھر (اُسے انّا کو دے کر) واپس آجاتے (اس حدیث کے ایک راوی) عمرو بیان کرتے ہیں کہ جب حضورؐ کے ان صاحبزادے ابراہیم رضؓ نے وفات پائی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم میرا بیٹا تھا۔ وہ حالتِ شیرخوارگی ہی میں وفات پاگیا۔ اس کے لیے دو دائیں ہیں جو جنت میں اس کی رضاعت کی مدت پوری ہونے تک اُسے دودھ پلائیں گی۔ (مسلم)

تشریح:۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں بلکہ آگے اپنی صاحبزادیوں کے بچوں سے جتنا محبت اور شفقت کا سلوک فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کا ایک حق یہ بھی ہے کہ والدین اس کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آئیں۔ اس معاملے میں بے جا لاڈ پیار، جو بچے کو بگاڑ دے، درست نہیں، تاہم یہ ضروری ہے کہ بچے کو یقین رہے کہ ماں باپ اسے دل سے چاہتے ہیں اور اس کے سچے خیر خواہ ہیں۔ بچے سے بہت زیادہ سختی کرنا اُسے سدھارنا نہیں بلکہ بگاڑنا ہے۔ اگر کسی بچے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ ماں باپ کو مجھ سے محبت نہیں اور وہ مجھے بُرا سمجھتے ہیں تو یہ بچے اور والدین دونوں کی بدقسمتی ہوگی۔ اس لیے والدین کے لئے ضروری ہے کہ اپنا طرزِ عمل ایسا رکھیں کہ بچے کو ان کی محبت اور خیر خواہی پر یقین رہے۔ یہ یقین اس میں اعتماد پیدا کرے گا اور وہ اپنے آپ کو محفوظ سمجھے گا جس سے اس کی سیرت پر بہت اچھا پڑے گا۔

(۵۳)

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ (ایک دن) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کی رسیں ازواج مطہرات رضی جمع ہوئیں۔ ان میں سے کوئی زوجۂ مطہرہ بھی باقی نہ رہیں۔ اتنے میں (حضرت) فاطمہ رضی چلتی ہوئی آگئیں۔ اور ان کی چال تو گویا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی چال تھی۔ حضورؐ نے (انہیں دیکھ کر) فرمایا "خوش آمدید، میری بیٹی" پھر انہیں اپنی دائیں طرف یا بائیں طرف بٹھا لیا، پھر ان سے کوئی راز کی بات کی تو فاطمہ رضی رو پڑیں۔ پھر آپؐ نے (دوبارہ) ان سے سرگوشی کی۔ تو وہ ہنس بھی پڑیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کس بات پر روئیں۔ وہ کہنے لگیں کہ میں ایسی نہیں ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کر دوں۔ میں نے کہا کہ میں نے تو کبھی کسی خوشی کو غم سے اس سے زیادہ قریب نہیں دیکھا جتنا آج دیکھا ہے۔ (کہ آپ پہلے روئیں اور پھر ذرا سی دیر کے بعد ہنسنے لگیں) جب وہ روئیں تو میں نے انہیں کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات بتانے کے لیے ہم سب کو چھوڑ کر آپ ہی کو مخصوص کیا ہے پھر بھی آپ روتی ہیں اور میں نے ان سے پوچھا کہ حضورؐ نے کیا فرمایا تھا، لیکن انہوں نے کہا کہ میں ایسی نہیں ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کر دوں۔ (غرضکہ انہوں نے ہمیں کچھ نہ بتایا) یہاں تک کہ جب حضورؐ کی وفات ہو گئی تو میں نے ان سے (پھر) پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضورؐ نے مجھے بتایا تھا کہ جبریلؑ ہر سال میرے ساتھ ایک بار قرآن کا دور کیا کرتے تھے لیکن اس سال انہوں نے میرے ساتھ دو دفعہ (دور) کیا ہے۔ لہٰذا میں یہی سمجھتا ہوں کہ میری اجل قریب آگئی ہے۔ اور میرے اہل و عیال میں سے تم پہلی ہو گی جو مجھے ملو گی۔ اور میں تمہارا اچھا پیش خیمہ ہوں۔ پس (جب حضورؐ نے یہ باتیں کیں تو) میں ان کے باعث رو پڑی۔ پھر آپؐ نے (دوبارہ) مجھ سے سرگوشی کی (اور فرمایا) کہ کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تم مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو گی۔ یا (آپؐ نے یوں فرمایا کہ تم) اس

امت کی عورتوں کی سردار ہوگی۔ پس یہ سن کر میں ہنس پڑی۔ (مسلم)

۵۴

حضرت مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو شے اسے اذیت دیتی ہے وہ مجھے اذیت دیتی ہے۔ (مسلم)

۵۵

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اقرع بن حابس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ (اپنے پیارے نواسے) حضرت حسنؓ کو چوم رہے تھے۔ اقرع نے کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک کو بھی کبھی نہیں چوما۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مہربانی نہیں کرتا اس پر مہربانی کی بھی نہیں جاتی۔ (مسلم)

۵۶

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ کچھ دیہاتی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہیں۔ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہاں۔ وہ کہنے لگے۔ لیکن خدا کی قسم ہم تو نہیں چومتے۔ اس پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر خدا تم سے مہربانی چھین لے تو پھر میرا کیا اختیار (اس حدیث کے ایک راوی) ابن

نمیرؓ کہتے ہیں کہ (حضورؐ نے فرمایا کہ اگر خدا) تمہارے دل سے مہربانی نکال لے تو پھر میرا کیا اختیار؟ (مسلم)

۵۷

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں دن کے کسی وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا (ہم دونوں خاموش تھے) نہ حضورؐ مجھ سے بات کر رہے تھے نہ میں آپؐ سے بات کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپؐ بنو قینقاع کے بازار میں پہنچے۔ پھر آپؐ لوٹے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا:

"کیا یہاں کوئی چھوٹا بچہ ہے؟ کیا یہاں کوئی چھوٹا بچہ ہے؟"

آپؐ کی مراد حضرت حسنؓ تھے۔ (حضرت حسنؓ جلدی نہ آئے تو) ہم نے سمجھا کہ اُن کی والدہ نے انہیں نہلانے اور خوشبودار ہار پہنانے کے لیے روکا ہوا ہے۔ پھر تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ وہ دوڑتے ہوئے آئے، یہاں تک کہ دونوں (یعنی حضورؐ اور حضرت حسنؓ) ایک دوسرے سے گلے ملے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے خدا میں اس سے محبت رکھتا ہوں، پس تو بھی اس سے محبت رکھ اور اُس سے بھی محبت رکھ جو اس سے محبت رکھے۔ (مسلم)

۵۸

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو اپنے اہلِ بیت میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے

حضورؐ نے فرمایا کہ حسنؓ اور حسینؓ اور حضورؐ حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کرتے تھے کہ میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ پھر آپؐ انہیں سونگھتے اور انہیں سینے سے لگا لیتے۔ (ترمذی)

۵۹

حضرت یَعلیٰؓ بن مُرّۃ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ اللہ اس سے محبّت رکھے جو حسینؓ سے محبت رکھے۔ حسینؓ فرزندوں میں سے ایک فرزند ہیں (یا اُمّتوں میں سے ایک امّت ہیں) (ترمذی)

تشریح :۔ اصل الفاظ ہیں حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاط اور تشریح کرنے والوں نے اس کے ایک سے زیادہ مطلب بتائے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حسینؓ ایک امّت ہیں امّتوں میں سے یعنی بھلائی اور نیکی میں ایک امّت کے برابر ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ حسینؓ پیغمبروں کی اولاد ہیں جیسے حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ سبط کہتے ہیں اولاد کی اولاد کو۔ تو یہ جملہ ارشاد فرما کر گویا حضورؐ نے مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ حسینؓ میری اولاد کی اولاد ہیں لہٰذا دھیان رکھنا کہ ان کی عزّت و توقیر میں کمی نہ آئے اور ان سے بدسلوکی نہ ہو۔ ایسے ہی بعض یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت حسینؓ کو ایک امّت کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو بہت برکت دے گا۔ اور وہ ایک بڑی امت ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جو مطلب بھی لیا جائے وہ حضرت حسینؓ کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور مندرجۂ بالا احادیث واضح کر رہی ہیں کہ اولاد کے معاملے میں حضورؐ کا طرزِ عمل کتنا زیادہ

مشفقانہ اور مہربانانہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بچے کو پیار و محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلا شبہ اس کی تربیت کے لیے مناسب سختی بھی کرنی چاہیئے۔ جیسے کہ اوپر حدیث ۴۸ میں حضورؐ کا فرمان بیان ہوا ہے کہ اگر بچہ نماز نہ پڑھے تو اسے سزا دی جائے تاہم شفقت و محبت کا اظہار بھی ایک لازمی شئے ہے۔ اور یہ بچے کا ایک حق ہے جو اسے ضرور دینا چاہیئے۔ جو لوگ بزعم خود بچوں کو تہذیب و آداب سکھانے کے لیے ہر وقت ان کے ساتھ سخت رویہ ہی اختیار کیئے رکھتے ہیں وہ کوئی اچھا کام نہیں کرتے۔ اس سے بچے کے دل میں والدین کے لئے وہ حقیقی محبت اور سچا احترام پیدا نہیں ہوتا جو باہمی تعلقات کو خوشگوار اور مضبوط رکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

۶۰

(صحیح بخاری میں حضرت براءؓ بن عازب کی ایک حدیث ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ کی زبانی سفر ہجرت کا کچھ ذکر ہے۔ اس حدیث کے آخر میں حضرت براءؓ بن عازب بیان کرتے ہیں کہ)

۔۔۔ میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ان کے گھر چلا گیا تو دیکھا کہ ان کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ لیٹی ہوئی تھیں۔ انہیں بخار تھا۔ میں نے ان کے باپ (یعنی حضرت ابوبکرؓ) کو دیکھا کہ انہوں نے ان کے رخسار پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ اے پیاری بیٹی تیری طبیعت کیسی ہے۔ (بخاری)

۶۱

حضرت سعدؓ (بن ابی وقاص) بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں بیمار تھا۔

اور حضورؐ میری عیادت کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے کیا میں اپنے سارے مال (کو خدا کی راہ میں دے دینے) کی وصیت کردوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں (ایسا نہ کرو) میں نے عرض کیا کہ پھر نصف مال کی (وصیت کردوں) آپؐ نے (پھر) فرمایا کہ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا پھر تیسرے حصّے کی (وصیت کردوں) آپؐ نے فرمایا کہ (ہاں) تیسرے حصّے میں کرسکتے ہو اگرچہ تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے (پھر حضورؐ نے فرمایا) یہ کہ تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جائے۔ اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں تنگدست چھوڑ جائے اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور (اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے اپنے اہل وعیال پر) جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے وہ تمہارے لیے خیرات ہے (کہ تمہیں اس کا ثواب ملے گا) یہاں تک کہ جو لقمہ بھی تم اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دو گے (اس کا بھی تمہیں ثواب ملے گا) اور شاید اللہ تمہاری عمر دراز کرے اور بعض لوگ (یعنی مسلمان) تم سے فائدہ اٹھائیں اور بعض لوگوں کو (یعنی کفّار کو) تم سے نقصان پہنچے۔ (بخاری)

تشریح:۔ یہاں اولاد کا ایک اور حق بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اولاد والدین کے ترکے کی وارث ہوتی ہے۔ اس حدیث میں واضح فرما دیا گیا ہے کہ وارثوں کو محروم کرکے اپنے مال کو راہ خدا دینے کی بھی اجازت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ مال کا تیسرا حصّہ دیا جاسکتا ہے۔ باقی دو حصّے لازماً وارثوں کو ملیں گے۔ حدیث کے آخر میں حضورؐ نے جو فرمایا ہے کہ بعض لوگوں کو تم سے فائدہ پہنچے اور بعض کو نقصان تو خدا تعالیٰ نے اس کو پورا فرمایا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص زندہ رہے اور بعد میں جب مسلمانوں کی ایران اور روم کی سلطنتوں سے جنگیں ہوئی تو حضرت سعدؓ نے عراق فتح کیا اور اہل اسلام کو ان سے فائدے اور دشمنان اسلام کو نقصان پہنچا۔

بیٹی کے بارے میں خصوصی ہدایات :

اولاد کے حقوق کا ذکر اُس وقت تک نامکمل رہتا ہے جب تک یہ واضح نہ کیا جائے کہ جس بیٹی کو زمانۂ قبل اسلام میں ننگ و عار کا باعث سمجھا جاتا تھا اور جس کے پیدا ہونے پر لوگ شرم کے مارے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور جسے زندہ زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ اسلام نے آکر اُسے کیا مقام عطا فرمایا۔

۶۲

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی بیٹی ہو، پھر نہ تو وہ اسے زندہ دفن کرے اور نہ اسے ذلیل سمجھے اور نہ اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (ابوداؤد)

۶۳

حضرت ابو سعید خُدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی۔ پھر انہیں اچھی تعلیم و تربیت دے کر ان کی شادی کر دی۔ اور اُن سے اچھا سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔ (ابوداؤد)

۶۴

حضرت عُقبہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان کے معاملے میں صبر سے کام لے اور اپنی کمائی سے انہیں کھلائے اور پلائے اور پہنائے تو وہ بیٹیاں قیامت کے دن اس کے لیے آگ سے بچاؤ (کا ذریعہ) ہو جائیں گی۔ (ابن ماجہ)

۶۵

حضرت سُراقہؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تجھے سب سے زیادہ فضیلت والا صدقہ نہ بتا دوں؟ (سب سے زیادہ فضیلت والا صدقہ) تیری وہ بیٹی ہے جو (خاوند کی وفات یا طلاق کے باعث) تیری طرف واپس آگئی ہو اور تیرے سوا اس کا کوئی کمانے والا نہ ہو۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ یہاں حضورؐ نے اس بے بس بیٹی کے حقوق بتائے ہیں جس کا خاوند فوت ہو گیا ہے یا اسے طلاق مل گئی ہے اور اسے کما کر کھلانے والا کوئی نہیں، لہٰذا وہ اس بات پر مجبور ہو گئی ہے کہ باپ کے گھر واپس آجائے ایسی بیٹی کے اخراجات پورے کرنے اور اس سے حسن سلوک کرنا بہت زیادہ اجر کا باعث ہے۔

۶۶

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ اس نے سوال کیا اور میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے اسے وہی دے دی۔ اس نے اس کھجور کو اپنی دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اور خود اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور چلی گئی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے تو میں نے آپؐ کو یہ بات بتائی تو آپؐ نے فرمایا کہ جو کوئی ان لڑکیوں کے بارے میں کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے۔ پھر وہ ان سے حسنِ سلوک کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم کی آگ سے پردہ ہو جائیں گی۔ (بخاری، مسلم بحوالہ ریاض الصالحین)

غلام اور خادم کے حقوق:

انسان چونکہ مالی لحاظ سے ایک درجے پر نہیں ہوتے، اس لیے روزی کمانے کے جو مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ غریب انسان کسی نسبتاً خوشحال شخص کی خدمت کر کے اس خدمت کے عوض اس سے مال یا ضروریاتِ زندگی حاصل کرے۔ ان خدمت گزاروں کی بھی دو قسمیں رہی ہیں۔ ایک وہ جو دوسروں کی ملکیت ہوتے تھے مثلاً غلام اور کنیزیں۔ اور دوسرے وہ جو ہوتے تو آزاد ہی ہیں مگر دوسروں کی خدمت کر کے اپنی روزی کماتے ہیں۔ اسلام میں ان دونوں اقسام کے خدمت گزاروں کے حقوق قائم کیے گئے ہیں جنہیں ادا کرنا ضروری ہے۔ ان حقوق کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ خادم سے اتنا زیادہ کام نہ لیا جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔

۲۔ خادم کی تنخواہ یا کھانا کپڑا یا دوسری شرائط ملازمت کو دیانتداری سے پورا کیا جائے۔ اور اس سے انصاف کیا جائے۔

۳۔ خادم کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

۴۔ خادم کی خطاؤں کو معاف کیا جائے۔

۵۔ خادم پر ناروا اور ناجائز سختی کرنے سے پرہیز کی جائے۔

واضح رہے کہ غلام اور خادم کے حقوق کو اس باب میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ لوگ بھی درحقیقت افراد خانہ ہی کا ایک حصہ ہیں اور جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، خدا اور خدا کے رسولؐ نے دوسرے افراد خانہ کی طرح ان کے بھی حقوق قائم فرما رکھے ہیں جنہیں خدا کی ناراضی مول لیے بغیر غصب نہیں کیا جا سکتا۔

۹۷

مَعرُور بن سُوَید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذرؓ کو دیکھا کہ آپ ایک جوڑا پہنے تھے اور آپ کے غلام نے بھی ویسا ہی جوڑا پہنا ہوا تھا۔ میں نے آپؓ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص کو (جو غلام تھا) گالی دی اور اُسے اس کی ماں سے عار دلائی۔ وہ شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضورؐ کو یہ بات بتائی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ (اے ابوذرؓ) تو ایک ایسا شخص ہے جس میں (ابھی) جاہلیت (کا اثر باقی) ہے (یہ غلام) تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے مملوک ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارے

زبردست کردیا ہے۔ پس جس شخص کا بھائی اس کے زیرِ دست ہو اُسے چاہیئے کہ جو خود کھائے وہی اُسے کھلائے اور جو خود پہنے وہی اسے پہنائے اور تم لوگ انہیں ایسے کاموں پر مجبور نہ کرو جو ان پر شاق ہوں۔ اور اگر تم انہیں کسی ایسے کام پر مجبور کرو تو پھر اس کام میں خود اُن کی امداد کرو۔ (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث کی روشنی میں غلام کی جو تصویر نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مالک جیسے کپڑے پہنتا ہے، مالک جیسا کھانا کھاتا ہے مالک اسے اپنا بھائی سمجھتا ہے۔ اگرچہ وہ مالک کی خدمت کرتا ہے تاہم اُسے اتنا کام کرنے کو نہیں کہا جاتا جو اس پر شاق گزرے اور اگر کبھی اسے زیادہ کام دینا ہی پڑے تو مالک خود اس کام کو کرنے میں اس کی امداد کرتا ہے۔ اور اس کا مالک اُسے گالی دے کر عار نہیں دلاتا۔ کیونکہ ایسا کرنے کو خدا کے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جاہلیت کا اثر قرار دیا ہے۔

صحابۂ کرام رضؓ حضورؐ کے احکام کو کتنی سنجیدگی سے لیتے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے وہ اس واقعے سے ظاہر ہے جو مسلم، کتاب الزہد والرقاق میں بیان ہوا ہے کہ ایک دن صحابیٔ رسولؐ حضرت ابوالیسرؓ کو دیکھا گیا کہ آپ خود اور آپ کا غلام دونوں ایک جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے، حضرت عبادہؓ بن صامت کے پوتے عُبادہ بن ولید نے اُن سے اس بارے میں سوال کیا تو حضرت ابوالیسرؓ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی کہ خدایا اسے برکت عطا فرما۔ پھر فرمایا کہ اے بھتیجے میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سُنا اور میرے اس دل نے یاد رکھا کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:۔

"ان (غلاموں) کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔"

حضورؐ کا یہ فرمان سُنا کر وہ کہنے لگے کہ میں اس غلام کو دنیا کا سازوسامان

دے دوں تو یہ میرے لیے زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن یہ میری نیکیاں لے لے۔

یہ جو حضرت ابوالیسرؓ نے فرمایا کہ قیامت کے دن یہ میری نیکیاں لے لے یہ بھی اسی تعلیم کی بنا پر فرمایا جو حضورؐ نے دی تھی کہ جس شخص پر ناحق ظلم کیا جائے گا۔ قیامت کے دن ظالم کی نیکیاں اس کے ظلم کے بقدر لے کر اس مظلوم کو دے دی جائیں گی۔ حضرت ابوالیسرؓ کی مراد یہ تھی کہ میں اس کے کھانے کپڑے وغیرہ کے معاملے میں اس لیے حضورؐ کے احکام پر پورا پورا چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ کہ کہیں میں اس کے کسی حق کو ادا نہ کرنے کے باعث ظالم نہ سمجھا جاؤں اور اس ظلم کے عوض قیامت کے دن یہ میری نیکیاں نہ لے لے۔

۶۸

امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطابؓ ہر ہفتے کے دن مدینے کے آس پاس گاؤں میں جایا کرتے تھے اور جب کسی غلام کو کوئی ایسا کام کرتے دیکھتے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہوتا، تو اسے کم کر دیتے۔ (موطّا)

تشریح: حضورؐ کی تعلیمات کی روشنی میں غلام کا ایک خاص حق یہ ہے کہ اُس سے اتنا زیادہ اور ایسا سخت کام نہ لیا جائے جو اس پر شاق ہو اسی فرمان کی بنا پر حضرت عمرؓ پھر پھر کر دیکھتے تھے کہ کسی غلام سے اس کی طاقت سے زیادہ کام تو نہیں لیا جا رہا۔ اور اگر کہیں ایسا ہوتے دیکھتے تو اس غلام کا کام کم کروا دیتے۔

۶۹

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تین صفات ایسی ہیں کہ جس میں ہونگی خدا اس کی موت آسان کر دے گا اور اسے جنّت میں داخل کرے گا۔ (ایک) کمزور کے ساتھ نرمی کرنا، (دوسرے) والدین کے ساتھ شفقت کا سلوک کرنا، اور (تیسرے) اپنے غلاموں اور کنیزوں سے حسن سلوک سے پیش آنا۔

(ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

تشریح:۔ حسن سلوک ایک جامع ترکیب ہے جس میں ہر طرح کی ہمدردی، محبّت، جذبات کا احترام خیر خواہی اور نفع رسانی آجاتی ہے۔ غلام اور کنیزوں کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ ان کے ساتھ نرمی برتی جائے۔ ان سے اتنا کام نہ لیا جائے جو انہیں تکلیف پہنچائے، ان کے ساتھ اچھی زبان سے گفتگو کی جائے اور ہر طرح کی بدزبانی سے پرہیز کی جائے، اپنی استطاعت کے مطابق انہیں اچھا کھانا کپڑا دیا جائے اور اچھی رہائش دی جائے، ان کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے، ان کے ساتھ انصاف کا سلوک کیا جائے، انہیں فائدہ پہنچانے کی کوشش کی جائے، ان کے جذبات کا احترام کیا جائے، اگر کسی مالک کے پاس ایک سے زیادہ غلام یا کنیزیں ہوں اور وہ آپس میں رشتے دار ہوں مثلاً بھائی بھائی ہوں یا ماں بچہ ہوں تو ان میں سے ایک کو بیچ کر یا کسی کو ہبہ کر کے ان میں جدائی نہ ڈالی جائے، خلاصہ یہ کہ ان کے ساتھ ایسا رویہ رکھا جائے جس سے وہ آرام اور اطمینان محسوس کریں۔ اور انہیں اپنے غلام یا کنیز ہونے کا احساس نہ ہو۔ یہ حسن سلوک مالک کی آخرت بھی سنوارے گا اور دنیا میں بھی اس

کے لیے فائدہ مند ہوگا۔ کیونکہ جس خادم کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا اس کے دل میں مالک کے لیے محبّت اور خیر خواہی پیدا ہوگی اور وہ دلی توجہ سے مالک کی خدمت کرے گا۔ اور اس کے مال کا دیانت دار محافظ ثابت ہوگا۔

۷۰

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے جو تمہاری مزاج کے موافق ہوں تو انہیں کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور انہیں پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور ان میں سے جو تمہاری مزاج کے موافق نہ ہو اُسے بیچ دو اور اللہ کی مخلوق پر عذاب نہ کرو۔ (ابوداؤد)

تشریح: یعنی اگر وہ تمہاری مرضی کے مطابق کام نہیں کرتے تو ان کو علیحدہ کر دو۔ مگر انہیں مار پیٹ نہ کرو اور سزائیں نہ دو۔

۷۱

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ غلام کو (حسب استطاعت) کھانا بھی دیا جائے اور کپڑا بھی اور اُسے اتنا ہی کام کرنے کی تکلیف دی جائے جتنا کام کرنے کی اس میں طاقت ہو۔ (مسلم)

۷۲

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم (اس کے لیے کھانا تیار کر کے لائے اور اس طرح) اُسے اپنا کھانا (خود تیار کرنے۔ اور تیار کرتے ہوئے) گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھانے سے بچالے تو اس (مالک) کو چاہیئے کہ خادم کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ (کھانے پر) بٹھالے۔ پھر اگر اسے (یعنی مالک کو ایسا کرنے سے) انکار ہو (یا خادم تواضع کے باعث مالک کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کر دے) تو اس (مالک) کو چاہیئے کہ ایک لقمہ ہی لے کر اُسے کھلا دے۔ (ترمذی)

تشریح: یعنی زیادہ پسندیدہ بات تو یہی ہے کہ خادم تکلیف اٹھا کر جو کھانا پکا کر لایا ہے مالک اسے اپنے ساتھ بٹھا کر وہ کھانا اُسے بھی کھلائے لیکن اگر ایسے نہ ہو سکے تو بھی اس خادم کو اس کھانے میں سے جو اس نے پکایا ہے کچھ نہ کچھ دیا ضرور جائے چاہے ایک لقمہ ہی ہو۔

۷۳

حضرت رافعؓ بن مُکَیث، جو ان لوگوں میں سے تھے جو صلح حُدَیبیہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ان کے بیٹے حارث بن رافعؓ بن مُکَیث بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلاموں، کنیزوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا (باعث) برکت ہے اور (ان کے ساتھ) بد خُلقی سے پیش آنا (باعث) نحوست ہے۔ (ابوداؤد)

۷۴

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں خادم (کے قصور) کو کتنی بار معاف کیا کروں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں خادم (کے قصور) کو کتنی بار معاف کیا کروں آپ نے فرمایا کہ ہر روز ستر مرتبہ۔ (ترمذی)

تشریح :۔ ظاہر ہے کہ اگر ہر روز انسان اپنے خادم کے قصور کو اتنی بار معاف کرے گا تو اس بات کا امکان کم ہی ہے کہ کبھی خادم کو سزا دینے کی نوبت آئے۔ حضورؐ کے فرمان کا جو اصل مقصد مفاد یہی ہے کہ خدمت گار کے معاملے میں زیادہ سے زیادہ نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے اور اسے سزا دینے سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے۔

۷۵

حضرت سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اسے قتل کر دیں گے اور جس نے اپنے غلام کا کوئی عضو کاٹا ہم اس کا عضو کاٹ دیں گے۔ (نسائی)

تشریح :۔ یعنی غلام کے ساتھ ٹھیک اسی طرح انصاف ہو گا جیسے آزاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ غلام ہونے کے باعث اس کی جان یا اعضاء کی قیمت کم نہیں ہو جائے گی۔ جس طرح آزاد کے بارے میں حکم ہے کہ جو کوئی ناحق اس کا کوئی عضو کاٹے اس کا وہی عضو کاٹ دیا جائے اور جو کوئی

اس کی ناحق جان لے اس کی جان لے لی جائے یہی صورت غلام کے معاملے میں ہوگی کہ اس کے عضو کاٹنے والے کا عضو کاٹا جائے گا اور اس کی جان لینے والے کی جان لی جائے گی۔

۷۶

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک کنیز کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا (اس کنیز سے) پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ یہ (ظلم) کس نے کیا۔ کیا فلاں نے کیا؟ کیا فلاں نے کیا؟ (اس طرح مختلف لوگوں کے نام لیے گئے) یہاں تک کہ اس یہودی کا نام لیا گیا (کہ کیا اس نے یہ ظلم کیا) تو اس (کنیز) نے اپنے سر سے اشارہ کیا (کہ ہاں) اس پر وہ یہودی پکڑا گیا تو اس نے (اپنے جرم کا) اعتراف کر لیا۔ پس حضورؐ نے اس کے بارے میں حکم دیا تو اس کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان کچل دیا گیا۔ (بخاری)

(نوٹ) حدیث ۷۵ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

۷۷

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میرے کچھ غلام ہیں، وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میرے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں اور میں انہیں گالیاں دیتا ہوں اور انہیں مارتا ہوں تو (آپؐ مجھے بتلائیے کہ) ان کے سبب میرا کیا حال ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ جو کچھ تمہارے ساتھ خیانت کرتے ہیں اور تمہاری نافرمانی کرتے

ہیں اور تمہارے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں۔ اس کا بھی حساب ہو گا اور تم انہیں جو سزا دیتے ہو (اس کا بھی ہو گا) پھر اگر وہ سزا جو تم انہیں دیتے ہو۔ اُن کے گناہوں کے برابر ہی ہوئی تو حساب بیباق ہو جائے گا، نہ تمہیں ثواب ملے گا نہ عذاب اور اگر وہ سزا جو تم انہیں دیتے ہو ان کے گناہوں سے کم ہوئی تو ان کے گناہ تمہاری سزا سے جتنے زیادہ ہوں گے (ان کے حساب سے) تمہیں اتنا ثواب مل جائے گا اور اگر وہ سزا جو تم انہیں دیتے ہو ان کے گناہوں سے زیادہ ہوئی تو جتنی تمہاری سزا زیادہ ہو گی (اسکے حساب سے) انہیں تم سے قصاص دلایا جائے گا۔ (حدیث کا راوی) بیان کرتا ہے کہ پھر وہ شخص ایک گوشے میں چلا گیا اور رونے چلانے لگا۔ (اس پر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اللہ کی کتاب (میں یہ آیت) نہیں پڑھتے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ...... الآیۃ۔

(قیامت کے دن ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے۔ پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا۔ جس کا رائی کے دانے کے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہو گا، وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں) پھر وہ شخص کہنے لگا کہ یا رسول اللہ، خدا کی قسم، میں اپنے لیے اور ان کے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں پاتا کہ ان سے جدائی اختیار کر لوں۔ میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب کے سب آزاد ہیں۔ (ترمذی)

تشریح:۔ اس حدیث میں حضورؐ نے اپنے مخصوص نفیس انداز میں اس عدل کی عکاسی فرمائی ہے جو غلاموں کے ساتھ قیامت کے دن ہو گا۔ اس مؤثر اور دل نشین عکاسی کا اُن صاحب پر ایسا اثر ہوا کہ پہلے وہ ایک گوشے میں جا کر نالہ و بکا کرتے رہے اور پھر آخر اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اس حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ وہ صاحب گوشے میں جا کر اس لیے روئے

کہ حضورؐ کے سامنے رونا چلّانا انہیں بے ادبی لگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔
اس حدیث میں حضورؐ نے غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی اُخروی سزا کے پردے میں گویا یہ تاکید بھی فرما دی ہے کہ دنیا میں ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے بچا جائے۔

(۷۸)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی کہ اے ابو مسعودؓ جان لے کہ جتنی قدرت تجھے اس غلام پر حاصل ہے خدا کو اس سے زیادہ قدرت تجھ پر حاصل ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، یہ اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد ہے اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تو ایسا نہ کرتا تو (جہنم کی) آگ تجھے جلا دیتی۔ یا آپؐ نے یوں فرمایا کہ جہنم کی) آگ تجھے چھو لیتی۔ (مسلم)

(۷۹)

حضرت ابوبکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے غلاموں اور کنیزوں سے بُرا سلوک کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ)

(۸۰)

(کبھی یوں بھی ہوتا تھا کہ ماں اور بچہ یا دو بھائی کسی ایک شخص کی ملکیت

ہیں ہوتے۔ وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بیچ دیتا۔ اور وہ کسی اور مالک کے پاس چلا جاتا۔ تو اس طرح ماں اور بچے اور بھائی اور بھائی کے درمیان جدائی ہو جاتی۔ حضورؐ نے اسے سخت ناپسند فرمایا)

حضرت ابوایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے ماں اور بچے کے درمیان جدائی ڈالی خدا قیامت کے دن اس کے اور اس کے محبوبوں کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ (ترمذی)

۸۱

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو غلام عطا کئے جو آپس میں بھائی تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے علیؓ تیرا (ایک) غلام کیا ہوا۔ میں نے آپؐ کو اطلاع دی (کہ میں نے اسے بیچ دیا ہے) تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے واپس لے لے، اسے واپس لے لے (تاکہ بھائیوں میں جدائی نہ ہو) (ترمذی)

۸۲

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ (وفات سے پہلے) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا کہ نماز (کا خیال رکھو) نماز (کا خیال رکھو) اور اپنے داہنے ہاتھوں کی ملکیت کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔

(ابوداؤد)

تشریح :۔ داہنے ہاتھوں کی ملکیت کے دو مفہوم لیے گئے ہیں بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد غلام اور کنیزیں ہیں ۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد مال ہے۔ اگر مال مراد لیا جائے تو اس کے معاملے میں خدا سے ڈرنا یہ ہوگا کہ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور اسے صحیح ذرائع سے حاصل کیا جائے اور صحیح مصارف پر صرف کیا جائے اور اگر غلام اور کنیزیں مراد لی جائیں تو ان کے معاملے میں خدا سے ڈرنا یہ ہوگا کہ ان کے حقوق پورے پورے ادا کئے جائیں اور ان سے بدسلوکی نہ کی جائے ۔

(۸۳)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیٰ اللہ علیہ وسلّم مدینے تشریف لائے تو آپؐ کے پاس کوئی خادم نہ تھا۔ پس (میرے سوتیلے والد) ابوطلحہؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آپؐ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، انسؓ ایک عقل مند لڑکا ہے ۔ یہ آپؐ کی خدمت کرے گا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے سفر اور حضر میں آپؐ کی خدمت کی (اور اس تمام مدت میں) اگر میں نے کوئی کام کیا تو آپؐ نے اس کے بارے میں مجھے کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کام تو نے ایسے کیوں کیا۔ اور (ایسے ہی) اگر میں نے کوئی کام نہ کیا تو آپؐ نے اُس کے بارے میں کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کام تو نے ایسے کیوں نہیں کیا۔

(بخاری)

(۸۴)

حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ خدا صلیٰ اللہ علیہ وسلّم سب لوگوں

سے زیادہ خوش خلق تھے۔ ایک دن آپؐ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا تو میں نے کہا کہ خدا کی قسم، میں نہیں جاؤں گا۔ مگر میرے دل میں یہ تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کے لیے میں ضرور جاؤں گا۔ غرضکہ میں چل دیا۔ یہاں تک کہ میں کچھ بچوں کے پاس سے گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے۔ اچانک حضورؐ نے پیچھے سے میری گدی کو پکڑ لیا۔ میں نے آپؐ کی طرف دیکھا تو آپؐ ہنس رہے تھے پھر آپؐ نے فرمایا کہ اے انیس، کیا تو وہاں گیا جہاں جانے کا میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں یارسولؐ اللہ! میں جا ہی رہا ہوں۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم، میں نے حضورؐ کی نو سال خدمت کی۔ مجھے علم نہیں کہ میں نے کوئی کام کیا ہو اور حضورؐ نے اس کے بارے میں فرمایا ہو کہ تو نے ایسا اور ایسا کیوں کیا۔ یا میں نے کوئی کام چھوڑ دیا ہو اور حضورؐ نے اس کے بارے میں فرمایا ہو کہ تُو نے ایسے اور ایسے کیوں نہیں کیا۔ (مسلم)

۸۵

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی مسلمان (غلام) کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس (غلام) کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کے عضو کو آگ سے نجات دے گا۔ (امام زین العابدین علی بن حسینؓ کے ایک مصاحب) سعید بن مرجانہ بیان کرتے ہیں کہ میں (امام) علی بن حسینؓ کے پاس گیا (اور ان سے یہ حدیث بیان کی) تو انہوں نے اپنے ایک غلام کا قصد کیا (جو اتنا قیمتی تھا کہ عبداللہ بن جعفرؓ اس کے لیے دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دینے کو تیار تھے۔ مگر امام علی بن حسینؓ نے (یہ حدیث سُن کر) اُسے آزاد کر دیا۔ (بخاری)

تشریح:۔ سب سے بڑا حسن سلوک جو کسی غلام سے کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اُسے غلامی کے بندھن سے نکال کر آزاد کر دیا جائے۔ اسلام نے اس کا بندوبست اس طرح کیا ہے کہ کسی غلام کو آزاد کرنے کو بہت بڑا کارِ ثواب قرار دے دیا ہے اور اس کے لیے آخرت کے کثیر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ امام زین العابدین علیؒ بن حسینؓ نے اس اجر و ثواب کا بیان سن کر اپنا ایک بڑا ہی قیمتی غلام فوراً آزاد کر دیا۔

۸۶

ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس کوئی کنیز ہو، پھر وہ اس کی پرورش کرے اور اس سے حسنِ سلوک کرے۔ پھر اُسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے تو اس کو دوہرا ثواب ہو گا۔ (بخاری)

تشریح:۔ ایسے شخص کے لیے دوہرا اجر اس لیے ہے کہ اس نے ایک سے زیادہ نیک اعمال کیے۔ پہلے تو ایک کنیز کی حسنِ سلوک کے ساتھ پرورش کی۔ پھر اُسے آزادی بخش کر اُسے بیچے اور خریدے جانے کے چکر سے نکال لیا اور آخر میں اس کے ساتھ شادی کر کے اُسے ایک عزت و آبرو والی حیثیت اور ایک محفوظ گھر عطا کر دیا۔

۸۷

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ سوتے ہوئے وفات پا گئے تو ان کی ہمشیرہ حضرت عائشہؓ نے ان کی طرف سے بہت غلام

آزاد کئے۔ (مالک بحوالہ مشکوٰۃ)

تشریح:۔ لوگوں کو غلاموں کو آزاد کرنے کی طرف مائل کرنے کا ایک اور بندوبست جو اسلام نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ میّت کی طرف سے غلام آزاد کرنے کو ایصال ثواب کا ذریعہ بتایا ہے جیسے کہ اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی کی طرف سے غلام آزاد کئے تاکہ انہیں ثواب ملے۔

۸۸

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر اس کام میں دیر لگائی یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہ وفات پا گئیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے کہا کہ اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے غلام آزاد کر دوں تو کیا یہ بات انہیں نفع پہنچائے گی۔ اس پر قاسم بن محمد نے کہا کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا تھا کہ میری ماں وفات پا گئی ہیں تو کیا یہ بات انہیں فائدہ دے گی کہ میں ان کی طرف سے غلام آزاد کر دوں تو رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ ہاں۔ (مالک بحوالہ مشکوٰۃ)

(نوٹ) حدیث ۸۷ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

۸۹

(زیادہ سے زیادہ غلاموں کو آزادی دلانے کے لئے بعض خاص خاص

گناہوں کا کفارہ یہ رکھ دیا گیا ہے کہ غلام آزاد کئے جائیں مثلاً سورۃ النساء آیت ۹۲ میں فرمایا گیا ہے۔

"۔۔۔ جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔"

ایسے ہی خاص خاص مواقع پر بھی غلام آزاد کرنے کی ہدایت کی گئی ہے)

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا۔ (بخاری)

۹۰

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے وہ تین شخص پیش کیے گئے جو بہشت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے تھے (ان میں ایک) شہید (تھا، دوسرا) وہ پاکدامن جو حرام و شبہات سے بچتا ہے، اور (تیسرا) وہ غلام جس نے اچھی طرح اللہ کی بندگی کی اور اپنے مالکوں کی خیرخواہی کی۔ (ترمذی)

تشریح :۔ دین نے ایک قاعدہ کلیہ بتا دیا ہے کہ جو شخص بھی اپنے فرض کو عمدہ طریقے سے انجام دے گا وہ اجر و ثواب کا مستحق ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، آزاد ہو یا غلام۔ اسی اصول کے تحت جب ایک غلام، جو خدا کا بندہ ہے اور اپنے مالک کا غلام ہے، خدا کی بندگی بھی اچھے طریقے سے کرتا ہے اور اپنے مالک کا بھی خیرخواہ رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اتنی فضیلت حاصل کر لیتا ہے کہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق بہشت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے تین اشخاص

ہیں سے ایک وہ ہوگا۔

۹۱

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے بتایا کہ حضرت ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالم مسجد قبا میں مہاجرین اولین اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی امامت کیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوسلمہؓ حضرت زیدؓ اور حضرت عامرؓ بن ربیعہ (جیسے لوگ) موجود ہوتے تھے۔

(بخاری)

تشریح:۔ یہ قدرتی نتیجہ تھا اس تعلیم کا جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے حقوق اور اسلامی مساوات کے بارے میں اپنے صحابہؓ کو دی تھی۔ زمانۂ قبل اسلام میں کسی کے وہم وخیال میں بھی یہ بات نہیں گزر سکتی تھی کہ کوئی غلام آزاد اور اعلیٰ حسب نسب والے لوگوں کے آگے کھڑا ہو کر ان سے اپنی پیروی کروائے، مگر اسلام آنے کے بعد پھر یہی پسے ہوئے بے بس لوگ اپنے ذاتی اوصاف اور دینداری کی بنا پر بڑے سے بڑا رتبہ حاصل کرنے لگے اور ان کا غلام ہونا ان کی راہ کی رکاوٹ نہ بن سکا۔

اہلِ خانہ کے حقوق :۔

اگرچہ اہل خانہ میں عموماً وہی لوگ شامل ہوتے ہیں جن کے حقوق فرداً فرداً بیان کئے جا چکے ہیں یعنی شوہر، بیوی، والدین اولاد اور خادم تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ گھر میں اور لوگ بھی رہتے ہوں اور صاحب خانہ ان کا کفیل ہو۔ ذیل میں کچھ ایسی احادیث پیش کی جارہی ہیں جن میں اہل خانہ بہ حیثیت مجموعی کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔

۹۲

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم میں سب سے زیادہ اچھا ہوں اور (فرمایا کہ) جب تمہارا ساتھی مرجائے تو اُسے چھوڑ دیا کرو۔ (ترمذی)

تشریح: اصل اچھائی یہ ہوتی ہے کہ انسان ان لوگوں کے لیے اچھا ہو جو سب سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں اور جن کے درمیان وہ رہتا سہتا ہے ورنہ جن لوگوں سے کبھی کبھار ملاقات ہوتی ہوتی ہے ان کے ساتھ تو بہت سے لوگ اچھا رویہ اختیار کر ہی لیتے ہیں۔ ایک مقولہ ہے کہ اچھا وہ ہے جس کی بیوی اور خادم اسے اچھا کہیں گھر کے لوگ سب سے زیادہ اس بات کے حقدار ہیں کہ ان کے ساتھ خوش خلقی برتی جائے۔ جو لوگ گھر والوں کے ساتھ بدمزاجی اور کرختگی سے پیش آتے ہیں اور باہر والوں کے آگے بچھے جاتے ہیں وہ کوئی قابل تعریف کام نہیں کرتے۔ حدیث کے آخر میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ جب تمہارا ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑ دیا کرو۔ تو چھوڑ دیا کرو سے مراد یہ ہے کہ اس کے مرجانے کے بعد اس کا برائی سے ذکر نہ کیا کرو۔

۹۳

اسود بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ آپؐ اپنے گھر والوں کے کام کرتے تھے۔

اور جب اذان کی آواز سنتے تھے تو (نماز کے لیے) تشریف لے جاتے تھے۔ (بخاری)

تشریح:- حدیث میں اس بات کی تفصیل نہیں ہے کہ حضورؐ گھر والوں کے کیا کام کرتے تھے۔ تاہم اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ صاحب خانہ اگر اہل خانہ کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے تو یہ اس کے لیے خوبی کی بات ہے کیونکہ حضورؐ کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ آپؐ گھر والوں کے کام کرتے تھے۔

۹۴

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جن کا اخلاق سب سے اچھا ہے اور جو اپنے گھر والوں سے زیادہ نرمی سے پیش آتے ہیں۔ (ترمذی)

۹۵

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین خیرات وہ ہے جسے دینے کے بعد بھی انسان مالدار رہے اور دینے کا آغاز ان سے کر جن کی تو پرورش کرتا ہے (یعنی جن کے اخراجات تیرے ذمے ہیں۔ ان کی ضروریات پوری کر کے پھر باہر والوں کو دے) (ابوداؤد)

۹۶

حضرت خیثمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے پاس

بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ان کا داروغہ ان کے پاس آگیا۔ حضرت عبداللہ رضی بن عمر رضی نے فرمایا کہ کیا تم نے غلاموں کو ان کی غذا دے دی ہے اس نے کہا کہ نہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ جا اور جاکر انھیں (غذا) دے اور فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ جنہیں کھلانے کا ذمہ دار ہو ان کی غذا روک لے۔ (مسلم)

۹۷

حضرت ابومسعود انصاری رضی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کار ثواب سمجھ کر اپنے گھر والوں پر کچھ خرچ کرتا ہے تو وہ خرچ کرنا اس کے لئے خیرات ہوجاتا ہے (یعنی اسے اس خرچ کرنے کا اسی طرح ثواب ملتا ہے جیسے خیرات کرنے سے ملتا ہے) (بخاری)

۹۸

حضرت ابوہریرہ رضی بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خیرات کرنے کا حکم دیا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اسے اپنے آپ پر خیرات کر (یعنی اپنے کام میں لا) اس شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور (دینار بھی) ہے آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے بیٹے پر خیرات کر (یعنی اسے دے دے) اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور بھی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ وہ اپنی بیوی پر خیرات کر (یعنی اسے دے دے) اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک

اور بھی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اپنے خادم پر خیرات کر اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور بھی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو زیادہ اچھی طرح دیکھ سکتا ہے (کہ اس کا مستحق کون ہے) (ابو داؤد)

تشریح: حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ جو جتنا زیادہ قریب ہے وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی ضرورت پہلے پوری کی جائے ۔ اپنی ذاتی ضروریات اور اپنے اہل و عیال اور خادم کی ضروریات پوری کرنے کے بعد جو بچے اسے پھر انسان دوسروں پر خرچ کرے اور ان میں پھر دیکھے کہ کونسا ضرورت مند تعلق کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے یہ نہ ہو کہ انسان خود تو محتاج ہو اور اپنے بال بچے ضرورت مند ہوں مگر ان کو نظر انداز کر کے نسبتاً دور کے لوگوں کی ضرورت پوری کی جائے ۔ ہاں البتہ اگر اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری ہو چکی ہوں اور انہیں ضرورت نہ ہو تو پھر بے شک باہر کے ضرورت مندوں کی امداد کی جائے یا اگر قریبی لوگوں میں کوئی ضرورت مند نہیں تو دور کے ضرورت مندوں کی ضروریات کو پورا کیا جائے ۔

۹۹

حضرت زینبؓ زوجہ عبداللہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت خیرات کرو ۔ چاہے اپنے زیورات ہی سے ہو ۔ حضرت زینبؓ بیان کرتی ہیں کہ میں لوٹ کر (اپنے میاں) عبداللہؓ کے پاس آئی اور کہا کہ آپ ایک مفلس خالی ہاتھ آدمی ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خیرات کرنے کا حکم فرمایا ہے ۔ آپ حضورؐ کے پاس جائیں اور ان سے پوچھیں کہ اگر میں آپ ہی کو خیرات دے دوں اور خیرات ادا ہو جائے تو خیر ورنہ پھر میں کسی اور ضرورت مند کو دوں ۔ (حضرت) عبداللہؓ نے مجھ

سے کہا کہ بلکہ تم خود ہی حضورؐ کے پاس جاؤ، پس میں گئی تو کیا دیکھا کہ ایک انصاری خاتون بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر (کھڑی) تھیں۔ اور میں اور وہ ایک ہی حاجت کے لیے آئی تھیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب بہت تھا (جس کے باعث ہمیں حضورؐ تک پہنچنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی) اتنے میں (حضرت) بلالؓ ہمارے پاس سے گزرے تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور آپؐ کو بتائیں کہ دو عورتیں دروازے پر (کھڑی) ہیں اور آپؐ سے پوچھتی ہیں کہ اگر ہم اپنے (مفلس) خاوندوں اور ان یتیموں کو جو ہماری پرورش میں ہیں خیرات دے دیں تو کیا ہماری خیرات ادا ہو جائے گی اور حضورؐ کو یہ نہ بتایئے گا کہ ہم کون ہیں۔ چنانچہ (حضرت) بلالؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپؐ سے (یہ مسئلہ) پوچھا۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ وہ دونوں کون ہیں۔ حضرت بلالؓ نے بتایا کہ (ایک) کوئی انصاری عورت ہیں اور (دوسری) زینبؓ ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کونسی زینبؓ، حضرت بلالؓ نے بتایا کہ (حضرت) عبداللہؓ کی بیوی۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ان دونوں کو دہرا اجر ہوگا۔ ایک رشتے داری کا اور دوسرا خیرات کا۔ (مسلم)

باب ۲

رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق

اپنے گھر میں رہنے والے لوگوں کے بعد معاشرے کے جن حصوں سے ہمارا سب سے زیادہ قریبی تعلق ہوتا ہے وہ رشتے دار اور ہمسائے ہیں اور اسلام نے ان دونوں کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔

رشتے داروں کے حقوق:

۱۰۰

حضرت ابوایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک بدو آپؐ کے سامنے آگیا اور آپؐ کی ناقہ کی نکیل یا اس کی رسی پکڑ لی اور پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یا (یوں کہا کہ) یا محمدؐ مجھے بتایئے کوئی ایسا عمل جو مجھے جنت کے قریب کر دے اور دوزخ سے دور کر دے راوی کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے اور پھر اپنے صحابہؓ

پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ اسے (نیکی کی) توفیق دی گئی ہے یا (یوں فرمایا کہ) اسے ہدایت دی گئی ہے (پھر اس بدو سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ تم نے کیا کہا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس نے اپنی بات دہرائی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے) فرمایا کہ: تو اللہ کی عبادت کر، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، اور نماز قائم کر، اور زکوٰۃ ادا کر اور صلہ رحمی کر (اور پھر فرمایا کہ اب ہماری) ناقہ کو چھوڑ دے۔ (مسلم)

تشریح: یہ "صلہ رحمی" جس کا حضورؐ نے حکم فرمایا حضورؐ ہی کے فرامین کی روشنی میں یہ ہے کہ

۱۔ رشتے داروں سے تعلقات قائم رکھے جائیں۔ توڑے نہ جائیں۔
۲۔ ان کے دکھ سکھ میں شرکت کی جائے۔
۳۔ ان کے ساتھ محبت اور خیرخواہی کی جائے۔
۴۔ ان سے حسن سلوک کیا جائے۔
۵۔ انہیں حتی الامکان مالی اور جسمانی دونوں طرح کی امداد دی جائے۔
۶۔ ان کے خلاف محاذ نہ قائم کیا جائے۔
۷۔ اگر وہ صلہ رحمی نہ کریں تو بھی ان سے صلہ رحمی کی جائے۔

صلہ رحمی کی ضد "قطع رحمی" ہے یعنی رشتے داروں سے تعلقات توڑے جائیں اور ان سے بدسلوکی کی جائے جسے ایک بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

(۱۰۱)

حضرت ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرکشی کرنا اور قطع رحمی کرنا (ایسے گناہ ہیں کہ) کوئی گناہ ان سے زیادہ

اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کا ارتکاب کرنے والے کو خدا تعالیٰ جلدی سے دنیا میں بھی سزا دے دے علاوہ اس سزا کے جو اس نے اس کے لیے آخرت میں رکھی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: مراد یہ ہے جو شخص رشتے داروں سے بدسلوکی کرے گا اور ان سے تعلقات توڑ دے گا تو وہ ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کرے گا جس کی سزا عموماً آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ رشتے داریوں کا نظام انسان کے فائدے کے لیے بنایا ہے، زندگی میں خوشی آئے یا غم دوسرے انسانوں کی ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے خوشی کے موقع پر ایسے محبت کرنے والے خیر خواہوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ہماری خوشی میں شرکت کر کے اسے دوبالا کریں۔ اور غم کے موقع پر ایسے ہمدردوں اور غم گساروں کی طلب ہوتی ہے جو ہمارے دکھ کو دل سے محسوس کریں اور اسے کم کرنے کی کوشش کریں۔ رشتے داریوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک شے رکھی ہوئی ہے جسے خون کی کشش کہتے ہیں یہ خون کی کشش انسان کو مجبور کرتی ہے کہ اپنے رشتے داروں کی خوشی سے خوش ہو اور دکھ سے دکھی ہو۔ انسان کی بڑی کامیابی ہے کہ وہ اس خون کی کشش کو اپنی پوری طاقت سے کام کرنے دے تاکہ رشتے داروں کا حلقہ ایک دوسرے کی خوشی کو بڑھاتا اور غم کو کم کرتا رہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے رشتے داروں سے بدسلوکی کرتا ہے اور اکڑ میں آ کر ان سے تعلقات توڑتا ہے تو اس خون کی کشش کی طاقت کم ہونی شروع ہو جاتی ہے اور جب یہ نافرمانی بار بار کی جاتی ہے اور جھوٹی اکڑ کے باعث رشتے داروں کو گویا جتایا جاتا ہے کہ جاؤ ہمیں تمہاری ضرورت ہی کیا ہے تو یہ کشش سست ہوتے ہوتے بالکل پژمردہ ہو کر رہ جاتی ہے اور جب یہ پژمردہ ہو جاتی ہے تو پھر انسان نہ رشتے داروں

کی خوشی سے خوش ہوتا ہے۔ اور نہ ان کے غم سے غمزدہ ہوتا ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ وہ لوگ ایک دوسرے کی خوشی کو بڑھائیں گے نہ ایک دوسرے کے غم کو کم کرنے کی سعی کریں گے بلکہ عجب نہیں کہ معاملہ اس کے برعکس ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کی خوشی دیکھ کر حسد کریں اور غم دیکھ کر مسرور ہوں پھر جب رشتے داروں کے کسی حلقے میں یہ صورت پیدا ہو جائے تو قدرتی بات ہے کہ ان کی پریشانیاں بڑھ جائیں اور ان کی خوشیاں کم ہو جائیں۔ قطع رحمی کی جس سزا کا اس حدیث میں ذکر ہے اس کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رشتے دار اپنی تلخ کلامیوں اور دشمنانہ رویے سے ایک دوسرے کے دکھ اور پریشانیاں بڑھانے کا ذریعہ بن جائیں پھر یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ رشتے داروں کے باہمی بغض، حسد اور کینے کے باعث اس خوش حالی میں کمی آجائے جو ان کے باہم ایک دوسرے سے صلۂ رحمی کرنے کی صورت میں آنی تھی اور جلتے کڑھتے رہنے کے باعث بیماریاں حملہ آور ہوں۔ اور عمریں کم ہو جائیں اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اور بھی ہزار شکلوں میں قطع رحمی کی سزا دے سکتے ہیں۔ سزا کا مطلب مجرم کو تکلیف دینا ہوتا ہے تاکہ اُسے اپنے جرم کا احساس ہو اور تکلیف دینے کی تو بے شمار شکلیں ہیں۔ ذیل کی حدیث بھی واضح کر رہی ہے کہ صلۂ رحمی رزق اور عمر کو بڑھانے کا ذریعہ ہوتی ہے اس کا مطلب صاف ہے کہ قطع رحمی پھر رزق اور عمر کو کم کرنے کا ذریعہ ہو گی۔

۱۰۲

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور اس کی عمر لمبی ہو اُسے

چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری)

تشریح:۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پیروی کرتے ہوئے رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں گے اور ان سے تعلقات قائم رکھیں گے اور ان کی بدسلوکی کے جواب میں بھی اچھا سلوک ہی کریں گے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں آخرت کی جزا کے علاوہ دنیا میں بھی جزا دے گا کہ ان کی عمریں لمبی ہوں گی اور انہیں رزق کی خوش حالی حاصل ہو گی۔ ویسے بھی انسان کا تجربہ اسے بتاتا ہے کہ جہاں رشتے داروں کے آپس میں تعلقات اچھے ہوتے ہیں اور دلوں کی محبت قائم ہوتی ہے اور باہمی خون کی کشش بھرپور انداز میں کام کر رہی ہوتی ہے وہاں لوگ ایک دوسرے کو وسائل رزق حاصل کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں اور ایک دوسرے کی خوشیاں بڑھا کر اور غم کم کر کے بہت سے اضطراب اور اس کی پیدا کردہ بیماریوں سے بچانے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ قدرتی بات ہے کہ ایسے لوگ مالی لحاظ سے خوش حال ہوں اور ان کی عمریں لمبی ہوں۔

۱۰۳

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نسب کی اتنی تعلیم حاصل کر لو جس سے اپنے رشتے داروں سے مل سکو، کیونکہ صلہ رحمی سے اپنے لوگوں میں محبت پیدا ہوتی ہے، مال بڑھتا ہے اور موت پیچھے ہٹتی ہے (یعنی عمر لمبی ہوتی ہے)۔ (ترمذی)

تشریح:۔ عربوں کے ہاں نسب نامے یاد کرنے کا عام رواج تھا یعنی بچوں کو یاد کرایا جاتا تھا کہ ان کے آباؤ اجداد کون تھے، کون کس کا بیٹا، کس کا پوتا، کس کا پڑپوتا، کس کا چچا، کس کا ماموں وغیرہ تھا۔ کئی کئی

پشتوں تک کی رشتے داریاں یاد کی جاتی تھیں۔ یہ علم "علم الانساب" کہلاتا تھا حضورؐ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ علم الانساب اتنا حاصل کر لیا کرو کہ اپنی باہمی رشتے داریوں کا پتہ چل جائے اور رشتے داروں سے میل ملاپ جاری رہے۔ حدیث کے آخر میں وہی بات بیان ہوئی ہے جو حدیث ۱۰۲ میں ہے کہ صلۂ رحمی سے رشتے داروں میں آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور خوشحالی بڑھتی ہے اور عمریں بھی لمبی ہوتی ہیں۔

۱۰۴

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے فرمایا کہ رشتے داری رحمان کی ایک شاخ ہے پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اے رشتہ داری) جو تجھے جوڑے گا میں اس سے جڑوں گا اور جو تجھے کاٹے گا میں اس سے کٹ جاؤں گا۔ (بخاری)

تشریح:۔ مراد یہ ہے کہ جو شخص رشتے داروں سے تعلقات قائم رکھے گا، ان سے حسنِ سلوک کرے گا اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور اس کی رحمت اس پر سایہ کرے گی۔ اس کے برعکس جو رشتے داروں سے تعلقات توڑے گا، ان سے بدسلوکی کرے گا اور ان کے حقوق ادا کرنے سے غفلت برتے گا وہ خدا کی رحمت سے دور ہو جائے گا۔

۱۰۵

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان

کا اکرام کرے، اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ صلۂ رحمی کرے، اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ بھلائی کی بات کرے یا پھر خاموش رہے۔

(بخاری، مسلم بحوالۂ ریاض الصالحین)

۱۰۶

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (ساری) مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب اسے پیدا کرنے سے فارغ ہو چکا تو رشتے داری نے عرض کیا کہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں، کیا تو اس پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اس سے جڑوں اور جو تجھے کاٹے میں اس سے کٹ جاؤں۔ رشتے داری نے عرض کیا کہ کیوں نہیں میرے رب (میں اس پر راضی ہوں)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پس پھر تجھے یہ (مقام) عطا کیا جاتا ہے (کہ تجھے جوڑنے والے سے میں جڑوں گا اور تجھے کاٹنے والے سے میں کٹ جاؤں گا پھر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا کہ اگر تم چاہو تو (یہ آیت) پڑھ لو:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۔

(اب کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر تم اُلٹے منہ پھر گئے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور باہمی رشتے داریوں کو قطع کرو گے) (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں بھی وہی مضمون بیان ہوا ہے جو حدیث

۱۰۴ میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رشتے داری کو یہ رتبہ عطا کیا ہے کہ جو شخص رشتے داری کا پاس کرتے ہوئے، رشتے داروں سے تعلقات قائم رکھے گا اور ان سے حسن سلوک کرے گا اُسے خدا کا قرب حاصل ہوگا۔ اور وہ خدا کی رحمت کے سائے میں آجائے گا۔ اور جو رشتے داری کا پاس نہیں کرے گا اور رشتے داروں سے بدسلوکی کرے گا اور ان سے تعلق توڑے گا اللہ کی رحمت اس سے دور ہو جائے گی۔ اور اُسے خدا کا قرب حاصل نہیں ہوگا۔ حدیث کے آخر میں جو آیت بیان ہوئی ہے وہ سورہ محمدؐ کی آیت ۲۲ ہے۔ اس میں رشتے داری کو قطع کرنے کا جس انداز سے ذکر کیا گیا ہے اس سے اس عمل کی برائی واضح ہو رہی ہے۔ اسے زمین میں فساد مچانے کے ساتھ ہی بیان کرنا یہ تاثر دیتا ہے کہ یہ اسی قسم کا گناہ ہے۔

۱۰۷

حضرت جبیرؓ بن مطعم بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قطع کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (اس حدیث کے ایک راوی) ابن ابی عمر بیان کرتے ہیں کہ (اس کے ایک اور راوی) سفیان نے کہا کہ (قطع کرنے والے سے) مراد رشتے داری قطع کرنے والا ہے۔

(ترمذی)

تشریح:۔ یعنی جو شخص اپنے رشتے داروں سے بدسلوکی کرے گا اور ان سے تعلقات توڑ لے گا وہ جنّت میں داخل نہیں ہوگا۔

۱۰۸

حضرت سلمانؓ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم

نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو کھجور پر افطار کرے۔ کیونکہ وہ برکت والی چیز ہے۔ اور اگر کھجور نہ پائے تو پانی پر افطار کرے۔ کیونکہ یہ بڑی پاک چیز ہے اور حضورؐ نے (یہ بھی) فرمایا کہ (غیر رشتہ دار) مسکین کو صدقہ دینا تو صرف صدقہ ہے اور رشتہ دار کو صدقہ دینے میں (ثواب کی) دو باتیں ہیں۔ (کیونکہ ایک تو یہ) صدقہ (ہے) اور (دوسرے یہ) صلۂ رحمی (بھی ہے)۔ (ترمذی)

۱۰۹

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ مدینے میں سب سے زیادہ مالدار انصاری تھے۔ اور انہیں اپنے اموال میں سے (اپنا باغ) بَیْرُحَاء سب سے زیادہ عزیز تھا۔ یہ باغ مسجدِ نبویؐ کے سامنے تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس باغ کا عمدہ اور شیریں پانی پیا کرتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ "تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اس شے کو (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہیں عزیز ہے"

تو ابو طلحہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ اور میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب مال بَیْرُحَاء ہے اور میں اسے خدا کی راہ میں خیرات کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر و ثواب کا امیدوار ہوں۔ پس یا رسولؐ اللہ! آپؐ جیسے مناسب سمجھیں اس میں تصرف

فرمائیں۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واہ واہ یہ تو مفید مال ہے یہ تو مفید مال ہے (اس کا خیرات کرنا تمہیں بہت فائدہ بخشے گا، اچھا) تم نے جو کچھ کہا وہ میں نے سن لیا۔ اور مجھے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تم یہ باغ اپنے رشتے داروں کو دے دو۔ اس پر حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، ایسے ہی کرتا ہوں۔ اور انہوں نے اس باغ کو اپنے رشتے داروں اور اپنے چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔ (مسلم)

۱۱۰

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، انسانوں میں (میرے) حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر تیرا باپ، پھر جو (باپ کے بعد رشتے میں) تیرے زیادہ قریب ہو، پھر جو (اس رشتے دار کے بعد رشتے میں) تیرے زیادہ قریب ہو۔ (مسلم)

تشریح:۔ یعنی جو شخص رشتے کے لحاظ سے جتنا قریب ہو اتنا ہی وہ حسن سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رشتے داروں کے حقوق قائم کرتے وقت بھی جو زیادہ قریبی کو حسن سلوک کا زیادہ مستحق بنایا ہے اس میں بڑی سہولت ہے۔ کیونکہ رشتے دار جتنا زیادہ قریبی ہوگا اتنی ہی اس کے ساتھ محبت بھی زیادہ ہو گی۔ اور ملنا جلنا بھی زیادہ ہو گا۔ اور یہ بات حسن سلوک کو زیادہ آسان بنا دے گی۔

۱۱۱

(ویسے تو سبھی رشتے دار حسن سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ تاہم چند رشتے جن

کا خصوصی طور پہ ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں ایک خالہ بھی ہے جسے ماں کی مانند قرار دیا گیا ہے)

حضرت بَرَاءؓ بن عازب بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ خالہ ماں کے درجے میں ہے۔ (ترمذی)

۱۱۲

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے (رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں) عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، میری جتنی ساتھی خواتین ہیں سب کی کُنیتیں ہیں۔ (اس پر) حضورؐ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے بیٹے عبداللہؓ کے ساتھ کنیت رکھ لو۔ (اس حدیث کے ایک راوی) مُسَدَّد نے (عبداللہؓ کے بجائے) عبداللہؓ بن زُبیرؓ کہا ہے۔ راوی کہتے ہیں لہٰذا حضرت عائشہؓ کی کنیت اُمّ عبداللہؓ تھی۔ (ابوداؤد)

تشریح: عربوں کے ہاں رواج تھا کہ بچوں والی عورتوں یا مردوں کو ان کے بچوں میں سے کسی بچے کے نام پہ "فلاں کا باپ" کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اور اسے کُنیت کہا جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کا کوئی بچہ نہیں تھا لہٰذا جب انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں یہ بات کی کہ میری ساتھی خواتین تو کنیتوں سے پکاری جاتی ہیں۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے بیٹے عبداللہؓ کے نام سے اُمّ عبداللہؓ کنیت رکھ لو۔ یعنی عبداللہ کی ماں۔ حالانکہ حضرت عبداللہؓ بن زُبیرؓ حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اَسماءؓ بنت ابی بکرؓ کے بیٹے اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے۔ مگر حضورؐ نے انہیں حضرت عائشہؓ کے "بیٹے" فرمایا اور ان کے نام سے کنیت رکھنے کو فرمایا۔ اس میں بھی وہی بات ہے کہ خالہ کے رشتے کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اسے ماں کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

۱۱۳

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں، یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں پھر وہ ان سے حسنِ سلوک کرے اور ان کے معاملے میں خدا سے ڈرے تو اس کے لیے جنت ہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ عورت کے کندھوں پر مالی بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ یعنی اس کے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ وہ کمائے بلکہ جو کوئی اس کا قریب ترین رشتے دار مرد ہوگا اسے اس کا کفیل بننا ہوگا۔ مثلاً جب تک باپ زندہ ہے وہ بیٹی کا کفیل ہوگا اور اگر باپ نہیں تو حقیقی بھائی کفیل ہوگا۔ شادی کے بعد شوہر کفیل ہوگا بیوہ عورت کا اگر بیٹا موجود ہے تو وہ اس کا کفیل ہوگا۔ اس حدیث میں بیٹی اور بہن کے حقوق بیان ہوئے ہیں۔ حدیث میں اس بات کی وضاحت نہیں ملتی کہ جن بہنوں کا ذکر ہے آیا یہ وہ بہنیں ہیں جن کی کفالت بھائی کے ذمے ہے یا وہ بہنیں ہیں جن کے سر پر باپ کا سایہ موجود ہے۔ جو صورت بھی ہو یہ تو واضح ہے کہ بہن کا رشتہ بڑا قریبی رشتہ ہے۔ اگر اس کے سر پر اپنے باپ کا سایہ موجود ہو تو بھی اس سے حسنِ سلوک کرنا فضیلت کی بات ہے اور اگر یہ بہن ایسی ہو جو باپ کے سائے سے محروم ہو لہٰذا اس کی کفالت بھائی کے ذمے ہو تو پھر تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور بھی زیادہ اجر و ثواب کے حصول کا ذریعہ ہوگا۔

۱۱۴

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ صلۂ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو (اپنے رشتے داروں کی طرف سے کی گئی صلۂ رحمی کے) جواب میں صلۂ رحمی کرے بلکہ صلۂ رحمی کرنے والا تو وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ (اس کے جواب میں) صلۂ رحمی کرے۔

(ترمذی)

تشریح:- جو نکتہ اس حدیث میں بیان ہوا ہے اگر لوگ اسے سمجھ جائیں تو رشتے داریوں کے بہت سے جھگڑے اور بکھیڑے ختم ہو جائیں۔ آپس میں لڑنے اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے والے رشتے دار عموماً اسی بناء پر اپنی زیادتی کو جائز قرار دیتے ہیں کہ دوسرے نے ہم پر زیادتی کی تھی۔ اگر وہ صلۂ رحمی کرتا تو ہم بھی کرتے۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ اس حدیث کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تاکہ انہیں یہ یاد رہے کہ صلۂ رحمی کا دراصل مطلب کیا ہے۔ اگر دوسرا حسن سلوک کرتا اور اس کے جواب میں آپ بھی حسن سلوک کرتے تو یہ عمل جوابی حسن سلوک تو ہوتا مگر صلۂ رحمی نہ ہوتا۔ صلۂ رحمی تو نام ہی اس حسن سلوک کا ہے جو بدسلوکی کے جواب میں کیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بدسلوکی کے جواب میں حسن سلوک کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ بات قولاً تو آسان ہے مگر عملاً بہت زیادہ مشکل ہے مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ جنت کا حصول بھی کوئی معمولی بات نہیں۔ اگر انسان اپنی انا کو کچھ زیر کر کے اور اپنے خالق کی رضا کی تلاش میں اپنوں ہی کے آگے کچھ نیچا ہونے کو تیار ہو جائے تو یہ سودا نفع کا ہے نقصان کا نہیں۔

۱۱۵

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ

میرے کچھ رشتہ دار ہیں۔ میں ان سے صلۂ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں۔ میں ان سے حسن سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ حلم سے پیش آتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت کا سلوک کرتے ہیں۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے کہا ہے تو گویا تو انہیں گرم راکھ (یعنی بھوبل) پھنکا رہا ہے اور جب تک تو اس حالت پر قائم رہے گا خدا کی طرف سے ان کے خلاف ایک مددگار تیرے ساتھ رہے گا۔ (مسلم)

تشریح :۔ اس حدیث میں چند باتیں خصوصی طور پر غور طلب ہیں۔ ایک یہ کہ جب ان صاحب نے حضورؐ کو بتایا کہ ان کے اچھے سلوک کے مقابلے میں رشتے داروں کا سلوک کتنا برا ہے تو حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ اچھا پھر اگر وہ تمہارے حسن سلوک کے مقابلے میں تمہارے ساتھ اتنا برا سلوک کرتے ہیں تو پھر بے شک تم بھی ان کے برے سلوک کے جواب میں برا سلوک کرلو۔ بلکہ آپؐ نے یہی فرمایا کہ جب تک تم اس حالت پر قائم رہو گے یعنی ان کے برے سلوک کے جواب میں اچھا سلوک کرتے رہو گے خدا کی طرف سے ان کے خلاف ایک مددگار تمہارے ساتھ رہے گا۔ گویا حضورؐ نے ان کے اس طرز عمل کی حوصلہ افزائی فرمائی اور اشارتاً انہیں اس اچھے طرز عمل کو اپنائے رکھنے کا مشورہ دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "اگر تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے کہا ہے" یہ بڑا معنی خیز جملہ ہے۔ اکثر اوقات ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو رشتے داروں کی بدسلوکی تو نظر آجاتی ہے۔ مگر اپنی نظر نہیں آتی۔ اپنے متعلق ہم یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم تو صلۂ رحمی ہی کر رہے ہیں۔ حالانکہ عین ممکن ہے کہ ہم بھی کوئی ایسی حرکت کرتے ہوں جو رشتے داروں کو بدسلوکی محسوس ہوتی ہو مگر ہمیں وہ نظر نہ آتی ہو۔ کیونکہ عموماً انسان کو اپنی برائی نظر نہیں آیا کرتی۔ لہٰذا

حضورؐ نے فرمایا کہ " اگر تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے کہا ہے " یعنی اگر یہ حقیقت ہے کہ تو واقعی حسنِ سلوک کر رہا ہے اور وہ بدسلوکی کر رہے ہیں " تو گویا تو انہیں گرم راکھ پھنکا رہا ہے ۔"

تیسری بات بھی گرم راکھ پھنکانے والی ہے ۔ جب ایک شخص برائی کئے چلا جا رہا ہو مگر دوسرا اس برائی کے مقابلے میں حسنِ سلوک ہی پر قائم رہے تو برائی کئے چلے جانے والے کے لیے درحقیقت گرم راکھ پھانکنے ہی کا بندوبست ہو رہا ہوتا ہے ۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اُسے اس کا احساس نہ ہوتا ہو ۔ حسنِ سلوک پر قائم رہنے والا اپنی دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری میں لگا ہوتا ہے اور بدسلوکی پر اصرار کرنے والا اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو خراب کر رہا ہوتا ہے ۔

۱۱۶

ابوالاحوصؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ، وہ کہتے ہیں کہ میں نے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے میرے چچا کے بیٹے کو دیکھا ، میں اس کے پاس آ کر کچھ مانگتا ہوں تو وہ مجھے نہیں دیتا ۔ اور نہ میرے ساتھ صلۂ رحمی کرتا ہے ۔ پھر (کبھی) اُسے میری ضرورت پڑتی ہے تو میرے پاس آ جاتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے (پس اب) میں نے قسم کھائی ہے کہ اسے (کچھ) نہیں دوں گا ۔ اور نہ اس سے صلۂ رحمی کروں گا ۔ اس پر حضورؐ نے مجھے حکم فرمایا کہ تو وہی کام کر جس میں بھلائی ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے ۔ (نسائی)

تشریح :۔ یعنی چچا کے بیٹے کے ناپسندیدہ سلوک کے باوجود تو اس سے صلۂ رحمی کیے چلا جا ۔ کیونکہ اسی میں بھلائی ہے اور اس کے ساتھ صلۂ رحمی

نہ کرنے کی جو قسم کھائی ہے اُسے توڑ دے اور اس کا کفارہ دے دے۔

ہمسایوں کے حقوق :

ہمسایہ چونکہ گھر کے قریب رہتا ہے۔ اس لیے وہ دوسرے لوگوں کی نسبت بہتر طور پر دکھ سکھ کا ساتھی بن سکتا ہے۔ ایسے ہی گھر کے قرب ہی کے باعث اُسے دُکھ دینے اور ستانے کے مواقع بھی دور رہنے والے لوگوں کی نسبت زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح گھروں کے بہت سے اندرونی راز بھی جو لوگ اپنے رشتے داروں سے بھی چھپانے کی کوشش کرتے ہیں ہمسایوں سے چھپانے مشکل ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ہمسایہ بدباطن یا دشمن ہو تو وہ نہایت آسانی سے خاندان کو رسوا اور بدنام کر سکتا ہے حقوق ہمسایہ پر زور دے کر اس بات کا بندوبست کیا گیا ہے کہ پاس پاس رہنے والے ایک دوسرے کے لیے راحت اور آرام کا باعث بنیں اور ایک دوسرے کی ایذارسانی سے بچ جائیں۔ اس کے علاوہ جس معاشرے میں ہمسائے کے حقوق ادا کرنے کا احساس ہوگا وہاں غریب طبقات کی امداد کی صورتیں بھی پیدا ہوتی رہیں گی۔ اور غریب اور امیر کے درمیان جو اجنبیت کی خلیج ہے وہ بھی پُر ہوتی رہے گی۔ کیونکہ امیر ہمسایوں کو ہمسائے کے حقوق کی ادائیگی کی خاطر اپنے غریب ہمسائے سے ملنا جلنا اور معاشرتی تعلقات قائم کرنے پڑیں گے جس سے آپس کی اجنبیت اور غیریت دور ہو گی۔ یہ اور ایسے ہی اور فوائد کے باعث ہمسائے کے حقوق ادا کرنے کی بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔

قرآن و حدیث میں ہمسائے کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں اور سلف صالحین نے ان کے بارے میں جو کچھ قرائن چھوڑے ہیں ان کی روشنی میں ہمسائے کے حقوق کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ ہمسایوں کو اذیت دینے سے پرہیز کرنا چاہیئے وہ جسمانی ہو یا ذہنی۔

۲۔ ہمسایوں سے حتی الامکان حسن سلوک کرنا

۳۔ اپنی استطاعت کے مطابق ہمسایوں کو تحفہ بھیجتے رہنا۔

۴۔ ہمسایوں کی عیب پوشی کرنا۔

۵۔ ہمسایوں کے رازوں کی حفاظت کرنا۔

۶۔ ہمسایوں کے دکھ سکھ میں شرکت کرنا۔

۷۔ جن دینی یا عام باتوں سے وہ بے خبر ہوں اُن میں ان کی رہنمائی کرنا وغیرہ۔

ہمسائے تین اقسام کے ہو سکتے ہیں: ایک وہ ہمسایہ جو ساتھ ہی مسلمان بھی ہے اور رشتے دار بھی۔ دوسرے وہ ہمسایہ جو رشتے دار تو نہیں مگر مسلمان ہے تیسرے وہ ہمسایہ جو نہ رشتے دار ہے نہ مسلمان ہے بلکہ صرف ہمسایہ ہے۔ یہ تیسرا ہمسایہ بھی حق ہمسائگت رکھتا ہے کیونکہ اگرچہ وہ نہ رشتے دار ہے نہ مسلمان تاہم ہمسایہ تو ہے، لہٰذا اسے بھی اذیت دینے سے پرہیز کرنا ہوگی۔ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہوگا اور حتی الامکان اُسے سیدھی راہ دکھانے کی کوشش کرنا ہوگی۔ وغیرہ۔ تاہم جو ہمسایہ ہمسایہ ہونے کے علاوہ مسلمان بھی ہوگا اس کے حقوق اس پہلے ہمسائے سے زیادہ ہوں گے۔ اور جو ہمسایہ اور مسلمان ہونے کے علاوہ ساتھ رشتے دار بھی ہوگا اس کے حقوق سب سے زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ پہلے کو صرف حق ہمسائگت حاصل ہے، دوسرے کو حق ہمسائگت کے علاوہ مسلمان بھائی ہونے کا حق بھی حاصل ہے اور تیسرے کو ہمسایہ اور مسلمان بھائی ہونے کے علاوہ رشتے داری کا حق بھی حاصل ہے۔

۱۱۷

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیلؑ مجھے ہمسائے (کے حقوق) کے بارے میں برابر وصیت کرتے رہے

یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ اسے (ترکے کا) وارث (بھی) بنا دیں گے۔ (بخاری)

تشریح: عام طور پر ترکے کے وارث والدین، خاوند، بیوی اور بیٹے بیٹیاں ہوتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو میّت کے بہت ہی قریبی ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ "جبرئیلؑ مجھے ہمسائے کے بارے میں برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ اُسے وارث بنا دیں گے۔" تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جبرئیلؑ نے حضورؐ کو ہمسائے کے حقوق ادا کرنے کے بارے میں اتنی زیادہ وصیت کی کہ حضورؐ کے خیال میں یہ آیا کہ شاید ہمسایہ اتنا ہی قریبی ہوتا ہے جتنے وہ رشتے دار جو ترکے کے وارث بن جاتے ہیں اور شاید ہمسائے کو بھی ترکے کا وارث بنا دیا جائے۔ اب اگرچہ اسلامی شریعت میں ہمسائے کو ترکے کا وارث تو نہیں بنایا گیا تاہم حضورؐ کے اس فرمان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہمسایوں کے حقوق کا ادا کیا جانا بے حد ضروری ہے۔

۱۱۸

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں بہترین دوست وہ لوگ ہیں جو اپنے دوستوں کے لیے بہترین ہیں اور اللہ کے ہاں بہترین ہمسائے وہ ہیں جو اپنے ہمسایوں کے لیے بہترین ہیں۔ (ترمذی بحوالۂ مشکوٰۃ)

تشریح: ہمسائگت کے لحاظ سے بہتر ہونا یہی ہوتا ہے کہ انسان اپنے ہمسایوں سے اچھا سلوک کرے۔ اگر کسی انسان میں اور بہت سی خوبیاں ہوں مگر وہ ہمسایوں کو ستاتا ہو۔ تو اپنی تمام خوبیوں کے باوجود وہ بُرا ہمسایہ ہے اور بُرا ہمسایہ اپنے ہمسائے سے زیادہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

کیونکہ ہمسائے کی تو زندگی خراب کرتا ہے۔ مگر اپنی آخرت خراب کر لیتا ہے۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں ایک روایت بیان کی ہے کہ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، فلاں عورت کی نماز، روزے اور خیرات کی کثرت کا بہت چرچا ہے مگر وہ اپنی زبان سے اپنے ہمسایوں کو اذیت دیتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ آگ میں جائے گی۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ، فلاں عورت کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ کم روزے رکھتی ہے اور کم خیرات کرتی ہے اور کم نمازیں پڑھتی ہے۔ وہ (بس) پنیر کے ٹکڑے خیرات کرتی ہے۔ مگر وہ اپنی زبان سے اپنے ہمسایوں کو دکھ نہیں دیتی۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ جنت میں جائے گی۔

(۱۱۹)

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے مسلمان عورتو، کوئی ہمسائی کسی ہمسائی کیلئے (تحفے کو) حقیر نہ سمجھے اچاہے (وہ تحفہ) بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری)

تشریح:۔ ہمسائے سے حسن سلوک کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اُسے تحفہ بھیجا جائے۔ تحفے کے معاملے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُسے قیمتی ہونا چاہیئے، حالانکہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تحفہ ضرور بیش قیمت ہی ہو۔ اپنی استطاعت کے مطابق جیسا تحفہ بھی انسان دے سکے دینا چاہیئے کیونکہ اس کا اصل مقصد دلوں میں باہمی الفت پیدا کرنا ہے نہ کہ اپنی امارت کا اظہار۔ اس لیے نہ تحفہ دینے والے کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ کوئی قیمتی شے ہو تو تحفہ دوں۔ معمولی شے کیا دوں اور نہ تحفہ لینے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ تحفہ دینے والے کے دل کی محبت کی طرف نگاہ کرنے کے بجائے تحفے کی قیمت،

کا اندازہ لگانا شروع کر دے۔

۱۲۰

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے فرمایا کہ اے ابوذر، جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ رکھ اور اپنے ہمسایوں کی خبر گیری کر۔ (مسلم)

تشریح :۔ مراد یہ ہے کہ شوربے میں پانی زیادہ ڈال لو تاکہ اس کی مقدار بڑھ جائے اور پھر اس میں سے اپنے ہمسائے کو بھی سالن بھیجو۔ جو کچھ حضورؐ کی مراد ہے وہ یہی ہے کہ ہمسائے کا دھیان رکھا جائے کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں اور اگر ممکن ہو تو اسے وہ چیز مہیا کر دی جائے۔ امام بیہقی نے اپنی تالیف شعب الایمان میں ایک حدیث بیان کی ہے جس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلمؐ کو فرماتے سنا کہ وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہوتا ہے۔

۱۲۱

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، میرے دو ہمسائے ہیں تو میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔ (بخاری)

تشریح :۔ حضرت عائشہؓ کے بیان سے محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت انہوں نے ایک ہی تحفہ بھیجنا تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے دونوں ہمسایوں میں سے اس

ہمسائے کو زیادہ مستحق قرار دیا جس کا دروازہ زیادہ قریب تھا۔ اگرچہ تحفہ کے حقدار دونوں ہی تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رشتے داری کی طرح ہمسائگت میں بھی قُرب کو پیش نظر رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ یعنی جس ہمسائے کا دروازہ زیادہ قریب ہے وہ حسنِ سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔

۱۲۲

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کے لیے ان کے گھر والوں میں ایک بکری ذبح کی گئی۔ جب وہ تشریف لائے تو فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے ہمارے یہودی ہمسائے کو (گوشت کا) تحفہ بھیجا ہے؟ کیا تم لوگوں نے ہمارے یہودی ہمسائے کو (گوشت کا) تحفہ بھیجا ہے؟ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جبریلؑ مجھے ہمسائے کے معاملے میں برابر وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ ہمسائے کو وارث بنا دیں گے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ ہمسائے کو تحفہ بھیجنے اور اس کے حقوق کا خیال رکھنے کے معاملے میں اس کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کو بھی نظر انداز کیا جائے گا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کا ہمسایہ یہودی تھا مگر انہوں نے خاص طور پر دریافت فرمایا کہ کیا اسے گوشت کا تحفہ بھیجا گیا ہے مراد یہ تھی کہ اُسے گوشت کا تحفہ بھیجا جانا چاہیئے۔ کیونکہ جبریلؑ نے حضورؐ کو ہمسائے کے حقوق کے بارے میں خاص طور پر تاکید فرمائی ہے۔

۱۲۴

حضرت ابو شریح سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں عرض کیا گیا کہ کون یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جس کا ہمسایہ اس کی ضرر رسانیوں سے مامون نہ ہو۔ (بخاری)

تشریح:۔ گھر کے قریب ہونے کے باعث جہاں ہمسائے کو یہ مواقع حاصل ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ہمسائے سے حسن سلوک کر سکے وہاں اسے ضرر پہنچانے کے مواقع بھی دوسرے لوگوں سے زیادہ حاصل ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ہمسایوں پر ایک دوسرے کے راز فاش ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کے عیب کھل جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے گھروں کی اندرونی بے اتفاقی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اب اگر کوئی ہمسایہ بدباطن ہو گا تو وہ بہت آسانی سے اپنے ہمسائے کو معاشرے میں بدنام کر دے گا۔ ایسے ہی بعض لوگ اپنی عمارت کو ہمسائے کی عمارت سے اونچا کر کے اور وقت بے وقت اس کے گھر میں جھانکتے رہنے سے اسے تکلیف پہنچاتے ہیں اور اس کے گھر کے راستے کو تنگ کر کے اُسے پریشان کرتے ہیں۔ بعض ہمسائے جھگڑالو اور غصیلے ہونے کے باعث ذرا ذرا سی بات پر ہمسایوں کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیتے ہیں۔ بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ ایک ہمسایہ طاقت ور اور صاحب اقتدار ہوتا ہے اور دوسرا کمزور اور بے اختیار، ایسی صورت میں اگر وہ با اقتدار ساتھ ہی بد باطن بھی ہو تو وہ اپنے کمزور ہمسائے کی زندگی اجیرن کر دیتا ہے۔ غرضیکہ دکھ دینے کے ہزار طریقے ہوتے ہیں اور اگر کوئی شخص ہمسائگت کے حقوق کا دھیان رکھنا ضروری نہ سمجھے گا۔ اور ہمسایوں کو دکھ دینے پر تل جائے گا۔ تو اُسے ہزار مواقع ایسے ملتے رہیں گے جن کے

ذریعے وہ ہمسایوں کا جینا حرام کر دے گا۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ ایسا شخص مومن نہیں اور اپنے اس فرمان کو زور بخشنے کے لیے اور مؤکد کرنے کے لیے آپؐ نے ساتھ خدا کی قسم کھائی اور اس فرمان کو تین دفعہ دہرایا۔

مشکوٰۃ المصابیح میں امام احمدؒ اور امام بیہقیؒ کے حوالے سے ایک روایت بیان ہوئی ہے جس کے آخر میں یہی مضمون بیان ہوا ہے:

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق (بھی اسی طرح) تقسیم کئے ہیں جس طرح تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کئے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اس کو (بھی) دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو (بھی) دیتا ہے جس سے محبت نہیں کرتا۔ لیکن دین اسی کو عطا فرماتا ہے جس سے محبت رکھتا ہے پس جس کو اس نے دین عطا کر دیا اس سے اس نے محبت کی۔ اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں بن سکتا جب تک اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے امن میں نہ ہو۔

۱۲۴

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ہمسائے کی شکایت کی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جا اور صبر کر، وہ شخص پھر دو مرتبہ یا تین مرتبہ آیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ جا اور اپنا سامان راستے میں ڈال دے چنانچہ اس نے اپنا سامان راستے میں ڈال دیا (گویا وہ اس گھر کو چھوڑ کر جا رہا تھا) لوگ اس سے (اس کا سبب) پوچھنے لگے تو وہ انہیں اپنی بات بتانے لگا کہ اس طرح ہمسائے

نے تنگ کر رکھا ہے) اس پر لوگ اس کے ہمسائے کو لعن طعن کرنے لگے (اور بد دعا دینے لگے) کہ خدا اُسے ایسا کرے اور ایسا کرے۔ پھر اُس کا ہمسایہ اس کے پاس آیا اور اُس سے کہا کہ (چل گھر) واپس لوٹ جا (اب) تو مجھ سے کوئی ایسی بات نہیں دیکھے گا جو تجھے ناپسند ہو۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ حضورؐ پہلے تو اس ہمسائے کے ہاتھوں ستائے ہوئے شخص کو صبر کی تلقین فرماتے رہے مگر جب وہ بار بار شکایت لے کر آیا تو پھر اُسے ایک ایسا طریقہ بتایا جس سے لوگوں کو خبر ہوگئی کہ ہمسایہ اُسے ستا رہا ہے۔ اور جب لوگوں نے اس ستانے والے کو لعنت ملامت شروع کی تو پھر وہ اپنے کیئے پر شرمندہ ہوا۔ اور آگے سے نہ ستانے کا وعدہ کر لیا۔ ہمسایوں کو ستانا ان گناہوں میں سے ہے جن سے انسان معاشرے میں بھی بدنام ہو جاتا ہے اور اپنی آخرت بھی خراب کرتا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں امام احمدؒ کے حوالے سے ایک روایت بیان ہوئی ہے کہ

حضرت عقبہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے دو جھگڑنے والے (جن کا معاملہ فیصلے کے لیے پیش ہوگا) دو ہمسائے ہوں گے۔

باب ۳

حکمرانوں اور رعایا کے باہمی حقوق

کسی علاقے کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لیے اور علاقے میں رہنے والے باشندوں کی جان، مال، عزت اور دین کو اندرونی اور بیرونی خطرات کے مقابلے میں محفوظ رکھنے کے لیے اور لوگوں کی انواع و اقسام کی ضروریات کے پورا ہونے کا بندوبست کرنے کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ وہاں ایک مضبوط حکومت قائم کی جائے جو ان تمام امور کو سرانجام دینے کی ذمہ دار ہو۔ اب یہ تو ظاہر ہی ہے کہ یہ حکومت اپنے ان مشکل کاموں کو اسی صورت میں اچھی طرح سرانجام دے سکے گی جب اسے اختیارات حاصل ہوں اور جب عوام اس کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اس کے احکام کی اطاعت بھی کریں۔ مگر دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب کسی شخص یا اشخاص کو بہت زیادہ اختیارات مل جائیں تو پھر اس بات کا خدشہ بھی موجود ہوتا ہے کہ وہ ان اختیارات سے غلط کام لینا شروع کر دے۔ یعنی ان کے ذریعے ناجائز ذاتی فائدے حاصل

کرنے کی طرف مائل ہو جائے۔ یا ان کے بل پر اپنے زیر اختیار لوگوں پر ظلم وستم کرنا اور ان کے حقوق تلف کرنا شروع کر دے۔ لہٰذا اسلام میں حکمرانوں اور رعایا دونوں کے لیے حقوق و فرائض قائم کر دیئے گئے ہیں اور دونوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اپنے فرائض ادا کریں جس سے باہمی حقوق خود بخود ہی ادا ہوتے رہیں گے۔ اسلامی علاقے کی رعایا کا کچھ حصہ غیر مسلم بھی ہو سکتا ہے جنہیں ذمی کہا جاتا ہے۔ ان ذمیوں کے بھی حقوق قائم کئے گئے ہیں اور اسلامی حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کے حقوق ادا کرے۔ ایسے ہی مسلم رعایا کا بھی فرض ہے کہ ان غیر مسلموں کو اسلام نے جو حقوق دے رکھے ہیں انہیں پورے طور پر نگاہ میں رکھیں اور غیر مسلموں کے معاملے میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے خلاف جاتا ہو۔

حکمرانوں کے حقوق :

حکمرانی درحقیقت رعایا کی خدمت کا نام ہے۔ عربی زبان کا ایک مقولہ ہے "سیدُ القومِ خادِمُھُم" یعنی قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے۔ جو حکمران اپنی اس اصل حیثیت کو یاد رکھیں گے وہ حکمرانی کے ساتھ ملے ہوئے اختیارات سے اس طور پر کام لیں گے کہ ان کا فرض منصبی یعنی خدمت قوم بہتر سے بہتر طور پر سر انجام دیا جا سکے۔ انہیں یاد ہو گا کہ اختیارات ان کی ذات کے فائدے کا ذریعہ نہیں بلکہ قوم کی خدمت کرنے اور انہیں فائدے پہنچانے کا ذریعہ ہیں اور قوم کے فائدے کے لئے دی ہوئی چیز کو جب وہ اپنی ذات کے فائدے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیں گے تو لازماً ان اصل حقداروں کو نقصان پہنچے گا جنہیں فائدہ پہنچانے کے لیے یہ چیز انہیں دی گئی تھی۔ پھر جب وہ اختیارات سے ذاتی فائدے حاصل کر کے اصل حقداروں کو نقصان پہنچائیں گے۔ تو کل خدا کے ہاں سخت قسم کی رسوائی اور عذاب کا شکار نہ

ہوں گے۔

اس کے برعکس جن حکمرانوں کو حکمرانی اور اختیارات کا نشہ چڑھ جاتا ہے اور وہ حکمرانی کو اپنا ذاتی کمال اور اختیارات کو ذاتی فوائد کے حصول اور عوام کو بے جا طور پر دبانے اور ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کا ذریعہ سمجھ لیتے ہیں تو پھر وہ اپنی اصل حیثیت کو بالکل بھول جاتے ہیں اور جب وہ اپنی اصل حیثیت کو بھول جاتے ہیں تو پھر وہ اس علاقے کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں جس کے وہ حکمران ہوتے ہیں اور ان باشندوں کے حقوق بھی تلف کرتے ہیں جن کی خدمت ہی کے لیے انہیں حکمرانی اور اختیارات دیئے گئے ہوتے ہیں۔ اسی غلطی نے دنیا میں مطلق العنان بادشاہ اور شہنشاہ پیدا کیے جنہوں نے عوام کے خزانے کو باپ کی جائیداد سمجھ کر اپنی مرضی سے بے دریغ لٹایا۔ اور اپنی سلطنتوں کو وسیع و عریض کرنے کے لیے ایسی جنگیں لڑیں جن میں لاکھوں کروڑوں انسانوں کی جانیں بے کار ضائع ہوئیں۔ ان بادشاہوں کی تلوّن مزاجی کا یہ عالم تھا کہ ذرا سا غصہ آیا تو بے دریغ بے گناہوں کے سر قلم کر دیئے اور مہربانی کرنے پہ آئے تو قاتلوں اور خونیوں کو بھی معاف کر دیا۔ مختصر یہ کہ اپنی مرضی کو قانون کا درجہ دے دیا۔

واضح رہے کہ اسلام میں ایسی مطلق العنان حکمرانی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام میں حکمران کی مرضی قانون نہیں ہوتی، نہ سلطنت کا خزانہ اس کی ذاتی ملکیت ہوتا ہے، نہ وہ صرف زمین حاصل کرنے کے لیے جنگ کر کے لوگوں کی جانوں کو تلف کر سکتا ہے، نہ وہ صرف اپنے غصے کے باعث کسی کی جان لے سکتا ہے اور نہ وہ صرف اپنی مرضی سے کسی قاتل کو معاف کر سکتا ہے۔ بلکہ اسلام میں حکمران کا فرض منصبی یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے خدا کے قانون کو نافذ کرے، اشاعت دین کے لیے کوشش جاری رکھے، اسلامی سلطنت کو بیرونی اور اندرونی خطرات سے محفوظ کرنے کی سعی کرتا رہے اور اسلامی سلطنت کے باشندوں کی دینی اور دنیاوی

ضروریات کو پورا کرنے کے بندوبست میں مصروف رہے۔ وہ صحیح معنوں میں رعایا کا خیرخواہ اور خدمت گزار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ان کے لیے ایسے بندوبست کرنے کی سعی میں مصروف رہتا ہے جس سے ان کی دنیا بھی سدھرے اور انہیں آخرت کی کامیابی بھی حاصل ہو لہٰذا اس کا یہ حق ہے کہ رعایا:

۱۔ ہر جائز امر میں اس کی پوری پوری اطاعت کرے۔
۲۔ خیرخواہی کے ساتھ اس سے تعاون کرے۔
۳۔ اُسے اچھی نصیحت کرتی رہے اور
۴۔ بغیر کسی شرعی عُذر کے اس کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرے۔

(۱۲۵)

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا آپؐ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے اور اپنی پانچ نمازیں پڑھتے رہو اور اپنے مہینے کے روزے رکھتے رہو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور جب (امیر) تمہیں حکم دے تو اس کی اطاعت کرو۔ تو اپنے رب کی جنّت میں داخل ہوگے۔ (ترمذی)

تشریح: امر کا مطلب ہے حکم اور امیر وہ ہے جو حکم دینے کا مجاز ہو یعنی سردار، سربراہ، حکمران وغیرہ۔ سلطنت کا حکمران امیر کہلائے گا۔ فوج کا سپہ سالار فوج کا امیر ہوگا، صوبے کا گورنر اس صوبے میں امیر ہوگا۔ وغیرہ۔ امیر کی اطاعت کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ نظم وضبط قائم رہے اور معاملات حسن وخوبی کے ساتھ طے پاتے رہیں۔ اگر ایک سربراہ کے احکام ماننے کے بجائے ہر انسان اپنی مرضی کو چلانے کی کوشش کرے گا تو نظم وضبط خراب ہو جائے گا اور عام ابتری پھیل جائے گی لہٰذا اس بات کی

تاکید فرمائی گئی ہے کہ سربراہ کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی کا رویہ اختیار نہ کیا جائے یہاں چند باتیں ذہن نشین کر لینی ضروری ہیں کہ امیر سے مراد مسلمان امیر ہے اور اس کی اطاعت بھی جائز امور میں کی جائے گی ناجائز میں نہیں کی جائے گی۔ مثلاً اگر کوئی امیر حکم دے کہ خودکشی کر لو۔ یا نماز نہ پڑھو تو اس معاملے میں اسکی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ البتہ جائز احکام کا ماننا نہایت ضروری ہے اور امیر کے جائز احکام کی نافرمانی کرنے والا گنہگار ہوگا۔

۱۲۶

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (مسلم)

تشریح: نبیؐ کی اطاعت یا نبیؐ کی نافرمانی کرنا اس لیے اللہ کی اطاعت کرنا یا اللہ کی نافرمانی کرنا ہے کہ نبیؐ جو کچھ کہتا ہے خدا کے حکم سے کہتا ہے۔ آگے حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ

"جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"

تو اس فرمان سے حضورؐ کی مراد اطاعت امیر پر بہت زور دینا ہے جو شخص امیر کے جائز حکم کی نافرمانی کرے اُسے پتہ ہونا چاہیئے کہ وہ حضورؐ کی نافرمانی کر رہا ہے۔

۱۲۷

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حاکم کی بات) سنو اور اس کی اطاعت کرو چاہے تم پر ایک حبشی غلام ہی کو حاکم بنا دیا جائے جس کا سر ایسا ہو گویا منقیٰ ہے۔ (بخاری)

تشریح: یعنی جو شخص حاکم ہو وہ حق رکھتا ہے کہ اس کے ماتحت اس کی بات مانیں چاہے وہ حبشی غلام ہو اور چاہے اس کی ظاہری شکل و صورت کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس کی اطاعت اس بنا پر ہوتی ہے کہ وہ سربراہ ہے اور رعایا کے امور کو سرانجام دینے کا ذمہ دار ہے، لہٰذا اگر اس کی اطاعت نہ کی جائے گی تو وہ اپنا کام حسن و خوبی سے انجام نہیں دے سکے گا۔ اس کی اس حیثیت کے مقابلے میں اس کا آزاد یا غلام ہونا یا اس کا کم صورت ہونا اہمیت نہیں رکھتا یہی مضمون ذیل کی احادیث میں بھی بیان ہوا ہے۔

۱۲۸

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے (حاکم کی بات) سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کی چاہے (وہ حاکم) ہاتھ پاؤں کٹا غلام ہی کیوں نہ ہو۔ (مسلم)

۱۲۹

ام الحصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں نے رسول خدا صلی

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا۔ میں نے آپ کو جمرۃ العقبۃ کو کنکریاں مارتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ لوٹے تو آپ اپنی سواری پر تھے اور حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہؓ آپ کے ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر چل رہے تھے اور دوسرے نے آپ کے سر کے اوپر اپنا کپڑا تانا ہوا تھا تاکہ آپ سورج (کی تپش) سے محفوظ رہیں۔ ام الحصینؓ بتاتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتیں فرمائیں۔ پھر میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ اگر ایک اعضاء کٹا غلام بھی تم پر امیر بنایا جائے جو تمہیں اللہ کی کتاب کے احکام کے مطابق لے کر چلے تو اس کی بات بھی سنو اور اطاعت کرو (اس حدیث کے ایک راوی یحییٰ بن حصین جو حضرت ام الحصینؓ کے پوتے تھے بیان کرتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ حضرت ام الحصینؓ نے کالا بھی فرمایا (یعنی اگر ایک اعضاء کٹا کالا غلام بھی تم پر امیر بنایا جائے تو اس کی بات بھی سنو اور اس کی اطاعت کرو) (مسلم)

۱۳۰

ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ (اپنے عہد میں) ایک عورت کے پاس سے گزرے جسے کوڑھ کی بیماری تھی اور وہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ اے خدا کی کنیز، لوگوں کو اذیت نہ دے (اپنی اس بیماری کے ساتھ جب تو لوگوں کے درمیان چلتی پھرتی ہے تو انہیں اذیت ہوتی ہے) کاش تو اپنے گھر بیٹھتی (اس عورت نے ان کے حکم کی تعمیل کی) اور وہ گھر بیٹھ گئی اس کے بعد (جب حضرت عمرؓ وفات پا گئے تو) ایک شخص اس عورت کے پاس سے گزرا اور اس نے اس سے کہا کہ جنہوں نے تجھے (باہر نکلنے سے) منع کیا تھا وہ وفات پا گئے ہیں۔ پس اب تو نکل آ۔

اس پر اس عورت نے اس سے کہا کہ میں ایسی نہیں ہوں کہ ان کی زندگی میں تو ان کی اطاعت کروں اور جب وہ وفات پا جائیں تو ان کی نافرمانی کروں (موطا)

۱۳۱

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ میں (مقام) ربذہ سے گزرا تو حضرت ابوذرؓ سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ اس جگہ کیسے آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں شام (کے علاقے) میں تھا کہ میرا اور (حاکم دمشق) امیر معاویہؓ کا اس آیت کے بارے میں باہم اختلاف ہو گیا۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

(یعنی جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے)

امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا کہ یہ ہمارے اور اہل کتاب (دونوں) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس پر میرے اور ان کے درمیان (جھگڑا) ہو گیا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو میری شکایت لکھ بھیجی۔ پس حضرت عثمانؓ نے مجھے لکھا کہ آپ مدینہ منورہ آ جائیں۔ چنانچہ میں مدینے آ گیا۔ تو لوگ اس کثرت سے میرے پاس آنے لگے گویا انہوں نے اس سے پہلے مجھے دیکھا ہوا ہی نہیں تھا۔ میں نے حضرت عثمانؓ سے اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو (مدینے کے) قریب ہی کہیں گوشہ نشین ہو جائیں۔ پس اس وجہ سے میں اس مقام پر آ بسا ہوں۔ اور اگر مجھ پر کوئی حبشی بھی امیر بنا یا جاتا تو میں اس کی بات بھی سنتا اور اطاعت

کرتا۔ (بخاری)

تشریح: یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے عہد کا ہے اُن کے فرمانے پر حضرت ابوذرؓ شام سے مدینہ منورہ آ گئے اور انہیں کے کہنے پر ربذہ کے مقام پر جا کر رہنے لگے۔ اس لیے انہوں نے فرمایا کہ کوئی حبشی بھی امیر بنایا جاتا تو میں اس کی بھی سنتا اور اطاعت کرتا۔ امیر معاویہؓ حضرت عثمانؓ کی طرف سے دمشق کے حاکم تھے۔ یہ آیت جس کے بارے میں حضرت ابوذرؓ اور امیر معاویہؓ کا باہم اختلاف ہوا۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۳۴ ہے۔ اس کا پورا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک سزا کی خوشخبری دے دو۔"

(۱۳۲)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اپنے حاکم کی کوئی بات ناپسند ہو تو اسے صبر کرنا چاہیئے کیونکہ جو حاکم کی اطاعت سے ایک بالشت بھی باہر ہوا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (بخاری)

تشریح:۔ حاکم جن لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے عموماً وہ بہت سے ہوتے ہیں اور انسانوں کی طبائع میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔ کوئی حاکم بھی ایسا طرز عمل اختیار نہیں کر سکتا جو اس کی رعایا کے ایک ایک فرد کو پسند آ جائے ہر حکم جو وہ حاکم دے گا کسی کو پسند آئے گا کسی کو نہیں آئے گا۔ اب اگر ہر فرد کو اس بات کی اجازت دے دی جائے کہ حاکم کی جو بات اسے ناپسند ہو اس کی اطاعت نہ کرے تو پھر تو علاقے میں ایک عام گڑبڑ مچ جائے گی۔

لہٰذا حضورؐ کا فرمان ہے کہ اگر حاکم کی کوئی بات کسی شخص کو ناپسند ہو تو وہ صبر سے کام لے اور حاکم کی ذرا سی بھی نافرمانی نہ کرے۔ کیونکہ جس نے حاکم کی ذرا سی بھی نافرمانی کی وہ جاہلیت کی موت مرا۔

۱۳۲

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دستہ فوج (کسی طرف) بھیجا اور ایک انصاری کو اس پر امیر مقرر فرمایا اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ امیر کی اطاعت کریں (ایک دن) امیر کو اہل لشکر پر غصہ آگیا اور اس نے کہا کہ کیا رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم نہیں دیا ہے کہ تم لوگوں کو میری اطاعت کرنی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں (ضرور دیا ہے) امیر نے کہا کہ میں تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ لکڑیاں جمع کرو اور آگ جلاؤ اور پھر اس میں داخل ہو جاؤ۔ لہٰذا اہل لشکر نے لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلائی۔ پھر جب (اس میں) داخل ہونے کا ارادہ کیا تو کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ان میں سے کسی نے کہا کہ آگ ہی سے بچنے کے لیے تو ہم نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی اختیار کی تھی۔ تو کیا پھر ہم آگ میں داخل ہو جائیں۔ وہ اسی سوچ بچار میں تھے کہ آگ بجھ گئی اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر جب یہ لوگ واپس آئے تو) رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی بھی نہ نکلتے (اور حضورؐ نے واضح فرمایا کہ امیر کی) اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے۔ (بخاری)

تشریح:۔ یہاں اطاعت امیر و لے حکم کا ایک خاص پہلو واضح فرمایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اطاعت صرف جائز کاموں میں ہوگی ناجائز میں نہیں ہوگی۔

ان امیر نے یہ سمجھا کہ حضورؐ نے جوان لوگوں کو میری اطاعت کرنے کا حکم فرمایا ہے تو اب میں جو کچھ بھی کہوں انہیں اطاعت کرنی ہوگی۔ لہٰذا انہوں نے ایک ایسا حکم دے دیا جو ناجائز تھا۔ پھر جب یہ بات حضورؐ تک پہنچی تو حضورؐ نے وضاحت فرمائی کہ امیر کی اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہوتی ہے۔ گناہ کے کاموں میں نہیں ہوتی۔

۱۳۴

نافع، حضرت عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان آدمی پر واجب ہے کہ (امیر کی بات) سنے اور اطاعت کرے اس بات میں بھی جو پسند ہو اور اس میں بھی جو ناپسند ہو۔ بشرطیکہ اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے اور اگر اُسے (امیر کی طرف سے) کسی گناہ کا حکم دیا جائے تو پھر نہ اس کی بات سننی ہے اور نہ اس کی اطاعت کرنی ہے۔ (بخاری)

۱۳۵

وائل بن حُجرؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر ہم پر ایسے حاکم ہوں کہ ہمیں تو ہمارا حق نہ دیں مگر ہم سے اپنا حق مانگیں تو آپؐ کا کیا خیال ہے (کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ جب اس شخص نے حضورؐ سے یہ سوال کیا تو) میں نے حضورؐ کو فرماتے سُنا کہ (وہ حاکم جو جائز حکم تمہیں دیں اُسے) سُنو اور اطاعت کرو۔ کیونکہ ان کی ذمہ داری وہ ہے جو اُن پر ڈالی گئی ہے اور تمہاری ذمہ داری وہ

ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ مراد یہ ہے کہ اگر حاکم تمہیں تمہارا حق نہ دیں تو بھی علاقے کے نظم ونسق اور بہتری کی خاطر تمہیں جائز امور میں ان کی اطاعت کرنی چاہیئے اور اگر وہ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے اور تمہیں تمہارا حق نہیں دیتے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم بھی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرو اور جائز امور میں ان کی اطاعت چھوڑ دو۔ وہ اپنی ذمہ داری کے معاملے میں خدا کے آگے جواب دہ ہیں اور تم اپنی ذمہ داری کے معاملے میں خدا کے آگے جواب دہ ہو۔ اگر وہ غلط کام کرتے ہیں تو تم غلط کام نہ کرو۔

۱۳۶

حضرت تمیم داریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی (کا نام) ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کس کی (خیر خواہی) حضورؐ نے فرمایا کہ خدا کی اور خدا کی کتاب کی اور خدا کے رسولؐ کی اور مسلمانوں کے حاکموں کی اور عام مسلمانوں کی۔ (مسلم)

تشریح: امام نوویؒ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث بہت عظیم الشان ہے اور اس پر اسلام کا دارومدار ہے۔ ابو سلیمان خطابیؒ نے اس کی تشریح کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ خیر خواہی ایک جامع لفظ ہے جس کا مطلب ہر قسم کی بھلائیوں کو جمع کرنا ہے۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اسے تمام عیبوں سے پاک سمجھا جائے۔ اللہ کی کتاب کی خیر خواہی یہ ہے کہ پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے اور کسی قسم کی گستاخی سرزد نہ ہو اور خدا کے رسولؐ کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی رسالت کی تصدیق کی جائے اور جو

دین وہ لے کر آئے ہیں اُس کا ایک ایک حرف مانا جائے ۔ اور مسلمانوں کے حاکموں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ہر حق معاملے میں ان کی امداد کی جائے ۔ اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ تمام دینوی اور اخروی مصلحتیں انہیں بتا دی جائیں اور ہر ایک معاملے میں انہیں اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے۔

یہ جو فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے حاکموں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ہر حق معاملے میں ان کی امداد کی جائے ۔ تو حاکموں کی امداد کا طریقہ یہی ہے کہ ان کے جائز احکام کی اطاعت کی جائے ۔ دل میں ان کے لیئے خیر خواہی ہو اور ملک و ملت کے فائدے کے لیے جو جو ٹھیک اور درست پالیسیاں وہ بنائیں اور احکام نافذ کرنا چاہیں ان میں حتی الامکان ان کے ساتھ تعاون کیا جائے اور حسب استطاعت انہیں امداد بہم پہنچائی جائے ۔

۱۴۷

ابو صالح بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تین باتوں پر تم سے خوش ہوتا ہے اور تین باتوں پر تم سے ناراض ہوتا ہے (ایک) وہ تم سے (اس بات پر) خوش ہوتا ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ۔ اور (دوسرے اس بات پر) کہ تم اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو ۔ اور (تیسرے اس بات پر) کہ تم (اچھی) نصیحت کرو اُسے جسے خدا نے تمہارا معاملہ سونپا ہے (یعنی اپنے حکمران کو تاکہ وہ برائی سے بچے اور بھلائی پر عمل کرے) اور اللہ تمہارے ساتھ ناراض ہوتا ہے بہت زیادہ باتیں کرنے پر اور مال ضائع کرنے پر اور کثرت سے سوال کرنے پر۔

(موطا)

تشریح : حاکم بہر حال انسان ہوتے ہیں اور ان سے غلطیاں بھی سرزد

ہوسکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس بات کا امکان بھی موجود ہوتا ہے کہ نیک نیتی ہی سے وہ کوئی ایسی پالیسی بنائیں یا ایسے احکام دیں جن میں ملک و ملت کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ لہٰذا عوام پر یہ بھی حکمرانوں کا ایک حق ہے کہ عوام انہیں اچھی نصیحت کرتے رہیں اور مناسب طریقے سے انہیں ان کی غلطیوں پر ٹوکتے رہیں۔ یہ نصیحت ممکن ہو تو زبانی بھی کی جاسکتی ہے جیسے کہ صلحائے امت حکمرانوں کو نصیحتیں کیا کرتے تھے۔ اسکے علاوہ پریس بھی اس کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔ اخبارات کے اداریوں کے ذریعے حکمرانوں کے غلط اقدامات پر تنقید اور انہیں اچھے اور مفید کاموں کی تلقین کی جاسکتی ہے اس کے علاوہ اور بھی کئی مناسب ذرائع اختیار کئے جاسکتے ہیں۔

۱۳۸

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر ایسے امیر مقرر کیے جائیں گے جنہیں تم اچھے کام کرتے بھی دیکھو گے اور برے کام کرتے بھی۔ پس جس نے (ان برے کاموں کو) برا جانا وہ (گناہ سے) بچ گیا اور جس نے (ان کے برے کاموں کا) انکار کیا وہ (عذاب سے) محفوظ رہا لیکن جس نے (ان برے کاموں پر) خوشی ظاہر کی اور (ان کی) پیروی کی (وہ گنہگار ہوگیا اور عذاب کا مستحق ٹھہرا) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم ایسے امیروں سے جنگ نہ کریں۔ حضور نے فرمایا کہ نہیں، جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں ان کے ساتھ جنگ نہ کرنا۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہاں اس مسئلے کا ایک خاص پہلو پیش کیا گیا ہے جو بہت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ یہ کہ ہر جائز کام میں امراء کی اطاعت تو ضروری ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حاکموں کی ہر اچھی بری بات کو اچھا ہی سمجھا جائے

اور اس کی پیروی کی جائے۔ اگر حکمران بُرے کام کریں تو عوام کے لیے ضروری ہے کہ ان کے بُرے کاموں کو بُرا سمجھیں۔ ایسے ہی حاکموں کے خلافِ شرع احکام کی تعمیل بھی نہیں کی جائے گی۔ جو لوگ حاکموں کی بُری باتوں پر خوش ہوں گے اور ان کے بُرے اعمال کی پیروی کریں گے وہ گنہگار ہوں گے تاہم یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ خدا اور خدا کے رسولؐ نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ عوام بغیر سوچے سمجھے اور بغیر شرعی حجّت تمام ہوئے حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ جب لوگوں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا ہم ایسے حکمرانوں کے خلاف جنگ نہ کریں جو اچھائیوں کے ساتھ برائیاں بھی کرتے ہوں تو حضورؐ نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ جنگ نہ کرنا جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ عوام کا حکومت کے خلاف جنگ شروع کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اس سے ملک میں بے انتہا فتنہ و فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ بہت زیادہ قتل و خون ہوتا ہے۔ اور عام ابتری پھیل جاتی ہے۔ اس قسم کے حالات میں بسا اوقات شریر عناصر کو بھی کھل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور عجب نہیں کہ جنگ کرنے والوں نے تو اچھے مقاصد کے لیے جنگ شروع کی ہو مگر اس سے جو عام گڑبڑ مچ جائے اس کے باعث انجام کار طاقت ان لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائے جن کے مقاصد اچھے نہ ہوں۔ اور یہ بھی بعید از قیاس نہیں کہ وہ لوگ پہلی حکومت سے زیادہ بُرے ثابت ہوں۔ لہٰذا اس بات کی اجازت نہیں کہ عوام فوراً تلواریں لے کر حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں جب تک کہ حکومت انتہا نہ کر دے۔ انتہا سے یہ مراد ہے کہ حکومت ایسے کام کرنے شروع کر دے کہ شریعت کی رو سے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا جواز ثابت ہو جائے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حکمران اچھے اور بُرے دونوں طرح کے کام کرتے ہوں تو عوام میں اتنی دینی سوجھ بوجھ اور دینی فراست ہونی چاہیئے

کہ وہ حکومت کے اچھے اور بُرے کاموں میں تمیز کر سکیں پھر جائز احکام کی تو ضرور اطاعت کریں مگر ناجائز اور بُرے کاموں کو بُرا ہی سمجھیں۔ نہ ان پر خوشی کا اظہار کریں نہ ان کی پیروی کریں۔ تاہم حکومت کے خلاف فوراً اٹھ نہ کھڑے ہوں بلکہ صبر سے کام لیں اور جو ذرائع میسّر ہوں ان سے کام لے کر اپنی حکومت کو اچھی نصیحت کرتے رہیں۔

۱۲۹

حضرت عوفؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے حاکموں میں سے اچھے (حاکم) وہ ہیں کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت رکھتے ہیں اور وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو اور تمہارے حاکموں میں سے بُرے (حاکم) وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہیں اور تم ان پر لعنت بھیجتے ہو اور وہ تم پر لعنت بھیجتے ہیں۔ آپؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسولؐ اللہ، ہم ایسے حاکموں کو تلوار سے کیوں نہ دفع کر دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں جب تک وہ تمہارے درمیان نماز کو قائم کرتے رہیں (ان کے خلاف تلوار نہ اٹھانا) اور جب تم اپنے حاکموں میں کوئی ایسی شے دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو ان کے اس عمل کو بُرا سمجھو مگر (جائز امور میں) ان کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچنا۔ (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث میں حضورؐ نے اچھے حاکموں اور بُرے حاکموں کی پہچان بیان فرمائی ہے۔ جو حاکم رعایا کے حقوق احساس فرض شناسی کے ساتھ ادا کریں۔ اور ان کے معاملے میں عدل وانصاف کا رویہ اختیار کئے رکھیں لوگوں کو ان سے غیر ارادی طور پر محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ ان کے لیے دعا کرتے ہیں ہمہ دم ان کے مطیع رہتے ہیں اور ایسے حالات میں حکمران بھی رعایا سے محبت

رکھتے اور ان کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ لہٰذا جب کسی ملک میں یہ صورت حالات ہو تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ حکمران اچھے ہیں اور اگر اس کے برعکس صورت ہو کہ حکمران اور رعایا دونوں ایک دوسرے سے بغض رکھتے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے ہوں تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ حکمران برے ہیں کیونکہ اچھے حکمرانوں کے خلاف نہ عوام کے دل میں بغض ہوتا ہے نہ وہ ان پر لعنت کرتے ہیں تاہم ایسے حکمران بھی جب تک رعایا کے درمیان نماز کو قائم کرتے رہیں حضورؐ نے ان کے خلاف تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دی کیونکہ عوام کا حکومت کے خلاف تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہونا بہت دور رس نتائج پیدا کر سکتا ہے اور اس دوران میں ملک و ملت کو انتہائی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے جس کی ایک مثال یہی ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑتے دیکھ کر کوئی دشمن ہی حملہ آور ہو جائے گا۔ لہٰذا حکومت کے اعلانیہ کفر کا ارتکاب کرنے اور شرعی جواز حاصل ہوئے بغیر حکومت کے خلاف جنگ چھیڑ دینے کی اجازت نہیں۔ حضورؐ نے تلقین فرمائی ہے کہ حاکموں کی برائیوں کو برا سمجھتے رہو مگر جائز امور میں لازماً ان کی اطاعت کرو۔

۱۴۰

جُنادہ بن ابی اُمیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عُبادہؓ بن صامت کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ وہ بیمار تھے۔ ہم نے کہا کہ اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے ہمیں کوئی حدیث بتائیے جو آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو اللہ تعالیٰ اس کے عوض آپ کو نفع عطا فرمائے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا اور ہم نے آپؐ کی بیعت کی۔ جن باتوں کی آپؐ نے ہم سے بیعت لی ان میں یہ بھی تھی کہ ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں کہ پسندیدگی کی صورت میں بھی اور ناپسندیدگی کی صورت میں بھی اور تنگی کی صورت میں بھی اور آسانی کی صورت میں بھی اور اس صورت میں بھی جب

دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے ہم (حاکم کی بات) سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے اور حکمرانوں سے حکومت کے معاملے میں جھگڑا نہیں کریں گے سوائے اس کے کہ ہم انہیں واضح کفر کا ارتکاب کرتے دیکھیں جس پر اللہ کی طرف سے ہمارے پاس دلیل موجود ہو۔ (بخاری)

تشریح :۔ گزشتہ احادیث میں بیان کی ہوئی بات اس حدیث میں زیادہ وضاحت سے بیان فرمادی گئی ہے حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے متوقع نقصانات کے پیش نظر اس بات کی اجازت نہیں کہ عوام حجت تمام ہوئے بغیر حکومت کے خلاف جنگ چھیڑ دیں۔ اور ملک کو عام فتنہ و فساد کے جنگل میں دے دیں جس کے متعلق یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا انجام اچھا ہوگا یا برا۔ البتہ جب حکومت واضح کفر کا ارتکاب شروع کر دے اور شریعت کی طرف سے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا جواز مل جائے تو ایسی ضرر رساں حکومت کے خلاف جنگ شروع کی جا سکتی ہے۔

رعایا کے حقوق

اسلام نے حقوق و فرائض کے نظام میں ہر جگہ فریقین کے درمیان عادلانہ توازن قائم کر رکھا ہے لہٰذا جہاں ایک طرف حکمرانوں کو یہ حقوق حاصل ہیں کہ عوام ان کی اطاعت کریں، ان کے خیر خواہ رہیں اور بغیر عذر شرعی کے ان کے خلاف تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہوں، وہاں رعایا کو بھی یہ حقوق حاصل ہیں ہیں کہ۔

۱۔ ان پر نیک اور اہل حکمران مقرر ہوں جو فرض شناسی کے ساتھ ان کی خدمت کریں۔

۲۔ ان کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔

۳۔ ان کے درمیان انصاف قائم رکھا جائے۔

۴۔ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آیا جائے۔
۵۔ حکمران اپنے اور رعایا کے درمیان ایسا پردہ نہ رکھیں کہ رعایا اپنی حاجات ان تک پہنچا نہ سکے۔
۶۔ رعایا کو ظلم وستم کا نشانہ نہ بنایا جائے۔
۷۔ ان کے معاملے میں دغابازی سے کام نہ لیا جائے۔

(۱۴۱)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر حاکم میں دو اندرونی قوتیں ہوتی ہیں۔ ایک اندرونی قوت وہ ہے جو اسے نیکی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے اور دوسری اندرونی قوت وہ ہے جو بگاڑ میں کمی نہیں کرتی (یعنی برے اعمال کا حکم دیتی رہتی ہے) پس جو شخص اس دوسری اندرونی قوت کی شر سے بچ گیا وہ (سب بلاؤں سے) بچ گیا۔ اور ان دونوں اندرونی قوتوں میں سے جو قوت بھی حاکم پر غالب آجاتی ہے وہ اسی کے مطابق ہوجاتا ہے۔ (النسائی)

تشریح: یعنی جس حاکم پر نیکی کا حکم دینے والی قوت غالب آجاتی ہے وہ نیک ہوجاتا ہے اور جس پر برائی کا حکم دینے والی قوت غالب آجاتی ہے وہ برا ہوجاتا ہے۔ بظاہر اس حدیث میں صرف یہ بیان ہوا ہے کہ کس طرح دونوں اندرونی قوتوں میں سے کوئی ایک قوت غالب آکر حکمران کو نیک یا بد بنا دیتی ہے مگر درپردہ اس میں تلقین بھی موجود ہے کہ اچھا حکمران وہی ہے جو اس قوت کو دبائے "جو بگاڑ میں کمی نہیں کرتی"۔ عوام کا پہلا حق یہی ہے کہ ان کے حکمران نیک خدا ترس اور فرض شناس ہوں کیونکہ جو حکمران نیکی کی طرف میلان رکھتا ہوگا، خدا سے ڈرتا ہوگا اور فرض کو پہچانتا

ہو گا اُس سے توقع ہے کہ وہ عوام کی جان مال اور عزت کی کما حقہ حفاظت کرنے میں کوشاں رہے گا۔ اور ان کے حقوق ادا کرنے کو اپنا فرض منصبی سمجھے گا۔ اس کے علاوہ حکمرانوں کا نیک خدا ترس اور فرض شناس ہونا عوام کے دین و اخلاق پر بھی گہرا اثر ڈالتا ہے اور وہ بھی انہیں اچھے اوصاف کو اپنانے لگتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ لوگ اپنے حکمرانوں کے طور طریقے اختیار کرنے کے بہت شائق ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں ایک مقولہ ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقے پر چلا کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر حکمران فاسق و فاجر اور نا اہل ہوں گے تو رعایا کو دو طرح سے نقصان پہنچے گا۔ ایک تو ایسے خدا سے بے خوف لوگ رعایا کے پورے حقوق ادا نہیں کریں گے اور دوسرے ان کا بُرا نمونہ رعایا کو بُرائی کی طرف لے جائے گا۔ سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن میں ایک لمبی حدیث بیان ہوئی ہے جس میں حضورؐ کا یہ فرمان بھی ملتا ہے کہ "اپنی امت کے معاملے میں مَیں جن سے ڈرتا ہوں وہ گمراہ حاکم ہیں" یعنی مجھے خوف ہے کہ گمراہ حاکم میری امت کو نقصان پہنچائیں گے۔ لہٰذا حاکم کا راہ راست پر ہونا امت کے فائدے کی بات ہے اور مسلمان رعایا کا حق ہے کہ ان کے حاکم سیدھی راہ پر چلیں تاکہ حکومت قائم کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ پورا ہوتا رہے۔

۱۴۲

عبدالرحمٰن بن شماسہ بیان کرتے ہیں کہ میں کوئی بات پوچھنے کے لیے حضرت عائشہ رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے فرمایا کہ تم کن لوگوں میں سے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اہل مصر میں سے ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ تمہاری ان جنگوں میں تمہارے امیر کا تم لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک رہا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہم نے

ان میں کوئی ناپسندیدہ بات نہیں دیکھی۔ اگر ہم میں سے کسی کا اونٹ مرجاتا ہے تو وہ اُسے اونٹ دے دیتے ہیں۔ اور (اگر کسی کا) غلام مرجاتا ہے تو وہ اسے غلام دے دیتے ہیں اور (اگر کسی کو) خرچ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اسے خرچ عطا کر دیتے ہیں۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس نے میرے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کا جو حال کیا وہ مجھے اس بات سے نہیں روکتا کہ میں وہ بات تمہیں بتا دُوں جو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اس گھر میں سنی تھی۔ (حضورؐ نے فرمایا تھا کہ) اے خدا جو شخص میری اُمت کے کسی معاملے کا حاکم ہو اور پھر وہ ان پر سختی کرے تو تُو بھی اس پر سختی کر اور جو شخص میری اُمت کے کسی معاملے کا حاکم ہو اور وہ ان پر نرمی کرے تو تو بھی اس پر نرمی کر۔ (مسلم)

تشریح:۔ جس حاکم کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے عبدالرحمٰن بن شماسہ سے پوچھا تھا کہ "تمہارے امیر کا تم لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک رہا ہے۔ اُس حاکم نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھ بہت زیادہ سختی کی تھی لیکن چونکہ عبدالرحمٰن بن شماسہ نے بتایا کہ امیر کا ہم لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک رہا ہے اس لیے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اگرچہ تمہارے امیر نے میرے بھائی کا بُرا حال کیا تھا تاہم میں تمہیں یہ حدیث بتائے دیتی ہوں کہ حضورؐ نے یہ دعا کی تھی کہ جو شخص میری امت کے کسی معاملے کا حاکم ہو اور پھر وہ ان پر سختی کرے تو تو بھی اس پر سختی کر اور اگر وہ ان پر نرمی کرے تو تُو بھی اس پر نرمی کر۔ حضورؐ کی اس دعا سے واضح ہو جاتا ہے کہ رعایا کا ایک حق حکمران پر یہ بھی ہے کہ وہ ان کے ساتھ سختی کرنے سے پرہیز کرے اور نرمی کا سلوک روا رکھے۔ حکمران کی بے جا سختی رعایا کے دل میں اس کی محبت پیدا نہیں ہونے دیتی اور لوگوں میں بددلی اور نفرت پھیلا کر آخر حکومت کی کمزوری کا ذریعہ ثابت ہوتی

ہے۔ اس کے برعکس حکمران کی مناسب نرمی اور شفقت رعایا کے دل میں اس کے لیے محبت اور احترام پیدا کر کے بالآخر اس کی حکومت کی مضبوطی کا باعث بنتی ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ نرمی سے مراد اعتدال والی نرمی ہے۔ یہ نہیں کہ حکمران مجرموں، قاتلوں اور فساد پھیلانے والوں کے ساتھ بھی نرمی کرنا شروع کر دے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ جرم بڑھ جائیں اور رعایا کی اکثریت جو عموماً شریف اور سکون پسند لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے پریشانیوں اور دکھوں کا شکار ہو جائے۔ جرائم پیشہ لوگوں پر نرمی کرنا اور انہیں شرعی سزائیں نہ دینا مملکت کی غالب اکثریت پر سختی کرنا ہے۔

۱۴۳

یحیٰی بن سعید بیان کرتے ہیں کہ (قحط سالی کے زمانے میں ایک دن) حضرت عمرؓ بن خطاب گھی کے ساتھ روٹی کھا رہے تھے۔ آپ نے ایک بدو کو بھی کھانے کی دعوت دی۔ وہ کھانے لگا اور پیالے کے ساتھ جو گھی کا میل کچیل لگا تھا اسے بھی لقمے کے ساتھ لگانے لگا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے فرمایا کہ (ایسے معلوم ہوتا ہے) گویا کہ تجھے کچھ میسر نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے اتنی اور اتنی مدت سے گھی نہیں کھایا نہ اس کے ساتھ کھاتے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ (اتنے متاثر ہوئے کہ آپ) نے فرمایا کہ اب میں بھی اس وقت تک گھی نہیں کھاؤں گا جب تک کہ لوگوں کی حالت پہلے جیسی نہ ہو جائے۔ (موطا)

تشریح:۔ پہلے جیسی حالت ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ قحط دور ہو کر دوبارہ ارزانی ہو جائے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب ایک مثالی حکمران

سمجھے۔ ایک مثالی حکمران کی دوسری صفات کے علاوہ عوام کی ہمدردی اور خیر خواہی بھی ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ رات کو بھیس بدل کر پھرتے تھے اور لوگوں کی تکالیف معلوم کرنے کی اور ان کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ان دین شناس حکمرانوں نے جس طرح عوام کے ساتھ حسن سلوک کیا اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ عوام کا یہ بھی ایک حق ہے کہ حکمران ان کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں اور ان سے حسنِ سلوک روا رکھیں۔

(۱۴۴)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام (یعنی امیر، حکمران) ڈھال ہوتا ہے جس کے پیچھے سے لڑا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے بچاؤ کیا جاتا ہے اگر وہ خوف خدا کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکم دے گا اور انصاف کرے گا تو اس کے عوض اسے ثواب ملے گا اور اگر وہ اس کے سوا کرے گا (یعنی خدا سے نڈر ہو کر بے انصافی پر مبنی حکم دے گا) تو اس سے اس پر وبال ہو گا۔ (مسلم)

تشریح: ڈھال کے ذریعے انسان اپنے آپ کو دشمن کے واروں سے بچاتا ہے۔ حکمران کے ڈھال ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ رعایا کی جان، مال، عزت، دین غرضکہ ہر قیمتی شے کی حفاظت کا بندوبست کرے۔ باہر کے دشمنوں سے بھی اور اندر کے فسادیوں سے بھی۔ "حکمران کے پیچھے سے لڑا جاتا ہے" کا مطلب یہ ہے کہ حکمران کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جنگ کی جاتی ہے، باہر کے دشمنوں سے بھی اور اندر کے مفسدہ پرداز لوگوں سے بھی جو لوگوں کی جان، مال اور عزت پر حملے کرتے ہیں اور دین میں خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے

ہیں حکمران کے ذریعے بچاؤ کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ حکمران لوگوں کے تمام اقسام کی خرابیوں سے بچے رہنے کے بندوبست کرنے کا ذمہ دار ہے۔ آخر میں حکمران کا فرضِ منصبی یہ بتایا گیا ہے کہ وہ خدا کے خوف کو پیش نظر رکھتے ہوئے انصاف سے کام لے۔ اس حدیث کی روشنی میں رعایا کے حقوق حکمرانوں پر یہ ہیں کہ حکمران رعایا کو تمام اقسام کے بیرونی اور اندرونی فتنوں اور تکلیفوں سے بچانے کی سعی کرتے رہیں اور ان کے درمیان انصاف قائم کریں تاکہ رعایا کے ہر فرد کو اس کا حق ملتا رہے۔

۱۴۵

ابو فراس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے افسر اس لیے نہیں بھیجے کہ وہ تمہارے جسموں کو ماریں اور نہ اس لیے (بھیجے ہیں) کہ وہ تمہارے مال (ظلماً) لے لیں۔ پس جس کے ساتھ ایسا (ظلم) کیا گیا ہو وہ میرے سامنے مقدمہ پیش کرے میں اسے ظلم کرنے والے سے بدلہ دلاؤں گا۔ (حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر ان کے ایک افسر) حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا کہ اگر کسی شخص نے اپنی رعایا میں سے کسی کو ادب سکھانے کے لیے سزا دی ہو تو کیا آپ اس سے بھی اسے بدلہ دلوائیں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اسے بدلہ دلواؤں گا۔ کیونکہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے اپنی ذاتِ مبارک سے بھی بدلہ دلوایا۔

(ابوداؤد)

تشریح:۔ حضورؐ کے اپنی ذاتِ مبارک سے بدلہ دلوانے کی ایک مثال سننِ ابی داؤد کتاب الدیات میں ہے جو ذیل میں درج ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شے تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور آپؐ کے اوپر اوندھا گر گیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی سے جو آپؐ کے پاس تھی اسے کچو کا دیا تو اس کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے فرمایا کہ آ اور مجھ سے بدلہ لے لے۔ (مگر) اس شخص نے عرض کیا کہ (نہیں) یا رسولؐ اللہ میں نے آپؐ کو معاف کیا۔

حدیث ۱۴۵ کی روشنی میں عوام کے یہ حقوق ثابت ہیں کہ حکمران نہ انہیں بے وجہ سزا دیں اور نہ ان کی کوئی شے ظلماً لیں۔ اگر سرکاری عہدیدار بے وجہ لوگوں کو اس قسم کی تکلیفیں دیں گے تو وہ خود ماخوذ ہوں گے۔

۱۴۶

حضرت کعبؓ بن عُجرَہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف نکلے اور ہم نو آدمی تھے۔ پس حضورؐ نے فرمایا کہ (دیکھو) میرے بعد حاکم ہوں گے جس نے ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور ظلم کرنے میں ان کی امداد کی وہ مجھ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا نہ میں اس سے علاقہ رکھتا ہوں نہ وہ حوض (کوثر) پر میرے پاس آئے گا۔ اور جس نے ان (حاکموں) کے جھوٹ کو سچ نہ کہا اور انہیں ظلم کرتے ہیں امداد نہ دی تو وہ میرا ہے اور میں اُس کا ہوں اور وہ حوض (کوثر) پر میرے پاس آئے گا (نسائی)

تشریح :۔ حکومت کی خوشامد کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ حاکم جھوٹ بولیں تو اسے بھی سچ کہتے ہیں اور وہ عوام پر ظلم کریں تو اس میں ان کی امداد کرتے ہیں۔ حضورؐ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرما دیا کہ ایسے لوگوں کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں نہ میرا ان سے تعلق ہے اور نہ ایسے لوگ

قیامت کے دن حوض کوثر پر میرے پاس آسکیں گے۔ خوشامد کرنا بذاتِ خود بہت بُری بات ہے۔ پھر ظالموں کی خوشامد کرنا اور ظلم کرنے میں ان کا مددگار ہونا تو حد درجہ کمینگی اور گناہ کا کام ہے۔ عوام میں سے جو لوگ ظالم حکمرانوں کے مددگار بن کر اپنے بہن بھائیوں پر ظلم کرواتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آخرت کی سزا کے علاوہ وہ دنیا میں بھی اس کی سزا پا سکتے ہیں جس کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہی ظالم حکمران کل کو کسی چھوٹی موٹی بات پر ناراض ہو کر خود ان امداد کرنے والوں ہی کو اپنے ظلم کا نشانہ بنالیں۔ یا جب وہ ظالم حکمران عوام کے غیظ و غضب کا شکار ہوں تو ساتھ ہی ان کے یہ مددگار بھی بجا طور پر سزا کے شکار ہو جائیں۔ بہر حال عوام کا یہ حق ہے کہ حکمران نہ تو خود انہیں اپنے مظالم کا نشانہ بنائیں اور نہ عوام کے ایک حصے کو اس سلسلے میں اپنے مددگار بنائیں۔ اور عوام میں سے جو لوگ اس کمینگی کا ارتکاب کریں گے کہ حکمرانوں کی خوشامد کرنے کے لیے ان کے جھوٹ کو بھی سچ کہیں گے اور حکومت کے مددگار بن کر اپنے بہن بھائیوں پر ظلم کروائیں گے انہیں حضورؐ سے تعلق ٹوٹ جانے کی ذلت اور رسوائی برداشت کرنا ہوگی اور اس کے علاوہ وہ اور کتنی شدید سزا کے مستحق سمجھے جائیں گے۔ اس کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

۱۴۷

(یزید کا گورنر) عبید اللہ بن زیاد: (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی) حضرت مُعقل بن یسار مزنیؓ کے مرض الموت کے دوران ان کی عیادت کے لیے گیا۔ حضرت مُعقلؓ نے اس سے فرمایا کہ میں تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اگر میں جانتا کہ میں ا[illegible]

کچھ دیر اور زندہ رہوں گا تو تجھے (یہ حدیث) نہ بتاتا (سنو کہ) میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس بندے کو خدا نے کسی رعیت کا نگران بنایا ہو اور وہ اس حالت میں مرے کہ اپنی رعیت کے ساتھ دغابازی کر رہا ہو تو خدا اس پر جنت حرام کر دے گا۔ (مسلم)

تشریح:۔ یہ عبیداللہ بن زیاد یزید کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اسی کی گورنری کے دوران واقعۂ کربلا پیش آیا تھا جس میں حضورؐ کے پیارے نواسے حضرت امام حسینؓ اور آپ کے بہت سے اہل خاندان شہید ہوئے تھے اس حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ حضرت معقلؓ بن یسار کو اپنی حالت سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب میں زندہ نہیں رہوں گا۔ اس لیے انہوں نے چاہا کہ عبیداللہ بن زیاد کو ایک ایسی حدیث سنا دیں جس میں اس کے لیے نصیحت بھی اس امید پر کہ شاید کہ وہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے رک جائے۔

حدیث کی تشریح میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حکمران کا اپنی رعیت سے دغابازی کرنا یہ ہے کہ اس کے دل میں تو کچھ اور ارادے ہوں مگر لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اظہار اور ہی باتوں کا کرے۔ اور اس کی وہ پالیسیاں جو درحقیقت لوگوں کے فائدے کی نہ ہوں انہیں لوگوں کے سامنے اس طرح دل کش بنا کر پیش کرے گویا کہ وہ ان کے فائدے کی ہیں مختصراً یہ کہ عوام کو دھوکا اور فریب دے۔ حالانکہ اس کا فرض منصبی یہ ہے کہ ایسے کام کرے جن میں عوام کے دینی اور دنیاوی فوائد ہوں اور عوام کے ساتھ خلوص سے پیش آئے۔

(۱۴۸)

ابومریم اَزدی بیان کرتے ہیں کہ میں امیر معاویہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے (مجھے خوش آمدید کہتے ہوئے) کہا کہ اے ابو فلاں تیرا ہمارے پاس آنا

بہت خوب ہے ۔ یہ ایک کلمہ ہے جو اہل عرب (آنے والے کی آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے) بولتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے ایک حدیث سنی ہے جو میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کاموں میں سے کسی کام کا حاکم (منتظم بنایا (یعنی کوئی خدمت سرانجام دینے کے لیئے اسے کوئی عہدہ عطا کیا) اور پھر اس نے لوگوں کے اور اپنے درمیان ایسا پردہ رکھا کہ لوگ اپنی حاجتیں ضرورتیں اور محتاجی اس تک لاکر اس کی امداد حاصل نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے اور اس کے درمیان ایسا پردہ رکھے گا کہ وہ اپنی حاجتیں، ضرورتیں اور محتاجی اللہ تعالیٰ تک لاکر اس کی امداد حاصل نہ کر سکے گا۔ (یہ حدیث سن کر) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص مقرر کر دیا جو لوگوں کی حاجتیں معلوم کرتا اور انہیں پورا کرنے کا بندوبست کرتا تھا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اس حدیث سے عوام کے اس حق پر روشنی پڑتی ہے کہ حکمران کو ایسا نظام رکھنا چاہیئے کہ عوام کے اور اس کے درمیان کوئی ایسا پردہ نہ ہو کہ لوگ اپنی شکایات اور حاجات اس تک لے جا ہی نہ سکیں جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے عوام کی شکایات اور حاجات کو حکمرانوں تک پہنچانے کا ایک ذریعہ پریس بھی ہے۔ لہذا حکمرانوں کو حتی الامکان پریس کو آزاد رکھنا چاہیئے تاکہ انہیں عوام کے جذبات، خیالات، مشکلات، حاجات اور خواہشات کا علم ہوتا رہے۔ اس کے علاوہ آج کل کی کثرت آبادی کو پیش نظر رکھتے ہوئے عوام کی حاجات اور شکایات کے حکمرانوں تک پہنچ جانے کے اور بھی جو جو ذرائع ممکن ہوں ان سے کام لیا جانا چاہیئے کیونکہ رعایا کا یہ حق ہے کہ جو اشخاص ان کے حاکم بن کر بیٹھے ہوئے ہیں وہ ان کی رسائی سے دور نہ ہوں۔ حکمران بننے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ رعایا کی

ضروریات اور مشکلات کا علم رکھیں اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے اور مشکلات کو دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں ۔

ذمی کے حقوق

اسلامی سلطنت میں رہنے والے غیر مسلم لوگ ذمی یا اہل الذمہ کہلاتے ہیں۔ انہیں اہل الذمہ یا ذمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسلامی حکومت نے ان کی جان مال اور عزت کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہوتا ہے ۔ جہاں تک ان کے مذہب کا تعلق ہوتا ہے انہیں اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ۔ اسلام انکے سامنے پیش تو کیا جائے گا مگر اسے قبول کرنا یا نہ کرنا ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا ۔ اسلامی سلطنت کی مسلمان آبادی کی طرح ذمیوں کو بھی معین حقوق حاصل ہیں ۔ مثلا

۱۔ اسلامی حکومت ان کی جان ، مال اور عزت کی حفاظت کرے گی ۔
۲۔ ان کے ساتھ کیے ہوئے قول و قرار کو پورا کیا جائے گا ۔
۳۔ ان سے وہ کام نہیں لیا جائے گا جو ان کی طاقت سے باہر ہو ۔ وغیرہ

(۱۴۹)

حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی ذمی کو قتل کیا بغیر اس کے کہ (اس ذمی نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس سے) اس کا خون حلال ہو گیا ہو تو اللہ اس (قتل کرنے والے) پر جنت حرام کر دے گا (اس طرح کہ) وہ اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا ۔ (نسائی)

تشریح :۔ یعنی ذمی نے کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جس کی سزا قتل ہو اور

پھر بھی اُسے قتل کر دیا گیا ہو تو اُس قتل کرنے والے پر اللہ تعالیٰ اس طرح جنت حرام کر دے گا کہ وہ اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ اسلامی حکومت نے اس ذمی کی جان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا تھا، لہٰذا جس نے اُسے قتل کیا اس نے ایک بے گناہ کو قتل کرنے کے علاوہ اسلامی حکومت کے ذمے کی بھی بے حرمتی کی، لہٰذا وہ شدید طور پر گنہگار ہے۔

۱۵۰

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ذمیوں میں سے کسی شخص کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے آ رہی ہو گی۔ (نسائی)

۱۵۱

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے کچھ بیٹے اپنے ان باپوں سے بیان کرتے ہیں جن کے نسب ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگاہ رہو کہ جس نے کسی ذمی پر ظلم کیا یا اس کے حق میں کوئی کمی کی یا اس کی طاقت سے بڑھ کر اسے تکلیف دی یا اس کی خوشی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو میں قیامت کے دن (اس ذمی کا حامی بن کر اس ظلم و زیادتی کرنے والے کے ساتھ بحث کروں گا۔ اور اس) بحث میں دلیل سے اس پر غالب آؤں گا۔ (ابوداؤد)

تشریح :۔ بحث میں دلیل سے اس پر غالب آؤں گا سے مراد یہ ہے

کہ اُسے قصور وار ثابت کروں گا۔ طاقت سے بڑھ کر تکلیف دینا یہ ہے کہ اسے کسی ایسی بات کے لیئے مجبور کیا جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔

۱۵۲

عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ (جو کوئی میرے بعد خلیفہ بنے) میں اُسے ان لوگوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں جن کا ذمہ خدا اور خدا کے رسول صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے لیا ہوا ہے کہ ان کے ساتھ کیے جانے والے قول و قرار کو پورا کیا جائے اور ان کی جانب سے لڑا جائے اور انہیں صرف اسی کام کی تکلیف دی جائے جسے کرنے کی وہ طاقت رکھتے ہوں۔ (بخاری)

باب ۴

بیوہ، یتیم، مزدور کے حقوق

بیوہ عورتیں ان ساتھیوں سے محروم ہو چکی ہوتی ہیں جنہوں نے انہیں حفاظت بہم پہنچائی تھی، اُن کی ضروریات کو پورا کرنا تھا اور زندگی کی ہر نرمی سختی میں ان کی رفاقت کا حق ادا کرنا تھا شوہر کی وفات بیوی کے لیے صرف جذباتی صدمہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس کی ضروریات بھی متاثر ہوتی ہیں اور عورت جو انسان ہونے کے باعث روح اور مادے کا مرکب ہے شوہر سے محروم ہو جانے کے باعث جذباتی اور مادی دونوں اقسام کے اندوہ اور اندیشوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایسے حالات بھی عام دیکھے جا سکتے ہیں جہاں میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے اور زندگی بے اتفاقی میں کٹ رہی تھی مگر جب شوہر قضائے الٰہی سے وفات پا گیا تو بیوی غم والم سے چور ہو گئی۔ کیونکہ اس انسان کے اکی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے کے بعد اسے پتہ چلا کہ اس کے مخصوص معیار پر پورا نہ اُترنے کے باوجود اس کے شوہر نے اس کی اور اس

بچوں کی کتنی ذمہ داریاں سنبھالی ہوئی تھیں۔ غرض کہ شوہر کی وفات بیوی کے لیے ایک بہت بڑا جذباتی اور مادی غم ہے اور جو عورت اس غم کے چنگل میں پھنس جائے معاشرے کا فرض ہے کہ اس کے غم و الم کو کم کرنے اور اسے احساس محرومی سے بچانے کے لیے جو کچھ بھی کر سکتا ہے کرے۔

اسلام نے بیوہ عورت کو جو حقوق عطا فرمائے ہیں ان میں

۱۔ پہلا حق تو یہی ہے کہ اس کے لیے یہی بات پسند کی گئی ہے کہ وہ بیوگی کی غمناک، پریشان کن اور غیر محفوظ زندگی سے نکل آئے اور نکاح ثانی کر کے دوبارہ سہاگنوں کی آرام دہ اور محفوظ زندگی اختیار کر لے۔

۲۔ پھر نکاح ثانی کے معاملے میں وہ رشتہ منتخب کرنے اور قبول کرنے کے معاملے میں کلی طور پر خود مختار ہے نہ اس کے سابق شوہر کے رشتے دار اور نہ اس کے اپنے رشتے دار کوئی بھی اسے اس معاملے میں اپنی رائے کا پابند کرنے کا حق نہیں رکھتا اس کے لیے ولی کی اجازت یا ولی کی رائے کی پابندی ضروری نہیں۔

۳۔ بیوہ جب اپنی عدت کے چار مہینے اور دس دن گزار لے تو پھر اسے اس بات کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ شرعی حدود کے اندر آرائش و زیبائش سے کام لے۔ بیوہ کے متعلق یہ سمجھنا کہ اب اسے آرائش نہیں کرنی چاہیئے جاہلانہ خیال ہے اور غیر اسلامی تہذیبوں کی دیکھا دیکھی اختیار کیا گیا ہے۔ ایسے ہی بیوہ عورت کو منحوس سمجھنا بھی حد درجے جاہلانہ بات ہے اور غیر اسلامی، جاہلی تہذیبوں کی نقالی میں اختیار کی گئی ہے۔

۴۔ اگر کوئی بیوہ نیک نیتی سے سمجھتی ہے کہ اس کے اور اس کے بچوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ نکاح ثانی نہ کرے تو اسے اجازت ہے کہ بیوگی کی زندگی ہی اختیار کیے رکھے۔ ایسی صورت میں شرعاً جو رشتے دار اس کی کفالت کا ذمہ دار ہے اس کا فرض ہے کہ اس کی کفالت کرے۔

۵۔ ہر مسلمان کے لیے یہ بات اجر و ثواب کا باعث ہے کہ بیوہ عورتوں سے حسن سلوک کرے، ان کے بگڑے کام بنانے کی سعی کرے اور ان کی عزت کرے۔

۱۵۳

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنواری لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے، جب تک کہ اس سے اجازت نہ لی جائے اور بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے حکم نہ لیا جائے۔
(حضورؐ کی خدمت میں) عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کنواری کی اجازت کیسے ہوگی (وہ تو ہاں کرتے ہوئے شرمائے گی) حضورؐ نے فرمایا کہ جب وہ خاموش رہے (تو اسے اجازت سمجھ لیا جائے) (بخاری)
تشریح: یہاں بیوہ کے لیے جو لفظ "حکم" استعمال کیا گیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ بیوہ اپنے نکاح کے معاملے میں خود مختار ہے، مسلم، کتاب النکاح میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے یعنی وہ اپنا نکاح اپنی مرضی سے کر سکتی ہے۔

۱۵۴

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا (ثواب ملنے کے لحاظ سے) اس شخص کی مانند ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہو یا (اس کی مانند ہے) جو رات بھر کھڑا

عبادت کرتا ہو اور دن بھر روزہ رکھتا ہو۔ (بخاری)

۱۵۵

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کا طریقہ یہ تھا کہ آپؐ) کثرت سے ذکر الٰہی کرتے۔ بے کار باتیں کم کرتے نماز کو لمبا کرتے۔ خطبے کو چھوٹا رکھتے اور اس بات سے نہ شرماتے کہ بیوہ اور مسکین کے ساتھ چلیں اور اس کا کام کر دیں۔ (نسائی)

۱۵۶

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ بن خطاب کے ساتھ بازار کی طرف گیا وہاں حضرت عمرؓ کو ایک جوان عورت ملی اور کہنے لگی کہ اے امیر المومنین، میرا شوہر مرگیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے۔ خدا کی قسم ان کے پاس بکری کا ایک پایہ بھی پکانے کے لیے نہیں ہے اور نہ ان کے پاس کوئی کھیتی ہے نہ دودھ والا جانور۔ مجھے خطرہ ہے کہ قحط انہیں ہلاک کر دے گا۔ اور میں خفاف بن ایماء غفاریؓ کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ (صلح) حدیبیہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا (یہ سن کر) حضرت عمرؓ اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور آگے نہ گئے پھر فرمایا "مرحبا، تمہارا نسب تو میرے نسب سے ملتا ہوا ہے۔" پھر آپ ایک طاقتور اونٹ کی طرف آئے جو گھر میں بندھا ہوا تھا اور اس پر دو بوریاں رکھیں اور انہیں اناج سے بھر دیا اور ان کے درمیان نقدی اور کپڑے رکھ دیئے پھر اس کی رسی عورت کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ اسے لے جاؤ، اس

کے ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اس سے بہتر عطا کر دے گا (اس پر) ایک آدمی نے کہا کہ یا امیر المؤمنین، آپؓ نے تو اس عورت کو بہت دے دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا: تیری ماں تجھے کھوئے، خدا کی قسم، میں نے اس کے باپ اور بھائی کو دیکھا کہ انہوں نے ایک مدت تک ایک قلعے کا محاصرہ کئے رکھا یہاں تک کہ اسے فتح کر لیا (پھر وہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے اور) اس قلعے کی فتح میں مال غنیمت کا جو حصہ ان کا بنتا تھا وہ (انہوں نے شہید ہو جانے کے باعث نہ لیا بلکہ اُسے) ہم نے لیا۔ (بخاری)

تشریح: حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ کیونکہ شہید ہو جانے کے باعث انہوں نے مال غنیمت میں سے وہ حصہ نہ لیا جو وہ زندہ رہنے کی صورت میں لیتے، اس لیے وہ حصہ ہم زندہ رہنے والوں میں بٹ گیا۔ گویا کہ ان کا حصہ ہم نے لیا تو کیا اب ہم اتنے بے حس ہو جائیں کہ ان شہیدوں کی ایک نادار بیٹی بہن کی امداد بھی نہ کریں۔

یتیم کے حقوق:

جس بچے کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں یتیم ہے۔ اور چونکہ یتیم کی حفاظت کرنے والا، اس کی ضروریات پوری کرنے والا اور اسے کما کر کھلانے والا موجود نہیں ہوتا اس لیئے اللہ تعالیٰ نے اس کے خاص حقوق قائم کر رکھے ہیں تاکہ اس کی زندگی میں جو محرومی آگئی ہے اس کی تلافی ہو سکے۔

کلام پاک اور احادیث نبویہ کی روشنی میں یتیم ایک ایسی ہستی ہے جس کی کفالت کرنیوالے نگرانی کرنیوالے اور اس سے حسن سلوک کرنے والے کو بے پناہ اجر کی بشارت دی گئی ہے۔ یتیم غریب بھی ہو سکتا ہے اور امیر بھی، مگر دونوں طرح کے یتیموں کی نگرانی کرنے یا ان سے حسن سلوک کرنے کو بہت بڑا ثواب قرار دیا گیا ہے

اور یتیم کے نگران کو خاص ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ اس کے بارے میں ایسا رویہ اختیار کرے جس میں یتیم کا فائدہ ہو۔

امیر یتیم کے نگران کی ایک تو یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس یتیم کی حفاظت کرے اور اس کے کاموں کا بندوبست کرے اور دوسرے اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ یتیم کے مال کی بھی حفاظت کرے تاکہ اس کے بڑے ہونے تک وہ مال ختم ہی نہ ہو جائے۔ امیر یتیم کے نگران کو تنبیہہ فرمائی گئی ہے کہ وہ یتیم کے مال کو خیانت سے غصب نہ کرے ورنہ وہ بہت بڑے عذاب کا مستحق ہوگا۔ اگر نگران خود صاحب حیثیت ہے تو اُسے یتیم کے مال میں سے کچھ نہیں لینا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ غریب محتاج ہے تو اُسے شریعت کی طرف سے اجازت ہے کہ یتیم کی نگرانی کرنے کے عوض اس کے مال سے مناسب عوضانہ لے لے۔ یتیم کے ساتھ حسن سلوک کو اتنی بڑی نیکی سمجھا گیا ہے کہ بیوہ ماں اگر خود اپنے ہی یتیم بچوں پر خرچ کرے اور ان سے حسن سلوک اور خیر خواہی کرے تو وہ بھی ثواب کی حقدار ہوگی۔ یتیم کے حقوق مختصراً یہ ہیں کہ

۱۔ یتیم اگر مفلس ہے تو اس کی کفالت اور نگرانی کی جائے۔
۲۔ یتیم اگر مالدار ہے تو اس کے مال کی حفاظت کی جائے تاآنکہ وہ خود اُسے سنبھالنے کے قابل ہو جائے اور خود یتیم کی بھی نگرانی کی جائے۔
۳۔ یتیم مفلس ہو یا مالدار ہر دو صورتوں میں اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔
۴۔ یتیم کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے پرہیز کی جائے وغیرہ۔

(۱۵۷)

حضرت سہل بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں

اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپؐ نے انگشت شہادت اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کیا اور ان کے درمیان کچھ کشادگی رکھی۔ (بخاری)

تشریح: چونکہ یہ دونوں انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہیں اس لیے حضورؐ نے ان کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرح میں اور یتیم کا کفیل بھی جنت میں ساتھ ساتھ ہوں گے۔ جنت میں حضورؐ کا ساتھ حاصل ہونا حد درجے اعزاز کی بات ہوگی اور یہ اعزاز اس شخص کو بھی حاصل ہو جائے گا جس نے زندگی میں کسی یتیم کی کفالت کی ہوگی۔

(۱۵۸)

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ (کے اپنے میاں حضرت ابو سلمہؓ سے بچے تھے وہ) فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ، اگر میں ابو سلمہؓ کے بچوں پر خرچ کردوں تو کیا مجھے ثواب ملے گا۔ میں انہیں اس طرح (فقر کی حالت میں) چھوڑ نہیں سکتی کہ وہ میرے ہی بچے ہیں (اس پر) حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں، جو کچھ تو اُن پر خرچ کرے گی تجھے اس کا اجر ملے گا۔ (بخاری)

تشریح: یعنی اپنا ہی بچہ اگر یتیم ہو تو اس کی کفالت کرنا اور اس پر خرچ کرنا بھی اجر و ثواب کا موجب ہوگا۔

(۱۵۹)

(سورۃ النساء آیت ۶ میں فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ "(یتیم کا) جو (سرپرست) مالدار ہو

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ

وہ پرہیز گاری سے کام لے اور جو غریب ہو وہ معروف طریقے سے کھائے")

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (والی آیت) یتیم کے سرپرست کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اس کی نگرانی کرتا ہے اور اس کے مال کی دیکھ بھال کرتا ہے، اگر وہ فقیر ہو تو دستور کے موافق یتیم کے مال میں سے کھالے۔ (بخاری)

تشریح :۔ مندرجہ بالا آیت اور حدیث سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اگر یتیموں کا نگران کوئی مفلس آدمی ہے تو کوئی حرج نہیں اگر وہ مالدار یتیموں کی نگرانی کرنے کی مناسب اجرت لے لے۔ یہ اجرت یتیم کے مال ہی سے لی جائے گی اور اس کے معاملے میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ "مناسب" ہو، اتنی زیادہ نہ ہو کہ یتیم کو نقصان پہنچے۔ یتیم کے مال میں سے ناجائز طور پر کھانا ان گناہوں میں سے ہے جنہیں حضورؐ نے ہلاک کر دینے والے قرار دیا ہے۔ ریاض الصالحین، باب تاکید تحریم مال الیتیم میں بخاری اور مسلم کے حوالے سے ایک حدیث بیان ہوئی ہے جو ذیل میں درج ہے :

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کیا ہیں۔ آپؐ نے فرمایا :

۱۔ خدا کے ساتھ شرک کرنا۔

۲۔ اور جادو،

۳۔ اور اس جان کو قتل کرنا جسے خدا نے محترم قرار دیا ہو سوائے اس کے کہ اسے حق سے قتل کیا جائے۔

۴۔ اور سود کھانا۔

۵۔ اور یتیم کا مال کھانا۔
۶۔ اور کافروں کے مقابلے میں جنگ کرتے ہوئے پیٹھ دکھانا۔
۷۔ اور پاکدامن، مومن، بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔

مندرجہ بالا آیت سے یہ ہدایت بھی ملتی ہے کہ اگر یتیم کا سرپرست مالدار ہو تو اُسے یتیم کی نگرانی کی اُجرت نہیں لینی چاہیئے بلکہ یہ کام صرف خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کرنا چاہیئے۔

۱۶۰

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس سے حسن سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو۔ (ابن ماجہ)

۱۶۱

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اے خدا! میں ان دونوں ناتوانوں (یعنی) یتیم اور عورت کے حق کو حرام کرتا ہوں (یعنی جس نے ان کا حق مارا اس نے حرام کام کیا) (ابن ماجہ)

مزدور کے حقوق:

مُزد اُجرت کو کہا جاتا ہے اور مزدور وہ ہے جو اجرت پر کام کرے۔ جو شخص کسی مزدور سے کام لے اس کا فرض ہے کہ

۱۔ مزدور کو اس کی مزدوری پوری دے اور
۲۔ اُسے اس کی مزدوری دینے میں دیر نہ لگائے ۔

۱۶۲

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن ہوں گا اور جس کا میں دشمن ہوں گا اس پر میں قیامت کے دن غالب آؤں گا (ایک) وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد اور اقرار کیا۔ پھر اس کو توڑ ڈالا (دوسرے) وہ شخص جس نے کسی آزاد شخص کو (غلام بنا کر) بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھائی اور (تیسرے) وہ شخص جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا، پھر اس سے کام تو پورا لیا مگر اس کو اس کی مزدوری پوری نہ دی۔ (ابن ماجہ)

۱۶۳

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قبل اس کے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہو، اُسے اس کی مزدوری دے دو۔ (ابن ماجہ)

باب ۵

عورت کے حقوق

زمانہ جاہلیت کے بارے میں جو تاریخی مواد ملتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کو بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور بیٹی کی پیدائش کو ننگ و عار کی بات سمجھا جاتا تھا۔ بعض قبیلوں میں تو سنگ دلی اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی کہ لڑکی پیدا ہونے پر اُسے زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ بیوی کی حیثیت سے بھی عورتیں گوناگوں پریشانیوں کی شکار رہتی تھیں۔ نکاحوں کی تعداد پر کوئی قید نہ تھی چاہے کوئی مرد ایک ہی وقت میں سو بیویاں رکھے۔ طلاق کے معاملے میں کوئی پابندی نہ تھی۔ چاہے شوہر بیوی کو سو دفعہ طلاق دے اور سو دفعہ رجوع کرے۔ چونکہ کوئی ایسی حد نہ تھی جہاں جا کر رجوع کرنا حرام ہوتا اس لیے بعض خاوند بیویوں کو عمر بھر لٹکائے رکھتے۔
بار بار طلاق دیتے بار بار رجوع کرتے اور اس طرح نہ تو انہیں ڈھنگ سے رکھتے اور نہ آزاد ہی کرتے۔

عورت کے ساتھ بدسلوکی صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ دوسرے علاقوں میں بھی روا رکھی جاتی تھی۔ ہندوستان میں بدھ مت اور جین مت کے پیرو عورت کو اپنی روحانی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ ہندوؤں کے ہاں ستی کی ظالمانہ رسم کا مدتوں رواج رہا۔ یعنی جب شوہر مرتا تو بیوی کو میت کے ساتھ ہی بٹھا کر زندہ جلا دیا جاتا۔ ہندو معاشرے میں جہاں عورت کو نہ بھی جلایا جاتا وہاں بھی بیوہ کو بڑی بھیانک زندگی گزارنا پڑتی۔ اُسے منحوس سمجھا جاتا اور زندگی کی ہر خوشی اس کے لیے حرام سمجھی جاتی۔ ایسے ہی عیسائی پادری عورت اور گناہ کو ایک ہی چیز قرار دیتے تھے۔ اور ایران میں مزدک نے عورت کو مشترک ملکیت قرار دے رکھا تھا۔ غرضکہ عورت کی حالت عام طور پر بڑی خستہ تھی۔ جب پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا آخری پیغام لے کر تشریف لائے تو دوسرے مظلوموں کی طرح اس مظلوم صنف کی بھی دادرسی فرمائی۔

اس جلد کے پہلے باب "افراد خانہ کے باہمی حقوق" میں بیان ہو چکا ہے کہ اسلام نے عورت کو بہ حیثیت ماں بیوی اور بیٹی کے کیا حقوق عطا فرمائے ہیں اس کے بعد باب دوم "رشتے داروں اور ہمسایوں کے حقوق" میں خالہ اور بہن کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی فضیلت بھی بیان کی جا چکی ہے اور پھر باب چہارم میں ان حقوق کا ذکر کیا جا چکا ہے جو عورت کو بہ حیثیت ایک بیوہ کے حاصل ہیں۔ اب یہاں عورت کے مزید حقوق کے بارے میں احادیث پیش کی جا رہی ہیں۔ یہ حقوق حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حسن سلوک۔

۲۔ ضروری کاموں کے لیے باہر نکلنا۔

۳۔ مساجد میں جانا۔

۴۔ مجالس خیر اور جہاد میں شرکت کرنا۔

۵۔ تعلیم و تربیت حاصل کرنا۔

۶۔ نکاح کے معاملے میں رائے دینا وغیرہ۔

بخاری کتاب التفسیر میں سورۃ التحریم کے باب میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس میں ایک جگہ حضرت عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کسی شمار میں نہیں لاتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں نازل کیا جو کچھ کہ نازل کیا۔ اور مقرر فرمایا جو کچھ کہ مقرر فرمایا"

یعنی ان کے بارے میں آیات نازل فرمائیں اور ان کے حقوق مقرر فرمائے اس باب کے آخر میں وہ احادیث بھی بیان کر دی گئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں کن صفات کی حامل عورت پسندیدہ سمجھی جاتی ہے اور کون سی صفات اسے ناپسندیدہ بنا دیتی ہیں۔

حُسنِ سلوک:

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے ایک نمونہ تھے زندگی کے جس پہلو کے بارے میں آپؐ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہی بہترین طرزِ عمل تھا۔ جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے، حضورؐ کی سیرت پاک کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے بارے میں آپؐ کا رویہ ہمیشہ مشفقانہ اور مہربانہ رہا۔ امہات المومنین، بناتِ طاہرات، رشتے دار خواتین اور عام مستورات سب کے ساتھ حضور نہایت نرمی اور مہربانی کا سلوک فرماتے تھے۔

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کا ایک حبشی غلام تھا۔ جسے انجشہ کہا جاتا

وہ حُدی پڑھتا تھا (جس سے اونٹ تیز چلنے لگتے) اس پر آپؐ نے اُسے فرمایا کہ تیری خرابی ہو اے انجشہ، ان شیشوں کو آہستہ لے چل! (بخاری)

تشریح :۔ حدی وہ گیت ہوتا ہے جو ساربان گاتے ہیں تو اونٹ تیز چلنے لگتے ہیں اور شیشوں سے حضورؐ کی مراد وہ خواتین تھیں جو اونٹوں پر سوار تھیں۔ آپؐ نے انجشہ کو ہدایت فرمائی کہ اونٹوں کو تیز نہ چلائیں تاکہ خواتین کو تکلیف نہ ہو۔ خواتین کے لیے "شیشوں" کا لفظ استعمال فرمانا ہی بتا رہا ہے کہ آپؐ ان سے کس درجہ مہربانی کا سلوک فرماتے تھے۔

ضروری کاموں کے لیے باہر نکلنا :

(۱۶۵)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ (ام المؤمنین) حضرت سودہؓ بنت زمعہ رات کے وقت (کسی کام کے لیے) باہر نکلیں تو حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ کر پہچان لیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم، سودہؓ آپ ہم سے چھپ نہیں سکتیں (یعنی ہمیں پتہ چل گیا کہ آپ باہر نکلی ہیں) حضرت سودہؓ لوٹ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ سے اس بات کا ذکر کیا۔ اس وقت حضورؐ میرے حجرے میں شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ اور آپؐ کے ہاتھ میں ایک ہڈی تھی (اس حالت میں) آپؐ پر وحی نازل ہونی شروع ہو گئی اور جب آپؐ سے وحی کی کیفیت دور ہوئی تو آپؐ فرما رہے تھے کہ (اے عورتو) تمہیں اپنے ضروری کاموں کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ (بخاری)

تشریح :۔ حضرت عمرؓ جو خواتین کے باہر جانے کو ناپسند کرتے تھے یہ اُن

کا اپنا طبعی میلان تھا۔ جہاں تک دینی احکام کا تعلق ہے خواتین کو اپنے ضروری کاموں کے لیے باہر جانے کی اجازت ہے۔ جیسے کہ اس حدیث سے بھی واضح ہے۔

مساجد میں جانا :

۱۶۶

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی عورت اس سے (مسجد جانے کی) اجازت مانگے تو وہ اسے مت روکے۔ (بخاری)

تشریح: عورتوں کے لیے مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ اُن کی گھر میں پڑھی جانے والی نماز زیادہ فضیلت رکھتی ہے تاہم اگر وہ مسجد میں جانا چاہیں تو مردوں کو انہیں روکنے کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ اس حدیث اور آئندہ احادیث سے واضح ہے۔ مسجد اسلامی معاشرے کے مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کوئی خاتون اپنے اس مرکز سے تعلق رکھنا چاہتی ہے یعنی وہاں جانے کی خواہش مند ہے تو اسے جانے کا پورا حق ہے۔ گھر کے مردوں کو اسے روکنا نہیں چاہیئے۔

۱۶۷

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ عورتوں کو رات کے وقت مسجد جانے کی اجازت دے دیا کرو۔ (بخاری)

۱۶۸

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی ایک اہلیہ صبح اور عشاء کی نمازوں میں مسجد میں (جاکر) جماعت میں شامل ہوتی تھیں (حضرت عمرؓ ان کا باہر نکلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر وضاحت سے انہیں روکتے بھی نہیں تھے) ان سے کہا گیا کہ آپ کیوں باہر نکلتی ہیں جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ اسے پسند نہیں کرتے اور انہیں اس پر غیرت آتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ مجھے (وضاحت سے) منع نہیں کرتے۔ کہا گیا کہ وہ اس لیے منع نہیں کرتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے کہ خدا کی کنیزوں (یعنی عورتوں) کو خدا کی مساجد میں جانے سے مت روکو۔ (بخاری)

۱۶۹

سالم بن عبداللہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب تمہاری عورتیں تم سے مساجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں وہاں جانے سے مت روکو۔ اس پر (ان کے بیٹے) بلال بن عبداللہؒ نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تو انہیں ضرور روکیں گے (کہ اب حضورؐ کے زمانے جیسا ماحول نہیں رہا۔ عورتوں کے باہر نکلنے سے خرابی ہوگی) سالم بیان کرتے ہیں کہ (یہ بات سن کر) حضرت عبداللہؓ (بن عمرؓ) بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور اُسے اتنی شدت سے بُرا بھلا کہا کہ میں نے کبھی انہیں اس طرح بُرا بھلا کہتے نہیں سُنا تھا۔ اور فرمایا کہ میں تمہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بتا رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ خدا کی قسم ہم انہیں ضرور روکیں گے۔ (مسلم)

تشریح : یعنی جب حضورؐ کا فرمان ہے کہ مت روکو تو پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ خدا کی قسم ہم تو ضرور روکیں گے۔

۱۷۰

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مومن عورتیں صبح کی نماز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں پھر اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس ہوتی تھیں، انہیں کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ (مسلم)

مجالسِ خیر اور جہاد میں شرکت کرنا:

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ خواتین بھلائی کی مجالس میں بھی شرکت کرتی تھیں۔ مثلاً نمازِ عید میں خواتین کے شرکت کرنے کو حضورؐ نے پسند فرمایا بلکہ ہدایت فرمائی کہ خواتین اس میں شرکت کیا کریں اور اجتماعی دعا میں شامل ہوں ایسے ہی قومی کاموں میں سے سب سے بڑا کام خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جہاد کرنا اور اسلامی ریاست کی حفاظت کرنا ہے۔ صحابیاتؓ کے حالاتِ زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ جہاد میں بھی جایا کرتی تھیں اور وہاں مختلف کاموں میں ہاتھ بٹاتی تھیں۔

۱۷۱

حفصہؓ بنت سیرین بیان کرتی ہیں کہ ہم اپنی لڑکیوں کو عید کے دن باہر نکلنے سے منع کیا کرتے تھے۔ ایک عورت آئی جو قصر بنی خلف میں اتری۔ میں اس کے پاس گئی تو اس نے مجھے بتایا کہ میری بہن کا خاوند رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ

غزوات میں شریک ہوا تھا اور میری بہن چھ غزوات میں اس کے ساتھ تھی۔ اس نے بتایا کہ ہم لوگ مریضوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ اور زخمیوں کا علاج کرتے تھے۔ اس نے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو اور اس لیے وہ (عید کے دن) باہر نہ نکلے تو کیا اس میں اسکے لیے کوئی مضائقہ ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی ہمجولی اسے اپنی چادر کا ایک حصہ اوڑھا لے اور عورتوں کو چاہیئے کہ وہ (مجالس) خیر میں شریک ہوں اور مؤمنین کی دعا میں حاضر ہوں۔ حفصہ بیان کرتی ہیں کہ جب (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ) حضرت ام عطیہؓ تشریف لائیں تو میں ان کے پاس گئی اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس کے بارے میں کچھ سنا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں میرے باپ حضورؐ پر فدا ہوں اور (حضرت ام عطیہؓ کی عادت تھی کہ) جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتیں تو یہ ضرور کہتیں کہ میرا باپ آپؐ پر فدا ہو۔ (غرضکہ حضرت ام عطیہؓ نے بتایا کہ) حضورؐ نے فرمایا کہ جوان پردے میں بیٹھنے والی عورتیں باہر نکلیں اور حائضہ عورتیں بھی نکلیں اور (مجالس) خیر اور مومنوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ البتہ حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں میں نے پوچھا کہ کیا حائضہ عورتیں بھی نکلیں تو وہ فرمانے لگیں کہ کیا حائضہ عورتیں عرفات میں اور فلاں فلاں جگہ حاضر نہیں ہوتیں (اس حدیث کے ایک راوی ایوب کو شک ہے کہ آیا حضورؐ نے جوان پردے میں بیٹھنے والی عورتیں فرمایا) یا جوان اور پردے میں بیٹھنے والی عورتیں (فرمایا) (بخاری)

تشریح: حدیث کے آخر میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ راوی ایوب کو شک ہے کہ حضورؐ نے یہ فرمایا یا وہ تو یہ اس لیے ہے کہ راوی لوگ احادیث کے مضمون کے معاملے میں بہت محتاط ہوتے تھے۔ جب انہیں شک پڑ جاتا تھا کہ آیا یہ لفظ استعمال کیا گیا تھا یا وہ تو پھر وہ وضاحت کر دیا کرتے تھے کہ حضورؐ نے یا تو یہ فرمایا تھا یا یہ فرمایا تھا۔ حدیث جن باتوں کی وضاحت کر

رہی ہے وہ یہ ہیں کہ صحابیات جہاد میں شرکت کرتی تھیں اور حضورؐ نے انکے نماز عید میں شریک ہونے کو پسند فرمایا ہے اور گویا اس کی تاکید فرمائی ہے۔

۱۷۲

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم جہاد کرنے تو (میری والدہ) حضرت اُمّ سُلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو جہاد میں ساتھ رکھتے تھے وہ پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کا دوا علاج کرتی تھیں۔ (مسلم)

۱۷۳

حضرت رُبَیّعؓ بنت مُعَوّذ بیان کرتی ہیں کہ ہم (جہاد میں) رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہوتے تھے۔ ہم پانی پلاتے تھے اور زخمیوں کا علاج کرتے تھے اور شہیدوں کو اٹھا کر مدینے لاتے تھے۔ (بخاری)

۱۷۴

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب (جنگ) اُحُد کا دن تھا تو لوگ شکست کھا کر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑ گئے تو میں نے حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ اور حضرت اُمّ سُلیمؓ کو دیکھا کہ وہ دامن اٹھائے ہوئے تھیں۔ میں ان کے پاؤں کی پازیبیں دیکھ رہا تھا۔ وہ پانی کی مشکیں اپنی پشتوں پر لادے لاتیں اور (پیاسے) لوگوں کے مونہوں میں پانی ڈالتیں، پھر واپس لوٹ جاتیں اور مشکیں پانی سے بھرتیں، پھر آتیں اور لوگوں کے مونہوں میں پانی ڈالتیں۔ (بخاری)

۱۷۵

حضرت اُمّ عطیہ رضؓ انصاریہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں سات جہادوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئی تھی۔ میں اہل لشکر کے پیچھے ان کے ڈیرے میں رہتی تھی ان کے لیے کھانا تیار کرتی تھی، زخمیوں کا علاج کرتی تھی اور مریضوں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ (مسلم)

۱۷۶

حضرت ثعلبہ بن ابی مالک بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے خواتین مدینہ میں سے بعض خواتین کے درمیان کچھ چادریں تقسیم فرمائیں اور ایک بہت عمدہ چادر بچ گئی۔ جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ یا امیرالمؤمنین یہ (چادر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (یعنی حضورؐ کی نواسی اور حضرت فاطمہؓ کی صاحبزادی) کو عطا کر دیجئے۔ جو آپ کے نکاح میں ہیں، ان کی مراد اُم کلثوم بنت علیؓ تھیں (جو حضرت عمرؓ کی زوجہ محترمہ تھیں) مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ (حضرت) اُم سلیطؓ اس کی زیادہ حقدار ہیں۔ حضرت اُم سلیطؓ ان انصاری خواتین میں سے تھیں جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت اُم سلیطؓ (جنگ) احد کے دن ہمارے لیے پانی کی مشک اٹھا کر لاتی تھیں (اور ہمیں پانی پلاتی تھیں) (بخاری)

۱۷۷

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ (جنگ) حُنین کے دن (میری والدہ) حضرت

اُمّ سُلیم رضؓ نے ایک خنجر پکڑ لیا۔ یہ خنجر ان کے پاس تھا کہ (ان کے شوہر) حضرت ابو طلحہ رضؓ نے انہیں دیکھا اور (حضورؐ کی خدمت میں) عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ اُمّ سُلیمؓ خنجر لیے ہوئے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ سُلیمؓ سے فرمایا کہ یہ خنجر کیسا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ میں نے اس لیے لیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس سے اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہنسنے لگے۔ (پھر) حضرت اُمّ سلیمؓ نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ ہمارے سوا جو طُلَقَاء (یعنی آزاد کردہ لوگ) ہیں جنہوں نے آپؐ کے مقابلے میں شکست کھائی ہے آپؐ انہیں قتل کر دیجیے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اُمّ سلیمؓ اللہ تعالیٰ کافروں کی شر کے مقابلے میں ہمارے لیے کافی ہو گیا ہے اور اس نے (ہم پر) احسان فرمایا ہے۔ (مسلم)

تشریح: طُلَقَاء کا مطلب ہے وہ لوگ جنہیں آزاد کر دیا گیا ہو۔ جب حضورؐ نے مکہ فتح کر لیا اور کافر بالکل کمزور ہو کر رہ گئے تو حضورؐ نے ان پر احسان فرماتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ اس لیے ان کا نام طُلَقَاء ہوا یعنی آزاد کردہ لوگ۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا تاہم ان کا ایمان ان لوگوں کے مقابلے میں کمزور تھا جنہوں نے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت اُمّ سُلیمؓ نے جو انہیں قتل کرنے کا مشورہ دیا تو اس لیے کہ ان کے خیال میں یہ لوگ منافق تھے اور شکست کھا جانے کے باعث قتل کے مستحق ہو گئے تھے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ چونکہ اللہ نے ہمیں کافروں کی شر سے بچا لیا ہے اور ہم پر احسان فرمایا ہے کہ ہم فتحیاب ہو گئے ہیں اور ان لوگوں نے شکست کھا جانے کے بعد اسلام قبول کر لیا ہے اس لیے انہیں قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔

۱۷۸

حضرت اُمّ حرام رضؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن حضورؐ نے ان کے گھر میں قیلولہ فرمایا۔

پھر آپؐ ہنستے ہوئے بیدار ہو گئے ۔حضرت اُمّ حرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ آپؐ کس بات پر ہنسے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں (خواب میں) اپنی امت کے ایک گروہ کو دیکھ کر خوش ہوا جو سمندر پر اس طرح ہوں گے جیسے بادشاہ تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں (حضرت اُمّ حرامؓ فرماتی ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ دعا کیجیے کہ خدا مجھے ان میں سے کرے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم انہیں میں سے ہو ۔ پھر آپؐ سو گئے اور پھر ہنستے ہوئے بیدار ہو گئے اور اسی طرح دو مرتبہ یا تین مرتبہ فرمایا میں نے (پھر) عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ، دعا کیجیے کہ اللہ مجھے ان میں سے کرے ۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ تم پہلے لوگوں میں سے ہو ۔ پھر حضرت عبادہؓ بن صامت نے حضرت اُمّ حرامؓ سے شادی کرلی اور انہیں ساتھ لے کر جہاد میں گئے ۔ پھر جب حضرت ام حرامؓ واپس لوٹیں تو سواری کو ان کے قریب لایا گیا تاکہ وہ اس پر سوار ہوں تو وہ گر پڑیں ۔ اور ان کی گردن ٹوٹ گئی ۔ (بخاری)

تعلیم و تربیت حاصل کرنا :

(۱۷۹)

حضرت ابو سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ، مرد تو آپؐ کی باتیں سن جاتے ہیں (مگر ہم عورتیں محروم رہتی ہیں) پس آپؐ اپنی طرف سے ہمارے لیے کوئی دن مقرر فرما دیجئے جس میں ہم آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں تاکہ آپؐ ہمیں وہ علم سکھائیں جو خدا نے آپؐ کو سکھایا ہے ۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اچھا تم فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ پر جمع ہو جانا ۔ چنانچہ وہ عورتیں جمع ہو گئیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور جو علم آپؐ کو اللہ نے سکھایا تھا

اس میں سے انہیں تعلیم دی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے جس عورت نے بھی اپنے تین بچے اپنے آگے بھیجے ہوں گے (یعنی اس کی زندگی میں اس کے تین بچے وفات پا گئے ہوں گے) تو وہ اس کے لیے جہنم سے حجاب کا ذریعہ بن جائیں گے۔ (اور وہ جہنم سے محفوظ رہے گی) ان میں سے ایک عورت بولی یارسول اللہؐ، اگر (کسی عورت نے) دو بچے (آگے بھیجے) ہوں (تو کیا وہ دو بھی اسے جہنم سے بچانے کا ذریعہ بن جائیں گے)، اس عورت نے یہ کلمات دو دفعہ کہے تو پھر حضورؐ نے فرمایا کہ (ہاں) دو بھی، دو بھی، دو بھی۔ (بخاری)

تشریح: یعنی اگر کسی عورت کے دو بچے وفات پا گئے ہوں اور اس نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی وفات پر صبر سے کام لیا ہو تو وہ دو بھی اسے جہنم سے بچانے کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اس حدیث سے ایک طرف تو یہ پتہ چلتا ہے کہ صحابیاتؓ علم دین حاصل کرنے کی اتنی خواہش مند تھیں کہ حضورؐ کی خدمت میں درخواست کر کے اپنے لیے علیحدہ بندوبست کروایا اور دوسرے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے بھی انہیں مردوں سے علیحدہ خصوصی طور پر مخاطب فرمایا اور تعلیم دی۔

۱۸۰

(بخاری، کتاب العیدین، باب المشی والرکوب الی العید میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس میں دوسری باتوں کے علاوہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ کا ذیل کا بیان بھی ہے)

حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے پہلے نماز پڑھی۔ پھر لوگوں کو خطبہ دیا۔ پھر جب فارغ ہوئے تو اترے اور عورتوں کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کی اس حال میں کہ آپؐ حضرت بلالؓ کے ہاتھ پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ اور حضرت بلالؓ نے اپنا کپڑا پھیلا رکھا تھا اور عورتیں اس میں صدقات

ڈال رہی تھیں (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے عطار سے پوچھا کہ کیا اب آپ امام پر یہ بات واجب سمجھتے ہیں کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر عورتوں کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ بے شک یہ ائمہ پر واجب ہے اور انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتے۔ (بخاری)

۱۸۱

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے اور آپؐ فرما رہے تھے۔ سبحان اللہ، اللہ نے کیسے کیسے خزانے نازل کئے ہیں اور کیسے کیسے فتنوں کا نزول ہوا ہے! کون ہے جو ان حجرے والیوں کو جگادے تاکہ نماز پڑھیں۔ بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو دنیا میں لباس پہنتی ہیں مگر آخرت میں عریاں ہوں گی (راویہ کا کہنا ہے کہ حجرے والیوں سے آپؐ کی مراد اپنی ازواج مطہرات تھیں۔ (بخاری)

نکاح کے معاملے میں رائے دینا :

عورت کے حقوق کے بارے میں اس شئے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کہ جس شخص کے ساتھ اس نے زندگی گزارنی ہے۔ اُسے پسند کرتے یا ناپسند کرنے کے معاملے میں اس کی رائے لی جائے۔ ذیل کی احادیث واضح کر رہی ہیں کہ حضورؐ نے نکاح کے بارے میں لڑکی کی اجازت لینے کی ہدایت فرمائی ہے۔

۱۸۲

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، کیا عورتوں

کے نکاح کے بارے میں ان سے اجازت لی جائے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ کنواری سے اجازت لی جاتی ہے تو وہ شرم کرتی ہے اور خاموش رہتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔
(بخاری)

تشریح:۔ لڑکی کی فطری شرم وحیا کا لحاظ کرتے ہوئے اس بات کی اجازت دے دی گئی ہے کہ اگر وہ خاموش رہے تو اسے اس کی اجازت سمجھ لیا جائے اور اُسے منہ سے "ہاں" کہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اب جس لڑکی کو اپنا وہ رشتہ منظور نہ ہو جو والدین یا سرپرست کر رہے ہوں تو وہ "نہ" کر دے اس کی "نہ" کو ہاں نہیں سمجھا جائے گا۔

۱۸۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے (وہ اپنا نکاح اپنی مرضی سے کرسکتی ہے) اور دوشیزہ کے نفس کے بارے میں بھی اس سے اجازت لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے (مسلم)

۱۸۴

حضرت ابن عباسؓ (سورۃ النساء کی آیت ۱۹) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا الآیۃ کی تشریح کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ (زمانۂ جاہلیت میں) جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو اس کے وارث اس کی بیوی کے زیادہ حقدار سمجھے جاتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اس عورت

سے (خود) شادی کر لیتا اور اگر وہ چاہتے تو اس عورت کی شادی (کسی اور سے) کر دیتے اور اگر چاہتے تو اس کی شادی نہ کرتے (اور اسے یونہی رہنے دیتے) غرضکہ وہ اس عورت کے گھر والوں سے بھی زیادہ اس کے حقدار سمجھے جاتے اسی کے باعث یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری)

تشریح:۔ مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ ہے "اے ایمان والو تمہارے لیے حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو الخ" اس آیت کے نزول سے واضح ہو گیا کہ بیوہ عورت بالکل خود مختار ہوتی ہے اور فوت شدہ شوہر کے وارثوں کا اس پر کوئی حق نہیں ہوتا کہ وہ اس کے نکاح کے معاملے میں اپنی مرضی چلا سکیں۔

عورت کے متفرق حقوق:

۱۸۵

حضرت کعبؓ بن مالک کے ایک بیٹے حضرت کعبؓ بن مالک کی طرف سے بیان کرتے ہیں کہ ان کی بکریاں تھیں جو (مقام) سلع میں چرا کرتی تھیں۔ ہماری ایک کنیز نے دیکھا کہ ہماری بکریوں میں سے ایک بکری مر رہی ہے تو اس نے ایک پتھر توڑا اور اس سے اس بکری کو ذبح کر دیا۔ حضرت کعبؓ نے لوگوں سے کہا کہ اسے نہ کھانا جب تک کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لوں (کہ آیا اسے کھانا جائز بھی ہے یا نہیں) یا (حضرت کعبؓ نے یہ فرمایا کہ اسے نہ کھانا جب تک کہ) میں کسی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج نہ لوں جو جا کر حضورؐ سے (اس کے بارے میں) پوچھے۔ پھر یا تو انہوں نے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا یا (کسی کو) بھیجا تو حضورؐ نے اس

(بکری کے گوشت) کو کھانے کا حکم فرمایا (یعنی اس کنیز کے ذبح کرنے کو جائز سمجھا۔ اس حدیث کے ایک راوی) عبید اللہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات بہت بھلی لگی کہ اس عورت نے کنیز ہونے کے باوجود (اتنی عقل سے کام لیا کہ اس بکری کو حرام ہونے سے بچا لیا۔ اور آسے) ذبح کر دیا۔ (بخاری)

تشریح :۔ کنیز کا ذبح کرنا جو راوی کو بھلا لگا تو اس کی وجہ یا تو یہی ہے کہ کنیز نے اسے ذبح کر کے اس کے گوشت کو حرام ہونے سے بچا لیا۔ کیونکہ اگر بکری ذبح ہوئے بغیر مر جاتی تو مُردار ہوتی اور اس کا گوشت انسانوں کے استعمال میں نہ آسکتا۔ یا پھر راوی کو کنیز کا ذبح کرنا اس لیے بھلا لگا کہ کنیز ہونے کے باوجود اس نے آقا کی بکری بطور خود ہی ذبح کرنے کی جرأت کر لی۔ جو اس وقت مصلحت پر مبنی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۸۶

حضرت عائشہ رضؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے باہم لڑنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ قصاص لینے سے باز رہیں (دیت پر راضی ہو جائیں) اور قصاص معاف کرنے کا حق سب سے پہلے اس کو ہے جو مقتول کا سب سے زیادہ قریبی رشتے دار ہو، پھر اس کو جو اس کے بعد سب سے زیادہ قریبی ہو چاہے یہ قریب ترین رشتے دار کوئی عورت ہی ہو۔ (ابوداؤد)

۱۸۷

(حضرت علیؓ کی ہمشیر) حضرت اُمّ ہانی رضؓ بنت ابی طالب بیان کرتی ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپؐ کو

غسل کرتے پایا اس طرح کہ آپؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ ایک کپڑے سے آپؐ کے سامنے پردہ کیئے ہوئے تھیں۔ میں نے سلام کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کون ہے میں نے عرض کیا کہ (میں ہوں) اُمّ ہانیؓ بنت ابی طالب تو آپؐ نے فرمایا! خوش آمدید اُمّ ہانیؓ۔ پھر جب آپؐ غسل سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے کھڑے ہو کر آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ اس طرح کہ آپؐ ایک ہی کپڑا لپیٹے ہوئے تھے۔ پھر جب آپؐ (نماز سے) فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسولُ اللہ میں نے فلاں شخص ابن ہُبیرہ (نامی) کو پناہ دی تھی۔ مگر میرے ماں جائے (بھائی) علیؓ بن ابی طالب کہتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس پر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اے اُمّ ہانیؓ جس کو تم نے پناہ دی اس کو ہم نے پناہ دی۔ حضرت اُمّ ہانیؓ بیان کرتی ہیں کہ (جو نماز حضورؐ نے اس وقت پڑھی تھی) وہ چاشت (کی نماز) تھی۔ (مسلم)

پسندیدہ عورت :

ذیل کی احادیث میں چند ایسی صفات بیان ہوئی ہیں کہ جن خواتین میں یہ صفات ہوں وہ حضورؐ کی نگاہ میں پسندیدہ ہیں۔ مثلاً نیکی، دینداری، طبیعت کا محبت کرنے والا ہونا، زیادہ صاحب اولاد ہونا وغیرہ۔

۱۸۸

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ دنیا متاع ہے اور اس کی سب سے بہتر متاع نیک عورت ہے (مسلم بحوالۂ ریاض الصالحین)

تشریح :- دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے عموماً انسان کو مال و متاع اور

ساز و سامان حاصل کرنے کی خواہش لگی رہتی ہے اور زندگی گزارنے کے لیے ایک حد تک ساز و سامان کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ یہاں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ زندگی میں بہترین متاع یہ ہے کہ نیک بیوی مل جائے۔ بیوی نیک ہوگی تو اپنی خدا ترسی کے باعث خاوند اور بچوں کے حقوق ادا کرنے کی بھی کوشش کرے گی۔ اہل خانہ کو نیکی کا سبق بھی پڑھائے گی۔ خاوند کی کمائی کو بھی بے کار لٹانے سے پرہیز کرے گی۔ اس چیز کا بھی دھیان رکھے گی کہ گھر میں ناجائز آمدنی نہ آئے اور اس کی نیکی کے باعث ویسے بھی گھر میں انشاء اللہ خیر و برکت اور خدا کی رحمت ہوگی لہذا حضورؐ نے نیک عورت کو سب سے بہتر متاع قرار دیا ہے۔

(۱۸۹)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے چار چیزوں کے باعث شادی کی جاتی ہے۔ (ایک) اس کے مال کے باعث اور (دوسرے) اس کے حسب ونسب کے باعث اور (تیسرے) اس کی خوب صورتی کے باعث اور (چوتھے) اس کی دینداری کے باعث (اے مخاطب) تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دیندار عورت کو حاصل کر۔ (بخاری)

تشریح:۔ عورت کی ان چاروں صفات میں سے حضورؐ نے دینداری کو ترجیح دے کر یہی ہدایت فرمائی ہے کہ جس عورت میں یہ صفت ہو اس کے ساتھ شادی کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے "تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں" ایک فقرہ ہے جو عرب بولا کرتے تھے۔ یہ جملہ صرف ملامت کرنے ہی کے لیے نہیں بولا جاتا تھا بلکہ بعض اوقات پیار کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

۱۹۰

حضرت معقل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ مجھے ایک عورت ملی ہے جو خوب صورت اور اچھے حسب نسب والی ہے مگر وہ اولاد پیدا کرنے والی نہیں۔ کیا میں اس سے شادی کروں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں۔ وہ شخص پھر دوسری مرتبہ حضورؐ کے پاس آیا (اور پھر ہی بات کہی) حضورؐ نے (پھر) اُسے منع فرمایا۔ پھر وہ تیسری مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں آیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس عورت سے شادی کرو جو بہت محبت کرنے والی اور بہت بچے پیدا کرنے والی ہو۔ کیونکہ میں تم لوگوں (کے بچے زیادہ ہونے) کے باعث اپنی امت کی کثرت تعداد پر فخر کروں گا۔ (ابوداؤد)

۱۹۱

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ جب (یہ آیت) نازل ہوئی وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ تو ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی سفر میں آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ کے بعض صحابہ نے کہا کہ سونے اور چاندی کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ کون سا مال افضل ہے تو ہم اسے حاصل کر کے رکھتے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ افضل مال (خدا کا) ذکر کرنے والی زبان (خدا کا) شکر کرنے والا دل اور وہ مومن بیوی ہے جو شوہر کو اس کے ایمان میں مدد دیتی ہے۔ (ترمذی)

تشریح: جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے وہ سورۃ التوبہ کی آیت ۳۴ ہے۔ اوپر والے الفاظ سے لے کر آیت کے آخر تک کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

" اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک سزا کی خوشخبری دے دو۔"

یہاں حضورؐ نے ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والے دل کی طرح اس مومن بیوی کو بھی افضل مال قرار دیا ہے جو شوہر کو اس کے ایمان میں مدد دیتی ہے یعنی اُسے نیکیوں کی تلقین کرتی رہتی ہے اور گناہوں سے روکتی رہتی ہے اور خدا کی راہ میں اس کی مددگار ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے شوہر کا ایمان دن بدن پختہ ہوتا جاتا ہے۔

ناپسندیدہ عورت :

ذیل کی احادیث میں کچھ ایسی صفات کا ذکر ہے جو مسلمان عورت میں نہیں ہونی چاہئیں، کیونکہ حضورؐ نے انہیں ناپسند فرمایا ہے۔ مثلاً

۱۔ عورت کا اپنے شوہر سے بے وجہ طلاق مانگنا۔
۲۔ کسی اور عورت کو طلاق دلوانے کا مطالبہ کرنا۔
۳۔ اپنے لباس وغیرہ میں مردوں کے مشابہ ہونے کی کوشش کرنا۔
۴۔ خوشبو لگا کر نامحرم مردوں کے پاس سے گزرنا۔
۵۔ اتنا باریک لباس پہننا جس میں سے جسم نظر آتا ہو۔
۶۔ اپنی زیب و زینت کو نامحرموں پر ظاہر کرنا۔
۷۔ حیا اور حجاب کے اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نامحرموں کی طرف مائل ہونا اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرنا۔ وغیرہ۔

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت

بے ضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے (ابوداؤد)
تشریح :۔ نکاح کو قائم رکھنے یا توڑ دینے کے سلسلے میں اسلام میں ایک اعتدال کا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ نہ یہ صورت ہے کہ میاں بیوی کی آپس میں کسی صورت نہ بنتی ہو اور ان کی زندگی جہنم ہو چکی ہو مگر جو شادی ہو چکی ہے وہ اب ٹوٹ نہیں سکتی اور نہ یہ انتہا ہے کہ نکاح کو کھیل بنا لیا جائے اور ذرا ذرا سی بات پر طلاق دینے یا طلاق مانگنے کی نوبت آ جائے اگر کوئی اور حل نہ ہو اور میاں بیوی کی باہمی چپقلش ختم نہ ہوتی ہو تو طلاق کے ذریعے وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر اپنی اپنی جگہ دوسری شادی کر کے زندگی کو از سرِ نو شروع کر سکتے ہیں۔ مگر یہ بات بھی بہت ناپسندیدہ ہے کہ معمولی معمولی رنجشیں طلاق کا ذریعہ بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے طلاق کو جائز کر دیا ہے مگر اسے بہت پسندیدہ نہیں سمجھا گیا۔ لہٰذا جو عورت خواہ مخواہ اپنے شوہر سے طلاق مانگے حضورؐ کا فرمان ہے کہ اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

۱۹۳

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنی (مسلمان) بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کی رکابی کو اپنے لیے حاصل کرے۔ کیونکہ اس کی تقدیر میں جو کچھ ہوگا، وہ اسے مل جائے گا۔ (بخاری)
تشریح : مثلاً کسی شخص کی پہلے ہی کوئی بیوی ہو۔ پھر وہ کسی اور سے شادی کرنا چاہے تو دوسری یہ شرط نہ پیش کرے کہ پہلے اپنی بیوی کو طلاق دو تب میں تم سے شادی کروں گی۔ یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ "تاکہ اس کی رکابی کو اپنے لیے حاصل کرے" تو رکابی سے مراد وہ سب کچھ ہے جو اس نے خاوند سے حاصل کر رکھا ہو۔ پورا مفہوم یہ ہوگا کہ کوئی عورت کسی مرد سے شادی کرنے کے لیے یہ

شرط پیش نہ کرے کہ پہلے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دو اور یہ شرط پیش کرنے سے اس کی مراد یہ ہو کہ اُسے طلاق مل جائے تاکہ خاوند سے جو کچھ اسے ملا ہے یا ملتا ہے وہ مجھے مل جائے۔ بعض علماء نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ کوئی اجنبی عورت کسی مرد کو اس بات پر مجبور نہ کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس سے نکاح کرے بعض تشریح کرنے والوں نے یہ مفہوم بھی بتایا ہے کہ یہ فرمان دو سوکنوں کے بارے میں ہے کہ کوئی سوکن اپنے خاوند سے یہ مطالبہ نہ کرے کہ دوسری بیوی کو طلاق دے دے۔ جو کچھ بھی مراد ہو۔ اصل بات یہی ہے کہ ایک عورت دوسری عورت کو طلاق دیئے جانے کا مطالبہ نہ کرے۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ مراد یہ ہے کہ دوسری کو طلاق دیئے جانے کا مطالبہ اس صورت میں کرنا ناجائز ہے جب کوئی ایسا سبب موجود نہ ہو جو اس مطالبے کو جائز کرنے والا ہو۔

۱۹۴

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے مشابہ بننے والی عورتوں اور عورتوں کے مشابہ بننے والے مردوں پر لعنت فرمائی۔
(ترمذی)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کی بنا پر دو جنسوں کو پیدا فرمایا ہے وہ مل کر زندگی کی گاڑی کو چلاتی ہیں مگر ہر ایک کا دائرہ کار دوسری سے مختلف رکھا گیا ہے۔ ان کے فرائض، طبائع اور میلانات میں بھی فرق ہے۔ ان کی جسمانی قوت اور ساخت بھی بالکل ایک جیسی نہیں اور ان کی ذمہ داریاں بھی علیحدہ علیحدہ ہیں مرد اور عورت مل کر ایک گھر چلاتے ہیں اور آئندہ نسلوں کی پیدائش، پرورش اور تربیت کے فرائض سر انجام دیتے ہیں مگر اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو ضروری کام کرنے ہوتے ہیں وہ انہوں نے قدرتی طور پر آپس میں بانٹ رکھے ہیں مرد اپنے حصے کے کام کرتا ہے اور عورت اپنے حصے کے۔ دنیا کی کسی مہذب سے مہذب

سے لے کر جاہل سے جاہل قوم کو دیکھ لیں آپ کو یہی نظر آئے گا کہ لباس سنگھار، انداز وغیرہ میں عورت اور مرد کے درمیان فرق موجود ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو دونوں جنسوں کے درمیان جو کشش ہے اس کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ بالکل ایک جیسی نہیں ہیں بلکہ ایک دوسری سے مختلف ہیں لہٰذا جب مرد عورت کے مشابہ ہونے کی کوشش کرے اور عورت مرد کے مشابہ ہونے کی کوشش کرے گی تو وہ دونوں اپنی اپنی جبلّت کے خلاف کام کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پورے طور پر ایک دوسرے کی مانند تو کبھی بھی نہیں ہو سکیں گے مگر اپنی اپنی ذاتی اور جنسی خوبیوں کو برباد ضرور کرلیں گے۔ ایک دوسرے کے مشابہ ہونے کی لے جب بہت بڑھ جائے گی تو آخر کار ان کے باہمی تعلقات کی خوشگواری پر بھی لازماً اثر ڈالے گی۔ اور بالکل ایک جیسا ہونے کی ہوس اس کشش کو بھی کمزور کرے گی جو ان کے درمیان ہے اور جو اس حکیم و دانا نے بہر حال مصلحتوں ہی کو پیش نظر رکھ کر رکھی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ تقسیم کار نے زندگی کے مختلف کاموں میں جو سہولت اور نظم پیدا کر رکھا ہے وہ بھی لازماً خراب ہوگا۔ غرضیکہ انسان کے فائدے ہی کی خاطر یہ پسند فرمایا گیا ہے کہ مرد مرد ہی رہے عورت بننے کی کوشش نہ کرے۔ اور عورت عورت ہی رہے مرد بننے کی کوشش نہ کرے جو کچھ خدا نے کسی کو بنایا ہے وہی بنے رہنے میں اس کا حسن اور دل کشی ہے اور اسی میں انجام کار اس کو راحت اور سکون ملتا ہے اور فائدہ بھی۔

۱۹۵

حضرت زینب ثقفیہؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کرتی تھیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی نے عشاء (کی نماز) میں حاضر ہونا ہو تو اس رات خوشبو نہ لگائے۔ (مسلم)

تشریح :- خوشبو ایسی زینت ہے۔ جسے نہ کپڑے سے ڈھانپا جاسکتا ہے نہ پھیلنے سے روکا جاسکتا ہے ۔ اس لیے اس بات کو ناپسند کیا گیا ہے کہ جب عورت نے کسی ایسی جگہ جانا ہو جہاں نامحرم مرد بھی ہوں تو وہاں خوشبو لگا کر جائے اب مسجد بھی ایک ایسی ہی جگہ ہے جہاں زیادہ تر مرد ہی ہوتے ہیں اور ان میں اکثریت نامحرموں ہی کی ہوتی ہے اس لیے مسجد میں عورت کو خوشبو لگا کر جانے کی اجازت نہیں۔

۱۹۶

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردوں کی (بہتر) خوشبو وہ ہے جس کی بو ظاہر اور رنگ چھپا ہوا ہو اور عورتوں کی (بہتر) خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور بو چھپی ہوئی ہو۔ (ترمذی)

تشریح : مراد یہی ہے کہ عورت جو چیز استعمال کرے اس کی خوشبو اتنی تیز نہ ہو کہ دوسروں تک پہنچے۔ ویسے یہ پابندی اسی صورت کے لیے ہے کہ اس خوشبو کے نامحرموں تک پہنچنے کا احتمال ہو۔ ورنہ اپنے محرموں میں عورت ہر طرح کی خوشبو استعمال کرسکتی ہے۔

۱۹۷

حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آنکھ (جو نامحرم کی طرف شہوت سے دیکھے) بدکاری کا ارتکاب کرتی ہے۔ اور عورت جب خوشبو لگا کر (نامحرم مردوں کی) مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی بدکاری کا ارتکاب کرنے والی ہے۔ (ترمذی)

تشریح :۔ واضح رہے کہ اسلام میں برائی کی کما حقہٗ روک تھام کرنے کے لیئے کسی برائی کی طرف لے جانے والے ذرائع کو بھی برائی قرار دے کر ان سے روک دیا گیا ہے۔ عورت کا خوشبو لگا کر نامحرم مردوں کے پاس سے گزرنا خرابی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس لیے اس سے تاکید کے ساتھ منع فرما دیا گیا ہے خوشبو ایسی چیز ہے کہ دُور دُور تک جا پہنچتی ہے اور اسے کسی طریقے سے روکا نہیں جا سکتا۔ کسی عورت کے لیے اپنی خوشبو کو نامحرموں تک پہنچنے سے روکنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ جب اُس کے نامحرموں تک پہنچنے کا احتمال ہو تو اسے استعمال ہی نہ کیا جائے۔

۱۹۸

(مسلم، کتاب الجنۃ میں حضورؐ کی ایک حدیث میں حضورؐ نے دوزخ میں جلنے والے دو گروہوں کا حال بیان فرمایا ہے جن میں سے ایک گروہ ان عورتوں کا ہو گا جن میں ذیل کی صفات ہوں گی۔ یعنی)

وہ عورتیں جو لباس پہنے ہوں گی مگر (اس کے باوجود) عریاں ہوں گی وہ (دوسروں کو اپنی طرف) مائل کریں گی اور خود (دوسروں کی طرف) مائل ہوں گی ان کے سر بختی اونٹوں کے ایک طرف جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح ہوں گے۔ یہ عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی۔ اور اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی۔ حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اور اتنی مسافت سے آتی ہو گی (مسلم)

تشریح :۔ اس حدیث کے جملوں کی ایک سے زیادہ تشریحیں کی گئی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں وہ عورتیں مراد ہیں جو اتنا ناکافی یا اتنا باریک لباس پہنتی ہیں کہ جسم کے وہ حصے جنہیں ڈھانپ کر رکھنے کا حکم ہے پوری طرح ڈھانپے نہیں جاتے یا ڈھانپے جاتے بھی ہیں تو جھلکتے رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی ان عورتوں کی مذمت

کی گئی ہے جو اپنے ناز و انداز اور جسمانی نمائش سے نامحرم مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں اور خود غیر شریفانہ طور پر نامحرموں کی طرف مائل ہوتی ہیں یعنی جو شرافت، حیا اور اس حجاب سے لاپرواہ ہوتی ہیں جو خدا نے نامحرم عورتوں اور مردوں کے درمیان قائم کر رکھا ہے اور جو اپنے بے حجابانہ رویے اور بے حیائی کے ذریعے نامحرموں کے دلوں میں اپنی کشش پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں اور خود بھی بے شرمی کی انتہا کے باعث ان کا پیچھا کرتی ہیں۔ ایسی عورتیں چونکہ معاشرے میں بے شرمی، بے حیائی اور بدچلنی پھیلانے کا ذریعہ ثابت ہوتی ہیں اس لئے جنت میں جانا تو درکنار وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گی۔ بختی اونٹ اس نر اونٹ کو کہا جاتا تھا جو عربی نر اور عجمی مادہ یا عجمی نر اور عربی مادہ سے پیدا ہوا ہو۔ کوہان اونٹ کے جسم کا ایک ایسا حصہ ہوتا ہے جو ابھرا ہوا ہوتا ہے بعض علماء نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان ناپسندیدہ عورتوں کے سروں کو اونٹ کے کوہانوں سے تشبیہہ دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ سر کے سنگھار کے ایسے طریقے اختیار کریں گی جن سے ان کے سر اونٹوں کے کوہانوں سے مشابہہ ہو جائیں گے۔ ایسے ہی اور تشریحیں بھی کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہی بنتا ہے کہ وہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی جو نامحرم مردوں کو اپنی زیب و زینت اور ناز و انداز دکھاتی اور ان سے خلط ملط ہونے کی کوشش کرتی ہیں اور اس طرح معاشرے میں بے حیائی اور بدچلنی پھیلانے میں ممد ہوتی ہیں۔

کتاب ۱۲

اسلامی اخوّت

باب ۶

باہمی اتفاق کی اہمیت، تاکید اور فضیلت

سورۃ الانفال آیت ۴۶ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے
"اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"
یہاں باہم اتفاق نہ رکھنے اور آپس میں جھگڑنے کے دو نقصان دہ نتائج بیان فرمائے گئے ہیں۔

۱۔ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور
۲۔ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ ان فرامین کی صداقت پر گواہ ہے۔ ملت اسلامیہ پر بڑے بڑے ہولناک وقت آئے اور اس نے بڑے بڑے جان لیوا دکھ سہے اس لیے نہیں کہ دشمن طاقت ور تھے بلکہ اس لیے کہ ہم نے اپنی باہمی بے اتفاقی کے باعث اپنے آپ کو کمزور کر لیا تھا۔ اور دشمنوں کے دلوں سے ہمارا رعب

نکل گیا تھا اور ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بھول گئے تھے کہ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ (الحجرات ۱۰)

اسلام میں قومیت کی بنیاد رنگ، نسل، علاقے اور زبان پر نہیں بلکہ دین اسلام پر ہے وہ سب لوگ جو اسلام کے اصولوں کو مان لیتے ہیں مسلمان ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں چاہے ان کی زبانیں، علاقے، نسلیں اور رنگ ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔ اور جو اسلام کے اصولوں کو نہیں مانتے وہ دوسرے لوگ ہیں چاہے نسب کے لحاظ سے وہ سگے بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ بنی نوع انسان سے تعلق رکھنے کے باعث اُن کے بھی ہم پر حقوق ہیں تاہم وہ "اسلامی اخوّت" کے دائرے کے اندر نہیں آتے۔ اسلامی اخوّت کے دائرے کے اندر وہی لوگ آتے ہیں جو خدا پر، خدا کے انبیاء پر، خدا کے فرشتوں پر، خدا کی بھیجی ہوئی الہامی کتب پر اور آخرت پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور اپنا ہادی و رہنما تسلیم کرتے ہیں اور خدا کی عائد کردہ عبادات کو فرض سمجھتے ہیں۔

اس اسلامی اخوّت کے دائرے کے اندر کے لوگوں کو تاکید فرمائی گئی ہے کہ آپس میں صلح و اتفاق قائم رکھیں۔ خدا کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں اور یاد رکھیں کہ حسب نسب، عہدہ و جاہ اور دولت و ثروت کی بنا پر نہ ان میں کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا۔ اگر کوئی بڑا ہے تو وہ ہے جس میں پرہیزگاری زیادہ ہو۔ اور اگر کوئی چھوٹا ہے تو وہ ہے جس میں پرہیزگاری کم ہو۔ مسلمانوں کو بے اتفاقی سے بچانے اور اتفاق و محبت کی طرف مائل کرنے کے لئے حضورؐ نے انہیں اتفاق و محبت کی تلقین فرمانے کے علاوہ اس کی فضیلت کے بارے میں بھی نہایت موثر الفاظ میں خوشخبری سنائی ہے۔

باہمی محبّت اور خیر خواہی :

(۱۹۹)

حضرت معاذؓ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میری بزرگی اور عظمت کے خیال سے (یعنی میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے) آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے (اور) ان پر نبی اور شہید (بھی) رشک کریں گے۔ (ترمذی)

تشریح : یہاں دو چیزیں ذہن نشین کی جانے والی ہیں۔ ایک باہم ایک دوسرے سے محبت کرنا اور دوسرے اس محبّت سے مقصود خدا کی خوشنودی ہونا اور یہ دوسری چیز بھی از حد ضروری ہے کیونکہ یہ دوسری چیز پہلی چیز کیلئے ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہے اور انسان کے لیے اجر و ثواب کا ذریعہ بنتی ہے۔ جب انسان کسی انسان کو صرف اس کی ذات کے لیے چاہتا ہے تو پھر جب وہ محبوب طوطا چشمی کرتا ہے یا کم از کم محبت کے جواب میں محبّت نہیں دیتا تو چاہنے والا سخت دل شکستہ ہو جاتا ہے اور اگر اس انسان سے کوئی خون کا رشتہ نہ ہو تو ابا اوقات یہ محبّت نفرت میں یا کم از کم سرد مہری میں بدل جاتی ہے لیکن جب انسان کو صرف خدا کے لیے چاہا جائے وہ جواب دے یا نہ دے چاہنے والا اتنا دل شکستہ نہیں ہوتا جتنا پہلی صورت میں ہوتا ہے اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ جو انسان بھی محبت کے مقابلے میں طوطا چشمی یا سرد مہری کا سلوک کرے گا محبت کرنے والے کے دل کو تکلیف ضرور ہوگی تاہم جسے خدا کے لیے چاہا جائے گا اس کی سرد مہری پر انسان دل کو تسلی دے لے گا کہ ہم نے جو محبت دی تھی وہ

تو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دی تھی۔ کچھ اس انسان کی ذات کے لیے تو نہیں دی تھی۔ لہٰذا خدا تو دیکھ ہی رہا ہے۔ وہ انشاء اللہ ہمیں اپنی خوشنودی سے سرفراز فرمائے گا۔ اس طرح خدا کی خاطر محبت کرنے والے کی محبت انشاء اللہ بے غرضانہ اور پائیدار ہو گی۔ مگر انسان کو انسان کی خاطر چاہنے والا جواب نہ ملنے کی صورت میں زیادہ دیر اپنی محبت کو قائم نہیں رکھ سکے گا۔ اور اگر اس انسان سے کوئی ایسا رشتہ ہو گا جس کے باعث چاہنے والا مجبور ہو گا کہ اس کی سرد مہری کے باوجود اسے چاہتا چلا جائے تو پھر ساتھ شکوے اور شکایات اتنی شروع ہو جائیں گی کہ باہمی رشتے میں زہر گھل جائے گا۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا مسلمان پر بڑا کرم ہے کہ اس نے اسے اپنے مسلمان بھائیوں سے محبت کرنے اور ان کے ساتھ صلح و اتفاق سے رہنے کا حکم فرمایا جو ان کے لیے طاقت کا سرچشمہ ہے اور ساتھ ہی اس کا مقصد اپنی خوشنودی کو قرار دے کر اس محبت کو مضبوط بنیاد فراہم فرما دی۔

۲۰۰

ابو ادریس خولانی بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو میری نگاہ ایک نوجوان پر پڑی جس کے دانت خوب صورت چمکدار تھے۔ لوگ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب اُن میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تو اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی رائے پر انہیں اطمینان ہو جاتا۔ میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ حضرت معاذ رضؓ بن جبل (صحابی) ہیں۔ جب اگلا دن ہوا تو میں سویرے ہی (مسجد میں) جا پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے بھی پہلے آ چکے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ میں ان کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی نماز ختم کر لی۔ پھر میں ان کے سامنے سے ان کے پاس آیا اور انہیں سلام کیا اور کہا۔

"خدا کی قسم! میں خدا کی خاطر آپ سے محبت رکھتا ہوں!"
انہوں نے فرمایا، "کیا خدا کی خاطر؟"
میں نے جواب دیا، "ہاں، خدا کی خاطر"
انہوں نے (پھر) فرمایا کہ "کیا خدا کی خاطر؟"
میں نے (پھر) جواب دیا کہ "ہاں خدا کی خاطر"
انہوں نے (پھر) فرمایا کہ "کیا خدا کی خاطر؟"
میں نے (پھر) عرض کیا کہ "ہاں خدا کی خاطر"۔
پھر انہوں نے میری چادر کا کنارہ پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا، پھر فرمایا۔
"خوشخبری حاصل کرو، بے شک میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں، ان سے محبت کرنا میرے لیے واجب ہے۔ (موطاّ)
نوٹ:۔ اس کی تشریح کے لیے حدیث ۱۹۹ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

۲۰۱

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری)
تشریح:۔ کلام کی خوبیوں میں ایک بڑی خوبی "ایجاز" ہے۔ ایجاز یہ ہے کہ کم سے کم الفاظ استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ معانی ادا کر دیئے جائیں۔ حضورؐ کے اس فرمان میں ایجاز گویا اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ مومن ہوتے

کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کیا جائے جو اپنے لیے پسند ہو وہ کون سی بھلائی ہے جسے انسان اپنے لیے پسند نہیں کرتا اور وہ کونسی تکلیف ہے جس سے وہ بچنے کا خواہش مند نہیں ہوتا۔ انسان کی خواہش تو یہی ہوتی ہے کہ اسے ہر اچھی چیز مل جائے اور وہ ہر بُری شے سے بچ جائے۔ لہٰذا حضورؐ کے اس فرمان کی رو سے انسان اسی وقت مومن کہلانے کا مستحق ہوتا ہے جب ہر مسلمان کے لیے اس کی یہی خواہش ہو ظاہر ہے کہ جس کے لیے ہماری یہ خواہش ہو گی کہ اسے ہر بھلائی مل جائے اور وہ ہر برائی سے بچ جائے اس کے لیے دل میں حسد بغض کینہ پیدا ہونے کا کیا سوال ہے۔ اور اس سے لڑنے جھگڑنے اور انتقام لینے کی نوبت کہاں سے آسکتی ہے اور اس کی خوشی پر خوش نہ ہونے اور اس کے دکھ پر دُکھی نہ ہونے کا کیا امکان ہے۔ اور جس صورت میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات ایسے ہوں گے جن کی اس حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے تو پھر اتفاق کی جو طاقت خدا تعالیٰ انہیں عنایت فرمائے گا اس کے مقابلے میں ان کے دشمن ان سے کیسے مرعوب نہ ہوں گے۔

۲۰۲

حضرت مقدام بن معدیکرب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو اپنے کسی بھائی سے محبت ہو تو اسے اس بات کی خبر کر دے (کہ مجھے تم سے محبت ہے) (ترمذی)

تشریح :۔ محبت کی خبر کر دینے کی تلقین اس لیے فرمائی گئی ہے کہ توقع ہے کہ اس کے باعث دوسرے کے دل میں بھی محبت پیدا ہو جائے گی کیونکہ اکثر اوقات ایسے ہی ہوتا ہے کہ جب ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں شخص کے دل میں ہمارا

محبت ہے تو تمہارے دل میں بھی اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ حضورؐ کو بھی پسند تھا کہ مسلمانوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے گہری محبت ہو اس لیے حضورؐ نے اس عمل کی ہدایت فرمائی ہے جو دوسرے کے دل میں بھی لازماً محبت کرنا ہے الا ماشاء اللہ۔

۲۰۳

حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی نماز قائم کرنے پر اور زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر۔ (بخاری)

۲۰۴

زیاد بن علاقہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن (کوفے کے حاکم) حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا انتقال ہوا میں نے حضرت جریرؓ بن عبداللہ کو (لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے) سنا۔ آپ کھڑے ہوئے پھر خدا کی حمد وثنا بیان کی اور (پھر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ لازم کر لو اپنے آپ پر خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے خوف کو اور وقار کو اور سکون کو یہاں تک کہ (نیا) حاکم تمہارے پاس آجائے۔ اس لیے کہ (نیا) حاکم تمہارے پاس ابھی آیا چاہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ سے) اپنے (مرحوم) حاکم کے لیے معافی مانگو کیونکہ وہ خود بھی معاف کر دینے کو پسند کرتے تھے پھر فرمایا کہ اس کے بعد (میں تم لوگوں کو بتاتا ہوں کہ) میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں پس حضورؐ نے مجھ سے شرط کرائی اسلام پر قائم رہنے کی اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے

کی۔ پس میں نے اس پر آپؐ کی بیعت کی اور اس مسجد کے رب کی قسم کہ میں تم لوگوں کا خیر خواہ ہوں۔ پھر انہوں نے استغفار پڑھی اور (منبر سے) نیچے اتر آئے (بخاری)

تشریح :۔ اس حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ کوفے کے لوگ متلوّن مزاج تھے اور امیر کے وفات پا جانے پر ان کے شورش پیدا کر دینے کا خدشہ موجود تھا۔ لہذا حضرت جریرؓ بن عبداللہ نے انہیں پرسکون رکھنے کے لئے ان سے خطاب فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت جریرؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی اس بات پر کہ وہ ہر مسلمان کے خیر خواہ رہیں گے۔ لہٰذا انہوں نے حضرت مغیرہؓ کی خیر خواہی اس طرح کی کہ پبلک سے کہا کہ ان کے لیے بخشش کی دعا کریں۔ اور پھر پبلک کو اپنی بیعت کا حال سنا کر اور قسم کھا کر لوگوں کو بھی یقین دلایا کہ میں تم سب لوگوں کا خیر خواہ ہوں۔

۲۰۵

عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (ترمذی)

تشریح :۔ یعنی ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے جن جن لوگوں سے اس کا تعلق قائم ہو یا جنہیں وہ جانتا ہو ان میں سے چھوٹوں پر شفقت کرے اور بڑوں کی عزت کرے۔

۲۰۶

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ نیکی

میں سے کسی شے کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔ وہ اتنی ہی ہو کہ تو اپنے (مسلمان) بھائی سے کشادہ پیشانی سے ملے۔ (مسلم)

تشریح:- کسی کے ساتھ کشادہ پیشانی سے ملنے پر نہ تو کچھ خرچ ہوتا ہے اور نہ انسان کو اس کے لیے کوئی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ مگر جس کے ساتھ اس طرح خوش خلقی سے ملا جائے اس کا دل بہت خوش ہوتا ہے۔ اب چونکہ خوش خلقی سے پیش آنا نہ مہنگا کام ہے نہ مشکل ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اسے بہت چھوٹی نیکی سمجھ کر سوچے کہ اتنی چھوٹی سی نیکی کیا کرنی۔ لہٰذا حضورؐ نے فرمایا کہ نیکی چاہے بظاہر چھوٹی ہی نظر آئے اسے کرنے کے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ اگر کسی کو اتنی نیکی کرنے ہی کا موقع مل جائے کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے تو یہ بھی کرلے۔

۲۰۷

حضرت صفوان بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں شام گیا تو حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس ان کے مکان پر پہنچا۔ میں نے انہیں (گھر پر) نہ پایا مگر حضرت ام الدرداءؓ مل گئیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا اس سال حج کا ارادہ رکھتے ہو۔ میں نے کہا کہ جی ہاں فرمانے لگیں کہ پھر اللہ سے ہمارے لیے دعائے خیر کرنا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان شخص کی وہ دعا جو اس نے اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے اس کی غیر حاضری میں کی ہو (اللہ تعالیٰ کے ہاں) قبول ہوتی ہے۔ دعا کرنے والے کے سر کے پاس ایک موکل فرشتہ ہوتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو موکل فرشتہ کہتا ہے "آمین، اور تجھے بھی اسی کی مانند ملے" (صفوان بیان کرتے ہیں کہ) پھر میں بازار کی طرف گیا تو مجھے حضرت ابوالدرداءؓ ملے تو انہوں نے بھی مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایسے ہی

بنایا۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے لیے دعا کرنا بھی نیکی کا کام ہے اور ایسی دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کے لیے دعا کرنا، خصوصاً ایسی دعا جس کے مقبول ہونے کی بشارت دی گئی ہو بہت بڑا احسان ہے جو دعا کرنے والا اس پر کرتا ہے جس کے لیے وہ دعا کرتا ہے۔ مسلمانوں کی باہمی محبت کا یہ بھی ایک تقاضا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے دعا کریں۔

۲۰۸

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ایماندار شخص کسی مسلمان کے جنازے کے ہمراہ ثواب سمجھ کر چلتا ہے اور جب تک اس پر نماز پڑھ لی جائے اور دفن سے فراغت حاصل کر لی جائے اس کے ہمراہ رہتا ہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹتا ہے (ان میں کا) ہر قیراط اُحد (پہاڑ) کے برابر ہوتا ہے اور جو شخص جنازے پر نماز پڑھ لے، پھر قبل اس کے کہ اسے دفن کیا جائے، لوٹ آئے تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر لوٹتا ہے

(تجرید بخاری)

تشریح: یعنی مسلمان بھائی کے وفات پا جانے کے بعد بھی اس کے ساتھ حسن سلوک جاری رکھنے اور اسے آخر دم تک رفاقت دینے والے کے لیے بہت زیادہ ثواب ہے جنازہ پڑھنا اور میت کی بخشش کے لیے دعا کرنا اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے اور اسکے دفن ہو جانے اور آنکھوں سے اوجھل ہو جانے تک اس کے ساتھ رہنا گویا اُسے آخر دم تک رفاقت دینا ہے۔

۲۰۹

(ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ کے مہاجرین مدینہ منورہ آئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مہاجرین اور مدینہ منورہ کے انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کرایا۔ آپؐ ایک ایک مہاجر کو لیتے اور ایک ایک انصاری کو اور انہیں آپس میں بھائی بھائی بنا دیتے تھے اسے مؤاخاۃ کہا جاتا ہے یعنی بھائی چارہ)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں میرے مکان پر قریش اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا تھا۔ (مسلم)

۲۱۰

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور حضرت ابوطلحہؓ کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ (مسلم)

تشریح: اس مؤاخاۃ کے نتیجے میں مہاجرینؓ اور انصارؓ کے درمیان اس قسم کی محبت پیدا ہو گئی تھی اور انصارؓ نے ہجرت کر کے آنے والوں کے ساتھ اتنا حسن سلوک کیا تھا جس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ یہ باہمی محبت اور الفت ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے لیے ایک عمدہ نمونہ ہے جس کی پیروی کی جانی چاہیے۔ انصارؓ کے حسن سلوک کی ایک مثال ذیل کی حدیث میں ہے۔

۲۱۱

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا

تاکہ انہیں بحرین (کے علاقے) میں جاگیریں دیں تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ نے ایسا کرنا ہے تو ہمارے قریشی بھائیوں کے لیے بھی اتنی ہی جاگیریں لکھیں۔ مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنی جاگیریں نہ تھیں (کہ قریشی مہاجرین کو بھی دی جاتیں) حضورؐ نے فرمایا کہ (اے انصار) عنقریب میرے بعد تم دیکھو گے کہ دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی تو تم صبر کرنا یہاں تک کہ (قیامت کے دن) مجھ سے ملو۔ (بخاری)

تشریح :۔ جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے انصار نے اسلام اور مسلمان مہاجرین کی بہت زیادہ خدمت کی تھی۔ لہٰذا حضورؐ ان کے بہت قدردان تھے جب انہیں جائدادیں دی گئیں اور انہوں نے چاہا کہ ان کے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنی ہی جائیدادیں دی جائیں تو اس سے اور بھی زیادہ واضح ہو گیا کہ ان کے دلوں میں اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے کتنی گہری محبت تھی۔ حضورؐ نے ان کی قدردانی فرماتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد دنیوی امور میں دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی تو تم لوگ صبر سے کام لینا یہاں تک کہ قیامت کے دن مجھ سے ملو اور اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری خدمت دین اور مسلمان دوستی کا فیاضانہ اجر عطا فرمائے۔

ہمدردی اور امداد باہمی :

محبت ایک قلبی کیفیت ہے اور امداد اس کا عملی اظہار ہے اپنے مسلمان بھائی سے محبت ہونے کے علاوہ اس محبت کا عملاً اظہار بھی ہونا چاہیئے یعنی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کو پوری طرح محسوس کیا جائے۔ اور دکھ کو دور اور سکھ کو قائم رکھنے اور بڑھانے کی کوشش کی جائے۔

۲۱۲

حضرت نعمان رضؓ بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ (سب) مومن ایک شخص کی مانند ہیں کہ اگر اس کا سر دکھتا ہے تو (باقی) سب اعضائے بدن بھی بخار اور جاگتے رہنے میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔

(مسلم)

تشریح: اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ مومنوں کو ایک دوسرے سے ایسی محبت اور ہمدردی ہونی چاہیئے جیسے ایک جسم کے مختلف اعضاء کے درمیان ہوتی ہے کہ جب کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے اور جاگتا رہتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ سر کو درد ہو تو آنکھ کہے کہ مجھے کیا میں تو سوتی ہوں۔ بلکہ وہ سر کے درد کو اسی طرح محسوس کرتی ہے جیسے خود اپنے درد کو۔ یہی حال مومنوں کا ہونا چاہیئے کہ عالم اسلام میں کسی جگہ اگر کسی مومن کو کوئی دکھ پہنچے تو ضروری ہے کہ سارا عالم اسلام اسے اپنا ذاتی دکھ سمجھے اور اسے دور کرنے کی کوشش کرے۔

۲۱۳

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے میں اور ایک دوسرے پر رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت (کا سلوک) کرنے میں جسم کی مانند ہیں کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو (باقی) سارا جسم جاگتے رہنے میں اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔ (مسلم)

۲۱۴

حضرت ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

(ایک) مومن (دوسرے) مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے کہ اس کا ایک حصّہ اس کے دوسرے حصّے کو مضبوطی بخشتا ہے۔ (مسلم)

تشریح :۔ یعنی جس طرح ایک عمارت کے مختلف حصّے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو کر اور ایک دوسرے کو سہارا دے کر ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث بنتے ہیں اسی طرح ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور اتفاق کے رشتے میں منسلک ہو کر اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ کو محسوس کر کے اور ایک دوسرے کو امداد بہم پہنچا کر ایک دوسرے کی تقویت کا باعث بننا چاہیئے۔

۲۱۵

حضرت ابوالدرداؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کی عزت کو تنگی سے روکا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ سے آگ کو روکے گا۔ (ترمذی)

تشریح :۔ انسان کے پاس سب سے قیمتی شے اس کا دین ہے اور اس کے بعد اس کی عزت و آبرو، جان کا نمبر بھی عزت کے بعد ہی آتا ہے کیونکہ بسا اوقات انسان عزت بچانے کی خاطر جان دے دیتا ہے۔ جو مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی اس پیاری چیز یعنی عزت کو بچانے کے لیے اس کا مددگار ہو گا اللہ قیامت کے دن اسے آگ سے محفوظ رکھے گا۔ یہی مضمون ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ آگے آنے والی حدیث میں بیان ہوا ہے۔

۲۱۶

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ اور حضرت ابوطلحہؓ بن سہل انصاریؓ بیان کرتے ہیں

کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کو ذلیل کرے گا (یا اس کی مدد نہیں کرے گا) کسی ایسے مقام پر کہ اس (مسلمان) کی آبرو جاتی رہے اور اس کی عزت گھٹ جائے تو اللہ اسے ذلیل کرے گا۔ (یا اس کی مدد نہیں کرے گا) ایسے مقام میں جہاں وہ اس کی مدد پسند کرے گا اور جو شخص مدد کرے کسی مسلمان کی کسی ایسے مقام میں جہاں اس کی عزت گھٹتی ہو اور اس کی حرمت جاتی ہو تو اللہ مدد کرے گا اس کی ایسے مقام میں جہاں اُسے اس کی مدد پسند ہو گی۔

(ابوداؤد)

۲۱۷

حضرت ابو برزہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے خدا کے نبیؐ، مجھے کوئی ایسی شے سکھایئے جس سے میں فائدہ حاصل کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستے سے ایذا دینے والی چیز کو ایک طرف کر دیا کرو۔

(مسلم)

تشریح:۔ فائدہ حاصل کروں سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے لیے اجر و ثواب کا باعث بنے، کیونکہ صحابۂ کرامؓ اصل فائدہ خدا کی خوشنودی اور آخرت کے اجر و ثواب ہی کو سمجھتے تھے۔ راستے سے ایذا دینے والی چیز کو ایک طرف کر دینے سے کوئی ایسی شے بھی مراد ہو سکتی ہے جو راستے میں پڑی ہو اور راہ چلنے والوں کے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہو جیسے کہ احادیث ۱۱۸ اور ۱۱۹ میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی مسلمان کی راہ میں کوئی دقت ہو اور دوسرا مسلمان اس دقت کو رفع کر دے۔ ہر صورت میں اس نے اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف سے بچایا۔ لہٰذا حضورؐ کے فرمان کی رو سے یہ عمل اس کے فائدے کا باعث بنے گا۔

۲۱۸

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک درخت مسلمانوں کو تکلیف دیا کرتا تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے اسے کاٹ دیا (جس سے مسلمان تکلیف سے بچ گئے) تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگیا۔ (مسلم)

۲۱۹

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص کسی درخت کی (کانٹے دار) ڈالی کے پاس سے گزرا جو راستے میں پڑی تھی وہ کہنے لگا خدا کی قسم میں اسے مسلمانوں (کی راہ) سے ایک جانب کردوں گا تاکہ انہیں دکھ نہ دے۔ پس (اس نیکی کے باعث) وہ جنت میں داخل کردیا گیا۔ (مسلم)

۲۲۰

سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے دشمن کے حوالے کرتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوگا۔ اور جس نے کسی مسلمان کا کوئی دکھ دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے دکھوں میں سے اس کا کوئی دکھ دور کرے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (ترمذی)

(۲۲۱)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ پوچھا گیا کہ یارسولؐ اللہ، وہ کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ۔

۱۔ جب تو اُسے ملے تو اُسے سلام کر،

۲۔ اور جب وہ تیری دعوت کرے تو قبول کر،

۳۔ اور جب وہ تجھ سے نصیحت چاہے تو اسے نصیحت کر(یا جب وہ تجھ سے خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کر،)

۴۔ اور جب وہ چھینکے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے تو اُسے یَرْحَمُکَ اللہ کہہ (جس کا مطلب ہے کہ خدا تم پر رحم فرمائے)

۵۔ اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر۔

۶۔ اور جب وہ مرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔ (مسلم)

(۲۲۲)

حضرت حُصَینؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے پاس ایک سائل آیا اور آپ سے سوال کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں آپؓ نے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسولؐ ہیں اس نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کیا تو رمضان کے روزے رکھتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں (اس پر) حضرت ابن عباسؓ بولے کہ

تو نے سوال کیا ہے اور سائل کا بھی حق ہوتا ہے۔ اب ہم پر ضروری ہے کہ تیرے ساتھ حسن سلوک کریں۔ پھر اُسے ایک کپڑا عنایت کیا۔ اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جس مسلمان نے کسی مسلمان کو کوئی کپڑا پہنایا تو جب تک اس کپڑے کی کوئی دھجی پہننے والے کے جسم پر رہے گی پہنانے والا خدا کی حفاظت میں رہے گا۔ (ترمذی)

(۲۲۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قبیلہ) اشعر کے لوگ جب جہاد میں محتاج ہو جاتے ہیں یا مدینے میں ان کے اہل وعیال کا کھانا کم پڑ جاتا ہے تو جو کچھ ان (سب) کے پاس ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں جمع کر لیتے ہیں۔ پھر اسے ایک برتن سے (ناپ کر) آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں (حضورؐ نے ان لوگوں کے اس فعل کو قابل تعریف سمجھتے ہوئے فرمایا کہ) وہ مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔ (بخاری)

تشریح:۔ قبیلۂ اشعر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قبیلہ تھا۔ حضورؐ نے ان کی باہمی ہمدردی کی تعریف ایسے الفاظ میں فرمائی جو ان کے لیے بڑی عزت کا باعث تھے۔

صلح واتفاق:

بظاہر تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ جہاں محبت ہمدردی اور خیر خواہی ہو گی وہاں لڑنے جھگڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ کیونکہ دلوں کے اندر گھر کی ہوئی محبت مجبور کرے گی کہ ایک دوسرے کی زیادتی کو نظر انداز کر کے اور عفو درگزر سے

کام لیتے ہوئے صلح و اتفاق کو قائم رکھا جائے تاہم وہ شیطان جو حضورؐ کے فرمان کے مطابق انسان کے جسم میں اس طرح پھرتا ہے جیسے خون رگوں میں گردش کرتا ہے کبھی انسان کو اس بوالعجبی پر بھی تیار کر لیتا ہے کہ دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور خیر خواہی ہونے کے باوجود جھوٹی عزت نفس کو بہانہ بنا کر باہم جنگ و جدال شروع کر دیا جاتا ہے یا تعلقات منقطع کر لیے جاتے ہیں۔ پھر چاہے فریقین ایک دوسرے کی جدائی میں روتے تڑپتے ہی رہیں مگر وہی جھوٹی عزت نفس کا ڈھوکہ تعلقات کو دوبارہ قائم کرنے کی راہ میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا محبت، خیر خواہی ہمدردی اور امداد باہمی کی تلقین کر چکنے کے باوجود اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ باہمی صلح و اتفاق کو ایک علیحدہ سرخی بنا کر اس کے بارے میں حضورؐ کے فرامین کو بیان کیا جائے۔

ملت اسلامیہ کے باہمی تعلقات کی خرابی جس پیمانے پر بھی ہو سخت قابل اعتراض اور خدا کے غضب کو دعوت دینے والی شے ہے۔ گھر کے اندر دو بھائی آپس میں لڑتے ہوں یا عالمگیر پیمانے پر دو مسلمان ممالک باہم جنگ و جدال میں مصروف ہوں ہر دو صورتیں خدا کو طیش دلانے والی ہیں۔ لہٰذا ایک مومن کا فرض ہے کہ ہر کلمہ گو سے تعلقات درست رکھنے کی کوشش کرے چاہے وہ رشتے دار ہو یا ہمسایہ یا ہم شہر یا ہم ملک یا اسلامی بھائی۔ بعض لوگ بلکہ اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی مسلمان ملک کو کوئی تکلیف پہنچے تو غم سے چور ہو جائیں گے مگر اپنے مسلمان رشتے دار یا مسلمان ہمسائے سے لڑتے جھگڑتے کبھی محسوس نہ کریں گے کہ کوئی گناہ کا کام کر رہے ہیں۔ حالانکہ جو شخص جتنا زیادہ قریب ہو اتنا ہی اس کا حق زیادہ ہوتا ہے اگرچہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اگر دنیا کے کسی دوسرے کونے میں کسی مسلمان کو کوئی دکھ پہنچے اور یہ بات سن کر آپ کے دل کو تکلیف نہ ہو تو آپ کا ایمان کمزور ہے۔

صلح واتفاق کے بارے میں حضورؐ کی جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں ان میں مسلمان افراد کے درمیان صلح و اتفاق رہنے کی تاکید بھی ہے اور ملّتِ اسلامیہ کے درمیان بہ حیثیت مجموعی صلح واتفاق پر بھی زور دیا گیا ہے اور ملت کے درمیان پھوٹ ڈالنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ خود دوسروں سے صلح واتفاق رکھنے کی ہدایت بھی فرمائی گئی ہے اور دوسرے مسلمان افراد یا جماعتوں میں بے اتفاقی ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کروا دینے کی ضرورت کا بھی پر زور انداز میں احساس دلایا گیا ہے۔

۲۲۴

حضرت ابوایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے (مسلمان) بھائی کو تین (دن) سے زیادہ چھوڑے رکھے کہ دونوں ملتے ہیں تو ایک اس طرف منہ کر لیتا ہے اور دوسرا اس طرف منہ کر لیتا ہے اور ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے (اور اس طرح صلح کرنے کا آغاز کرے)۔ (بخاری)

تشریح:۔ عموماً جھوٹی عزّتِ نفس کا احساس انسان کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر تم نے خود کسی روٹھے ہوئے کو بڑھ کر منایا تو یہ ذلت کی بات ہے حالانکہ دینی نقطۂ نگاہ سے یہ عزّت کی بات ہے اور خود پہلے سلام کرنے والا حضورؐ کے فرمان کی رو سے دونوں میں سے بہتر ہوتا ہے۔

۲۲۵

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ پیر

اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور ہر اس بندے کو بخش دیا جاتا ہے جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو سوائے اس شخص کے کہ اس کے اور اس کے (مسلمان) بھائی کے درمیان عداوت ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔ (مسلم)

تشریح: کسی جملے کا دہرایا جانا یہ مطلب رکھتا ہے کہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا مقصود ہے اور اس پر زور دینا مطلوب ہے۔ یہ انسان کی بڑی بے نصیبی ہے کہ وہ اپنی انا کے کہے میں آکر اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ صلح کرنے سے گریز کرے اور پیر اور جمعرات کے دن جب جنت کے دروازے کھولے جائیں اور ہر وہ انسان بخشا جائے جو شرک نہ کرتا ہو تو وہ اس بخشش سے محروم رہ جائے۔ اُسے کیا معلوم کہ اب آئندہ پیر اور آئندہ جمعرات اس کی زندگی میں آئیں گے یا نہیں آئیں گے۔

۲۲۶

حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں اور حضرت معاذؓ کو (والی بنا کر) یمن کی طرف بھیجا اور (دونوں کو نصیحت کرتے ہوئے) فرمایا کہ (لوگوں پر) آسانی کرنا اور سختی نہ کرنا اور (انہیں) خوشخبری دینا اور (ڈرا ڈرا کر) متنفر نہ کر دینا اور آپس میں متفق رہنا اور پھوٹ نہ ڈالنا۔ (مسلم)

تشریح: جو کام کچھ لوگوں نے مل کر کرنا ہو اسے کرتے ہوئے جب وہ ذمہ دار لوگ آپس میں ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا اور بے کار اختلاف کرنا شروع کر دیں تو وہ کام خراب ہو کر رہتا ہے۔ گھروں کے اندر

اگر میاں بیوی آپس میں بے اتفاقی کریں گے تو گھر برباد ہوگا۔ کسی جماعت کے ذمہ دار لوگوں میں پھوٹ پڑ جائے گی تو وہ جماعت کمزور ہو جائے گی۔ کسی مملکت کے ذمّہ دار اور با اختیار لوگ آپس میں ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے لگیں گے۔ تو وہ مملکت زوال کا شکار ہو جائے گی۔ اور عالم اسلام کے مختلف ممالک، تحریکیں اور دوسرے گروہ جب معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی مذمت کرنے، ایک دوسرے کو برسر ناحق قرار دینے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے لگیں گے تو عالم اسلام شدید قسم کے نقصانات، کمزوری اور دشمنان دین کے ظلم و ستم کا لقمہ بن جائے گا۔

۲۲۷

حضرت ابو الدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جو درجے میں روزوں اور نماز اور صدقے سے افضل ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسول اللہ! ضرور بتائیے) آپؐ نے فرمایا کہ آپس میں صلح کرا دینا (نیز فرمایا کہ) آپس کی لڑائی اور بے اتفاقی مونڈنے والی ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کا درجہ کوئی ہلکا درجہ ہے۔ اُن کا درجہ تو بہت بلند ہے اور یہ تینوں عبادات دین کے بنیادی احکام سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو کچھ یہاں بیان کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا باہمی اتفاق بے انتہا ضروری ہے۔ اور اس اتفاق کو قائم رکھنے کے لیے دو مسلمان افراد یا گروہوں میں باہم صلح کرا دینا بہت ہی بڑی نیکی ہے۔ اگر کوئی شخص نماز روزے اور زکوٰۃ کا تو پابند ہوگا۔ مگر ساتھ ہی مسلمانوں کے درمیان پھوٹ بھی ڈالے گا اور ملّت اسلامیہ میں بے اتفاقی پیدا کرے گا اُسے بہ حیثیت

مجموعی کمزور کرنے کا باعث بنے گا تو اس کا نماز روزہ اور زکوٰۃ اسے اس گناہ کی سزا سے بچا نہیں سکیں گے ۔ کیونکہ اس نے ایک طرف تو خدا کے آگے سر جھکایا اور دوسری طرف خدا کے دین کو نقصان پہنچانے والے کام کیئے۔ حدیث کے آخر میں جو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ آپس کی لڑائی اور بے اتفاقی مونڈنے والی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ باہمی بے اتفاقی نیکیوں کو جڑ سے ختم کردیتی ہے یا دین کو جڑ سے مٹا دیتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہی مضمون ذیل کی حدیث میں بیان ہوا ہے ۔

۲۲۸

حضرت سعید بن مُسیّبؒ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتادوں جو بہت نمازیں پڑھنے اور صدقہ دینے سے افضل ہے۔ لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں (ضرور بتایئے) حضرت سعید بن مُسیّبؒ نے فرمایا کہ باہم صلح کرادینا اور (فرمایا کہ) تم بغض سے بچو کہ یہ خصلت نیکیوں کو مونڈنے والی ہے (مؤطا)

۲۲۹

(حضرت عائشہؓ بہت خیرات کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے حضرت ابن زبیرؓ کا خیال تھا کہ حضرت عائشہؓ حد مناسب سے بہت زیادہ خیرات کرتی ہیں۔ انہوں نے ان کی خیرات پر تنقید کی تو حضرت عائشہؓ نے ناراض ہو عہد کر لیا کہ اب بھانجے سے کبھی نہ بولوں گی۔ حضرت ابن زبیرؓ اس سے بہت پریشان ہوئے اور سفارشیں ڈلوائیں کہ کسی طرح وہ مان جائیں مگر وہ نہ مانیں۔ آخر حضرت

ابن زبیرؓ نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ننھیالی قبیلے بنو زہرہ کے دو بزرگوں کو بیچ میں ڈالا۔ اب صورت یہ ہوگئی کہ حضرت عائشہ رضؓ کا خیال تھا کہ چونکہ میں عہد کر چکی ہوں کہ حضرت ابن زبیرؓ سے نہیں بولوں گی اس لیے اب عہد توڑنا بڑی بات ہے مگر حضرت ابن زبیرؓ اور ان دونوں بزرگوں نے دباؤ ڈال کر صلح کروالی حضرت عائشہؓ نے عہد توڑنے کے کفارے کے طور پر غلام آزاد کیے تاہم جب انہیں اپنا عہد یاد آجاتا تو بہت روتیں)

عوف بن مالک بن طفیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو بتایا گیا کہ حضرت ابن زبیرؓ نے کسی بیع یا عطیے کے بارے میں جو حضرت عائشہؓ نے کسی کو دیا تھا کہا ہے کہ خدا کی قسم (حضرت) عائشہؓ کو (اتنا زیادہ خرچ کرنے سے) رک جانا چاہیئے ورنہ میں ان پر حَجر کروں گا (یعنی انہیں اپنے مال میں تصرف کرنے سے روک دوں گا۔) حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ کیا اس نے ایسا کہا ہے لوگوں نے کہا کہ جی ہاں۔ (اس پر) انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ کے لیے عہد کرتی ہوں کہ (آئندہ) ابن زبیرؓ سے کبھی بھی بات نہیں کروں گی۔ جب یہ جدائی لمبی ہوگئی تو حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عائشہ رضؓ تک سفارش پہنچائی لیکن انہوں نے فرمایا کہ نہیں، خدا کی قسم میں ہرگز سفارش قبول نہیں کروں گی نہ اپنا عہد توڑوں گی۔ پھر جب حضرت ابن زبیرؓ کو یہ (صورت حالات) شاق گزرنے لگی تو انہوں نے حضرت مِسْوَر بن مَخْرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث سے بات کی۔ وہ دونوں (رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ننھیالی قبیلے) بنو زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابن زبیرؓ نے ان سے کہا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھے حضرت عائشہ رضؓ کے پاس لے چلیں کیونکہ ان کے لیے جائز نہیں کہ میرے ساتھ قطع تعلق کرنے کا عہد کرلیں، چنانچہ حضرت مِسْوَر اور حضرت عبدالرحمٰن اپنی چادریں اوڑھے حضرت ابن زبیرؓ کو ساتھ لے کر چلے یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضؓ سے (اندر

آنے کی) اجازت مانگی۔ انہوں نے کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کیا ہم اندر آجائیں؟ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ ہاں آجاؤ۔ انہوں نے کہا کہ کیا سب کے سب آجائیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہاں سب کے سب آجاؤ اور وہ نہیں جانتی تھیں کہ ان دونوں کے ساتھ حضرت ابن زبیرؓ بھی ہیں۔ پھر جب وہ اندر آگئے (اور حضرت عائشہ رضؓ پردے کے پیچھے تھیں) تو حضرت ابن زبیرؓ پردے میں گھس گئے اور حضرت عائشہ رضؓ کے گلے لگ گئے۔ اور انہیں خدا کا واسطہ دینے اور رونے لگے۔ اور (ساتھ ہی) حضرت مسورؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بھی حضرت عائشہ رضؓ کو خدا کا واسطہ دینے لگے کہ ابن زبیرؓ سے بات کیجئے اور ان کے عذر کو قبول کیجئے۔ اور کہنے لگے کہ آپ جانتی ہی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات اور بول چال ترک کرنے سے منع فرمایا ہوا ہے۔ پس کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے (مسلمان) بھائی کو تین راتوں سے زیادہ چھوڑے رکھے (یعنی اس سے ملاقات اور بول چال ترک کیے رہے)۔ پھر جب انہوں نے حضرت عائشہ کو بہت زیادہ سمجھایا بجھایا اور اور اتنا اصرار کیا گویا کہ انہیں تنگ کر دیا تو وہ انہیں سمجھانے لگیں اور رونے لگیں اور کہا کہ میں نے عہد کیا ہوا ہے اور عہد کا معاملہ سخت ہوتا ہے تاہم وہ دونوں ان پر مسلسل دباؤ ڈالتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے حضرت ابن زبیرؓ سے بات کرلی (اور آپس میں صلح ہوگئی) اور حضرت عائشہؓ نے اپنے اس عہد کو توڑنے کے کفارے کے طور پر چالیس غلام آزاد کیے۔ اور اس کے بعد جب کبھی وہ اپنے عہد کو یاد کرتیں تو رونے لگتیں یہاں تک کہ ان کے آنسو ان کی اوڑھنی کو بھگو دیتے۔ (بخاری)

۲۳۰

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان

تلخ کلامی ہو گئی حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو غصہ دلایا۔ حضرت عمرؓ غصے کی حالت میں انہیں چھوڑ کر چلے گئے مگر حضرت ابوبکرؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے اور ان سے معافی چاہی مگر حضرت عمرؓ (اتنے غصے میں آ چکے تھے کہ انہوں) نے معاف نہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ (ابھی) دروازے کے باہر ہی تھے کہ حضرت عمرؓ نے دروازہ بند کر لیا۔ (یعنی حضرت ابوبکرؓ کو اندر نہ آنے دیا) پھر حضرت ابوبکرؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم اس وقت حضورؐ کے پاس ہی تھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوبکرؓ کے متعلق) فرمایا کہ تمہارے یہ دوست نیکی میں سبقت لے گئے ہیں۔ بعد میں حضرت عمرؓ (بھی) اپنے اس طرز عمل پر نادم ہوئے۔ چنانچہ وہ (بھی) آ گئے۔ آ کر سلام کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو (سارا) قصہ سنایا۔ حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ (یہ قصہ سن کر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آ گیا (غصہ اس بات پر آیا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے معافی مانگنے پر انہیں معاف کیوں نہ کیا) حضرت ابوبکرؓ نے یہ صورت دیکھی تو وہ الزام اپنے سر لینے لگے اور) کہنے لگے کہ خدا کی قسم یا رسول اللہؐ میں ہی زیادہ قصور وار تھا۔ مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کا غصہ دور نہ ہوا اور آپؐ) نے فرمایا کہ "کیا تم لوگ میری خاطر میرے دوست کو چھوڑ نہیں سکتے، کیا تم لوگ میری خاطر میرے دوست کو چھوڑ نہیں سکتے!" (یعنی کیا تم لوگ اس بات کا لحاظ نہیں کرتے کہ ابوبکرؓ میرے دوست ہیں۔ پھر حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ) میں نے کہا تھا کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسولؐ (بن کر آیا) ہوں، تو تم لوگوں نے کہا کہ آپ نے جھوٹ بولا۔ مگر ابوبکرؓ نے کہا کہ آپ نے سچ کہا۔ (بخاری)

تشریح:۔ حضرت ابوبکرؓ کا نیکی میں سبقت لے جانا یہ تھا کہ انہوں نے

پہلے حضرت عمرؓ سے معافی چاہی مگر حضرت عمرؓ نے جواہنیں معاف نہ کیا تو اس شے نے حضورؐ کو ناراض کردیا۔ اس حدیث میں حضرت ابوبکرؓ کی ایک سے زیادہ فضیلتوں کی طرف اشارہ ہے جن میں ایک بہت بڑی فضیلت یہ تھی کہ جب حضورؐ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو بالغ مردوں میں حضرت ابوبکرؓ پہلے تھے جو حضورؐ پر ایمان لائے اور بلاحیل وحجت ایمان لائے۔ اسی بات کی طرف حضورؐ نے حدیث کے آخر میں اشارہ فرمایا ہے۔ حضورؐ کی مراد یہ ہے کہ جب تم سب لوگوں نے میری تکذیب کی تھی تو اس وقت ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی تھی حضرت ابوبکرؓ کی دوسری فضیلت جو یہاں بیان ہوئی یہی ہے کہ انہوں نے پہلے معافی چاہی۔ اور صلح کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور تیسری فضیلت یہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اس واقعے نے حضورؐ کو ناراض کردیا ہے تو وہ کوشش کرنے لگے کہ قصور اپنے سر لے لیں۔ تاکہ حضورؐ حضرت عمرؓ سے زیادہ ناراض نہ ہوں۔

(۲۳۱)

حضرت ابومسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے سنا اور میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپؐ اس آیت کو اور طرح سے پڑھ رہے تھے۔ اس پر میں اس شخص کو لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو بتایا (کہ آپؐ تو اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہیں۔ لہٰذا میں بھی آپؐ ہی کی طرح پڑھتا ہوں مگر یہ شخص دوسری طرح پڑھتا ہے) اس پر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کا اثر محسوس کیا (گویا آپؐ نے میری اس بات کو پسند نہ فرمایا) اور آپؐ فرمانے لگے کہ تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو اور (نصیحت فرمائی کہ)

آپس میں اختلاف نہ کیا کرو کیونکہ جو تم سے پہلے تھے انہوں نے باہم اختلاف کیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاک ہو گئے۔ (بخاری)

تشریح: روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے سے اختلاف کر کے اور اس اختلاف کو شدت کا رنگ دے کر ملت میں بے اتفاقی کا بیج بویا جائے اگر کسی معاملے میں حضورؐ نے ایک سے زیادہ طریقے اختیار فرمائے تو سب درست تھے۔ جس نے جو طریقہ اختیار کر لیا اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا ایسے ہی اگر آپؐ نے کسی معاملے میں ایک سے زیادہ طریقے اختیار کرنے کو روا رکھا تو ان میں سے کسی ایک طریقے پر جم جانا اور دوسرا طریقہ اختیار کرنے والے پر نکتہ چینی کرنا ملت میں پھوٹ ڈالنے کی بنیاد رکھنا ہے۔ ایسے ہی اگر حضورؐ نے کسی معاملے میں رخصت سے کام لینے کو جائز قرار دیا ہو تو رخصت سے کام لینے والوں پر بے جا اعتراض کرنا اور اپنی پرہیزگاری جتانا ناروا طرزِ عمل ہے ملت کی باہمی بے اتفاقی کا ایک خاص سبب یہ بھی ہے کہ لوگوں نے چھوٹے چھوٹے مسائل پر ایک دوسرے سے الجھ الجھ کر اور ایک دوسرے کو غلط قرار دے دے کر ملت میں ان گنت فرقے پیدا کر دیئے ہیں جو غیر مسلموں میں اسلام پھیلانے کو اتنا ضروری خیال نہیں کرتے جتنا ضروری اس بات کو سمجھتے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو بدعتی اور دین سے ناواقف ثابت کریں۔ آخر میں جو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "جو تم سے پہلے تھے انہوں نے باہم اختلاف کیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاک ہو گئے" تو اختلافات کے باعث ہلاکت اس طرح آتی ہے کہ اختلافات بے اتفاقی پیدا کرتے ہیں، بے اتفاقی کمزوری کا ذریعہ بنتی ہے اور کمزوری کے باعث دشمن غالب آ کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ یہی مضمون ذیل کی حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔

۲۳۲

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں صبح سویرے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضورؐ نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو ایک آیت کے بارے میں باہم اختلاف کر رہے تھے۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور آپؐ کے چہرۂ مبارک پر غصے کے آثار تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے والے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ (اللہ کی) کتاب کے بارے میں باہم اختلاف کرتے تھے۔ (مسلم)

۲۳۳

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شیطان کا تخت سمندر پر ہوتا ہے۔ وہ (وہاں بیٹھ کر) اپنے دستے روانہ کرتا ہے اور وہ لوگوں میں فتنے پیدا کرتے ہیں۔ شیطان کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انداز ہو۔ (مسلم)

تشریح: یعنی انسانوں کے درمیان فتنے پیدا کرنے والی اصل ہستی شیطان ہے۔ پھر جنوں اور انسانوں میں سے جو جو اس کے کہے میں آکر انسانوں کے درمیان فتنے پیدا کرتے ہیں وہ دراصل شیطان ہی کے کارندے ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو جتنے زیادہ فتنے پیدا کرے اتنا ہی وہ شیطان کے نزدیک زیادہ معزز ہوتا ہے اور جو شیطان کے نزدیک معزز ہوتا ہے ظاہر ہے وہ خدا کی نگاہ میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ شیطان ازل سے انسان کا دشمن ہے۔ وہ اس بات کو

نہیں بھولا کہ انسان ذریعہ بنا تھا اس کے جنت سے نکالے جانے کا ۔ مگر انسان ایسا نادان ہے کہ اس ازلی دشمن کے بہکاوے میں آ کر دنیا میں بھی انسانی معاشرے میں فتنے پیدا کر کے اپنی اور دوسروں کی زندگی اجیرن کرتا ہے اور آخرت کی بہشت کو بھی ہاتھوں سے کھو دیتا ہے اور یہی شیطان کا مقصود ہے کہ انسان اس دنیا میں بھی دکھی رہے اور آخرت میں بھی عذاب کا شکار ہو ۔ بعض انسانوں میں فتنے پیدا کرنے کا اتنا ذوق ہوتا ہے کہ جب تک دو انسانوں کو باہم لڑا نہ لیں انہیں تسلی نہیں ہوتی ۔ ایسے لوگوں کو یاد کر لینا چاہیے کہ وہ کس دشمن کے کہے میں آ کر اپنے آپ کے ساتھ اتنی بڑی دشمنی کر رہے ہیں۔

۲۳۴

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے ۔ پھر اپنے دستے بھیجتا ہے (تاکہ لوگوں میں فتنے پیدا کریں) ابلیس کے نزدیک ان میں سے رتبے میں سب سے زیادہ مقرب وہ ہے جو ان میں سے سب سے بڑا فتنہ انداز ہو۔ ان میں سے ایک (ابلیس کے پاس) آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا مگر شیطان کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہیں کیا ۔ پھر ان میں سے ایک (اور) آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہیں کرا دی ۔ اس پر ابلیس اُسے اپنے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو کتنا اچھا ہے (اس حدیث کے ایک راوی) اعمش بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ (جنہوں نے مجھے حدیث بتائی) انہوں نے (یوں) روایت کیا کہ شیطان اپنے اس ساتھی کو (جس نے میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالی ہوتی ہے) اپنے ساتھ چمٹا لیتا ہے ۔ (مسلم)

تشریح :۔ بے اتفاقی کی ایک انتہائی گھناؤنی اور تکلیف دہ شکل یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو کر ایک گھر تباہ ہو جائے۔ چنانچہ شیطان کے جس کارندے نے یہ گھناؤنا کارنامہ سرانجام دیا ہوتا ہے اسے وہ اپنے قریب کر لیتا ہے یا اپنے ساتھ چمٹا لیتا ہے یعنی اس کی بہت عزت افزائی کرتا ہے۔ کیونکہ اس نے اس کے دشمن انسان کو سخت نقصان پہنچایا ہوتا ہے۔ اب انسانوں میں سے جو انسان شیطان کا کارندہ بن کر یہ فتنہ پیدا کرے اُسے سوچ لینا چاہیئے کہ وہ کتنا عذاب اپنے سر لے رہا ہے۔

۲۲۵

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ شیطان (اب) اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں نمازی اس کی عبادت کریں گے لیکن وہ انہیں باہم ایک دوسرے (کے ساتھ دشمنی کرنے اور لڑائیاں لڑنے) پر ابھارے گا۔ (مسلم)

تشریح :۔ حضورؐ کی زندگی ہی میں سارے عرب میں اسلام پھیل گیا تھا اور بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ لہٰذا حضورؐ نے فرمایا کہ اب شیطان اس میں تو کامیاب نہیں ہوگا کہ عربوں سے اپنی عبادت کروائے تاہم وہ انہیں ایک دوسرے پر ابھارے گا یعنی انہیں بھڑکانے کی کوشش جاری رکھے گا اور اگرچہ اپنی عبادت تو نہیں کروا سکے گا تاہم ایک دوسرے سے لڑوا کر انہیں گنہگار بنائے گا اور نقصان پہنچائے گا۔ چنانچہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ عرب ہی میں نہیں بلکہ سارے عالم اسلام میں دین سے دوری اور بے اتفاقی نے مسلمانوں کو دشمنوں کے لیے ترنوالہ بنا رکھا ہے اور یہ بے اتفاقی صرف انہیں لوگوں میں نہیں ہے جو دین اور دینی احکام سے لاپرواہ ہیں۔ بلکہ بڑے بڑے دیندار ایسے ہیں جو بزعم خود دین کی خدمت

کر رہے ہیں مگر ان کی سرگرمیوں کا زیادہ تر حصہ اسی کوشش پر مشتمل ہوتا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں اور دوسری دینی تحریکوں کو اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنائے رکھیں۔

۲۳۶

حضرت عرفجہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عنقریب میری امت میں فتنہ و فساد ہوں گے اور فتنہ و فساد ہوں گے اور جب اس امت میں اتفاق ہو اور کوئی ان میں پھوٹ ڈالنا چاہے (اور سمجھانے اور تنبیہہ کرنے کے باوجود باز نہ آئے) تو اسے تلوار سے مارو، وہ جو کوئی بھی ہو۔
(مسلم)

تشریح :۔ یہاں حضورؐ نے بے اتفاقی پیدا کرنے والوں کے لیے بڑے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں اور انہیں گردن زدنی قرار دیا ہے کیونکہ ملت میں بے اتفاقی پیدا کرنا ملت کو کمزور کرنا، اسے طرح طرح کی اذیتوں کا شکار کرنا اور اسے دشمنوں کا غلام بنانا ہے جو بہت ہی بڑا گناہ ہے اس کے مقابلے میں کچھ فتنہ پردازوں کی زندگی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

۲۳۷

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے۔

امام احمد کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کر دے یا حرام کو حلال کر دے۔ (ابوداؤد)

تشریح :۔ یہاں اس مسئلے کا ایک دوسرا پہلو واضح کیا گیا ہے وہ یہ

کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کراتے ہوئے اس چیز کا دھیان رکھنا ہوگا کہ صلح کرانے کی خاطر کسی حرام چیز کو حلال یا کسی حلال چیز کو حرام نہ کیا جائے۔ یعنی صلح کرانے کے لیے کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جسے اسلام نے گناہ قرار دیا ہے اور نہ کوئی ایسی پابندی لگائی جائے یا قبول کی جائے جسے لگانے یا قبول کرنے کی اسلام میں اجازت نہ ہو۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم ایک دینی حکم ہے لہٰذا اس کام کو دین کے اصولوں کے مطابق سر انجام دینا ہوگا۔ کیونکہ دین کے ایک حکم کو ملنے کے لیے اس کے کسی اور حکم یا احکام کی نافرمانی کرنا حماقت ہی نہیں گناہ بھی ہے۔

مساوات :

اسلام میں امیر اور غریب، بڑے اور چھوٹے، اعلیٰ اور ادنیٰ میں وہ فرق روا نہیں رکھا گیا جو بعض دوسری اقوام اور تہذیبوں میں پایا جاتا ہے۔ سب کلمہ گو ایک درجے کے ہیں اور غریب سے غریب آدمی بھی اپنی اہلیت کی بنا پر بڑے سے بڑا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ کسی مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنے والوں کو دیکھ لیجئے، اسلامی مساوات اپنی پوری وضاحت کے ساتھ نظر آجائے گی۔ نماز کی صفوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ آدمی سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی تک سب ٹخنوں سے ٹخنے اور کندھوں سے کندھے ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ حکم ہے کہ جو پہلے آجائے وہ اگلی صفوں کا حقدار ہے چاہے وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو اور جو بعد میں آئے وہ پیچھے کھڑا ہو چاہے کتنا ہی امیر کیوں نہ ہو۔ بعد میں آنے والے کا حق نہیں کہ کسی پہلے آنے والے کو اگلی صف کی جگہ سے محروم کر کے خود وہاں جا کھڑا ہو جائے۔ قانون کی نگاہ میں بھی سب امیر غریب ایک درجے پر ہوں گے۔ اور سلطنت کا حکمران بھی اگر کوئی ایسا جرم کرے گا جس کی شریعت نے کوئی معین سزا رکھی ہو تو اسے بھی وہ سزا سہنی ہوگی۔ اگر ایمان اور حسنِ عمل موجود ہو تو غریب کی غربت نہ صرف یہ کہ اس کے لئے کسی ذلت کا باعث نہیں ہوگی بلکہ بعض روایات میں اس کی فضیلت بیان ہوئی

ہے۔ ایسے ہی حسب نسب کے فخر کو بھی سخت ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔ کسی کے آباء و اجداد بڑے لوگ تھے یا چھوٹے اس کی اپنی عزت اس کے اپنے اعمال پر منحصر ہے نہ کہ آباء و اجداد کے بڑے یا چھوٹے ہونے پر۔ ایسے ہی ذاتوں اور برادریوں کو بھی اہمیت نہیں دی گئی۔ بلکہ ساری اہمیت انسان کے اپنے صحیح عقائد اور نیک اعمال کو دی گئی ہے چاہے اس کا کسی ذات اور کسی برادری سے تعلق ہو۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۳ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کو جاننے والا اور باخبر ہے"۔

اسلامی اخوّت کی رو سے مسلمانوں کے درمیان جو محبت، خیر خواہی، ہمدردی، امداد باہمی اور صلح و اتفاق مطلوب ہے اس کا یہ قدرتی تقاضا ہے کہ دولت حسب نسب، ذات، برادری، نسل، رنگ، زبان، علاقہ طبقہ غرض کہ کوئی شئے بھی دیوار بن کر ان کے درمیان کھڑی نہ ہو اور وہ سب "بڑے پن" یا "چھوٹے پن" سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے سے محبت اور ہمدردی کریں اور مل کر خدا کی رسّی کو تھامے رہیں۔

۲۳۸

حضرت زیدؓ بن حارثہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضورؐ کو بہت زیادہ عزیز تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے انہیں فوج کا سپہ سالار بھی بنایا تھا۔ حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ کو بھی آپؐ بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں آپؐ نے ایک

لشکر تیار فرمایا اور اس کا سالار حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو بنایا حالانکہ اس لشکر میں بڑے بڑے بزرگ صحابہؓ شامل تھے)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اس لشکر کا امیر حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کو بنایا (جو عمر میں بھی بعض اہل لشکر سے چھوٹے تھے۔ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کے بیٹے تھے جو غلام رہ چکے تھے) لہٰذا ان کے امیر لشکر بنائے جانے پر طعن کیا گیا (یعنی اس بات کو برا سمجھا گیا کہ وہ کم عمر اور آزاد کردہ غلام کے بیٹے ہوتے ہوئے امیر بنائے جائیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس کے امیر بنائے جانے پر طعن کرتے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کے امیر بنائے جانے پر بھی طعن کرتے تھے اور خدا کی قسم وہ امارت کے لائق تھا اور مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اور اس کے بعد یہ (یعنی حضرت اسامہؓ) مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔
(بخاری)

تشریح:۔ عربوں کے ہاں غلام اور آزاد میں بھی بہت فرق کیا جاتا تھا۔ اگرچہ حضورؐ نے حضرت زیدؓ کو آزاد کر دیا تھا تاہم چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے اس لیے لوگوں نے ان کے صاحبزادے کو غلام زادہ سمجھا۔ اور ان کی کم عمری بھی انہیں قابل اعتراض لگی کیونکہ عرب عمر اور تجربے کو بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔ حالانکہ ایک عقل مند اور دور اندیش انسان اگر کم عمر بھی ہو تو امکان ہے کہ وہ زیادہ عمر والے کم دور اندیش اور کم عقل رکھنے والے انسان کی بہ نسبت معاملات کو زیادہ بہتر طور پر سنبھال سکے۔

۲۳۹

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ قریش ایک مخزومی عورت کے

بارے میں فکر مند تھے، جس نے چوری کی تھی (اور حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا) قریش نے کہا کہ کون اس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم سے بات کرے۔ بعض نے کہا کہ اسامہؓ بن زیدؓ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کو محبت ہے۔ اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہی کہہ سکتے ہیں چنانچہ اسامہؓ نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

"کیا تم خدا کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟"

پھر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا۔ پھر فرمایا۔

"تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ ان میں جب کوئی شرف و عزت والا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔ خدا کی قسم، اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کریں تو البتہ میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔" (ترمذی)

۲۴۰

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا، صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی مومن کی دنیوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور فرمادے گا۔

اور جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی، حق تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا۔

اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی عیب پوشی کرے گا۔

اور جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی

اس کی امداد فرماتا رہتا ہے۔

اور جو شخص حصول علم کی راہ پر چلا۔ حق تعالیٰ اس کے سبب اس کے لیے بہشت کا راستہ آسان کر دے گا۔

اور جو لوگ خدا کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوئے اور اللہ کی کتاب کی تلاوت کی اور باہم اُسے پڑھتے پڑھاتے رہے تو ان پر سکون قلب اترتا ہے اور خدا کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان پر سایہ کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان (فرشتوں) کے درمیان کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں،

اور جس شخص کو اس کے عمل نے کامیاب کرنے میں دیر لگائی، اس کا نسب اسے کامیاب کرنے میں جلدی نہ کرے گا۔ (ریاض الصالحین بحوالہ مسلم)

تشریح: اس حدیث پاک میں مسلمانوں کی باہمی محبت، ہمدردی اور خیر خواہی کی فضیلت کے علاوہ اسلامی مساوات کو بھی واضح فرمایا گیا ہے عربوں کے ہاں حسب نسب کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ مگر اسلام میں اگر کسی اچھے حسب نسب والے کا عمل اچھا نہ ہوگا تو محض حسب نسب کی بنا پر اُسے کوئی فوقیت نہیں دی جائے گی۔ حج کے ارکان میں سے ایک رکن یہ ہے کہ ۹ ذوالحجہ کو سب حاجی عرفات کے میدان میں پہنچتے ہیں۔ اسلام سے پہلے بت پرست عرب بھی حج کرتے تھے مگر قبیلہ قریش اپنا اعزاز ظاہر کرنے کے لیے اپنے اور دوسرے قبائل میں یہ فرق کرتا تھا کہ دوسرے قبائل کے لیے تو عرفات تک جانا ضروری ہوتا مگر قریش عرفات تک نہ جاتے بلکہ اس سے پہلے والے میدان مزدلفہ تک پہنچ کر ہی واپس آجاتے اور اُسے اپنا ایک امتیاز شمار کرتے۔ پھر جب قرآن پاک نازل ہوا تو قریش کے اس فخر و امتیاز کو ختم کر دیا گیا۔ اور حکم دے دیا گیا کہ ہر حج کرنے والا عرفات تک ضرور جائے غرض کہ اللہ کے حضور میں تمام کلمہ گو برابر ہوتے ہیں چاہے کسی کا کسی بڑے

خاندان سے تعلق ہو یا چھوٹے سے۔

(۲۴۱)

(ابو سفیانؓ قبیلہ قریش کی شاخ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے فتح مکہ تک اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت مخالفت کی تھی پھر جب حضورؐ نے مکہ فتح کر لیا تو یہ بھی مسلمان ہو گئے۔ زیر بحث حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ ابو سفیان کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے جب ابھی وہ اسلام کے مخالف تھے۔ حدیث میں جن تین صحابہؓ یعنی حضرت سلیمانؓ، حضرت صُہیبؓ اور حضرت بلالؓ کا ذکر آتا ہے یہ کوئی رئیس لوگ نہ تھے بلکہ کمزور مسکین لوگ تھے۔ مگر دینی پایہ خدا کے فضل سے بہت بلند تھا۔ لہٰذا اہل اسلام کے نزدیک وہ بہت بلند رتبہ لوگ ہیں)

عائذ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان (اسلام لانے سے پہلے ایک دفعہ) چند لوگوں کی موجودگی میں حضرت سلمانؓ، حضرت صُہیبؓ اور حضرت بلالؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم (ابھی) اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن کی گردن کو پکڑنے کی جگہ سے نہیں پکڑا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے انہیں فرمایا کہ کیا تم لوگ قریش کے ایک بوڑھے شخص اور قریشیوں کے سردار کو یوں کہہ رہے ہو۔ پھر حضرت ابو بکرؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کو یہ بات بتائی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اے ابو بکرؓ شاید کہ تم نے انہیں ناراض کر دیا ہو (سن لو کہ) اگر تم نے انہیں ناراض کر دیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ (پھر) ان (تینوں) کے پاس گئے اور فرمایا کہ پیارے بھائیو کیا میں نے تمہیں ناراض کر دیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں عزیز بھائی (ہم ناراض نہیں ہیں) خدا تعالیٰ آپ کی بخشش فرمائے (مسلم

تشریح:۔ جب حضرت سلمانؓ ،حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ نے ابوسفیان کے متعلق سخت الفاظ استعمال کیئے تو حضرت ابو بکرؓ نے ٹوکا کہ وہ ایک بوڑھے شخص ہیں اور قبیلۂ قریش کے سرداروں میں سے ہیں تو تم لوگ اتنے سخت الفاظ کیوں استعمال کر رہے ہو۔ مگر جب حضورؐ کو اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا کہ ابوبکرؓ اگر تم نے انہیں ناراض کر دیا ہے تو تم نے اپنے ربّ کو ناراض کر دیا ہے جس پر حضرت ابوبکرؓ واپس ان کے پاس گئے اور تسلی کرنا چاہی کہ کہیں وہ ناراض تو نہیں ہو گئے۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اسلام میں اہمیت دولت اور عہدہ وجاہ کو نہیں بلکہ دینداری کو ہے۔ اگر مسکین لوگ بھی دینداری میں آگے ہوں تو وہ اتنے بلند رتبہ سمجھے جائیں گے کہ ان کے ناراض ہو جانے کے خیال سے صدیق اکبرؓ جیسے لوگ بھی پریشان ہو جائیں گے۔

۲۴۲

حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپؐ نے (صحابہؓ) سے فرمایا کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو (یعنی تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ شخص کیسا ہے) صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ اس قابل ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس سے نکاح کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے اور اگر بات کرے تو اسکی بات کو غور سے سنا جائے۔ حضرت سہلؓ کہتے ہیں کہ پھر حضورؐ خاموش ہو گئے پھر غریب مسلمانوں میں سے کوئی شخص پاس سے گزرا تو حضورؐ نے فرمایا کہ (اچھا) اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ تو معمولی آدمی ہے اور اس قابل ہے کہ اگر نکاح کا پیغام دے تو اس کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے اور اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش کو قبول نہ کیا جائے اور اگر بات کرے

تو اس کی بات کو غور سے نہ سنا جائے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا اس جیسے (امیروں) سے بھری ہوئی ہو تو ان سب سے یہ (غریب) بہتر ہے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں بھی وہی مضمون بیان ہوا ہے جو اس سے پہلے والی حدیث میں تھا کہ غریبی کسی کے پلّے کو کم نہیں کرتی اگر اس کے ساتھ دینداری موجود ہو۔ حدیث سے بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے کہ اول الذکر امیر اور صاحب حیثیت شخص کی نسبت آخر الذکر غریب دیندار زیادہ تھا۔ لہٰذا حضورؐ نے فرمایا کہ اول الذکر جیسوں سے دنیا بھری ہوئی ہو تو بھی آخر الذکر ان سب سے بہتر ہے۔

٢٤٣

حضرت ابوالدرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے اپنے کمزور غریب لوگوں میں تلاش کرو۔ کیونکہ تمہارے کمزور اور غریب لوگوں ہی کی وجہ سے تمہیں روزی دی جاتی ہے اور (دشمنوں کے مقابلے میں) تمہاری امداد کی جاتی ہے۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ کمزور اور غریب لوگوں کی وجہ سے روزی اور امداد دیئے جانے سے یا تو یہ مراد ہے کہ ان کی برکت سے خدا تمہیں روزی اور امداد دیتا ہے یا یہ ہے کہ ان کی دعا کے باعث تمہیں روزی اور امداد دی جاتی ہے۔ جو بھی مراد ہو بہر حال اس میں غریبی کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ حضورؐ کے اس فرمان سے کہ مجھے اپنے کمزور اور غریب لوگوں میں تلاش کرو بظاہر یہی مفہوم نکلتا ہے کہ اپنے غریب اور کمزور لوگوں سے تعلقات قائم رکھو اور ان سے حسن سلوک کرو تو میں تم سے خوش ہوں گا۔

اور خدا کے نبیؐ کا خوش ہونا ذریعہ ہوتا ہے خود خدا کے خوش ہونے کا کیونکہ نبیؐ تو اسی بات سے خوش ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی ہوگی ۔ کسی معاشرے کے امیروں اور غریبوں کا باہم ملنا جلنا اور ایک دوسرے سے حسنِ سلوک کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ معاشرے میں مساوات موجود ہے اس کے علاوہ یہ باہمی تعلقات دونوں طبقات کے اخلاق پر نہایت عمدہ اثر ڈالتے ہیں کیونکہ اس سے امیر کے دل سے احساس برتری دور ہوتا ہے اور غریب کے دل سے احساس کمتری اور چونکہ یہ دونوں چیزیں انسان کے لیے مضر ہیں اس لیے ان کے دور ہونے سے انسان کا اخلاق بہت بہتر شکل اختیار کر جاتا ہے ۔

۲۴۴

ابو اُمامہ بن سہل بن حُنَیف سے روایت ہے کہ ایک مسکین عورت بیمار ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بیماری کی خبر دی گئی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کی عادت تھی کہ آپؐ) مسکینوں کی عیادت کیا کرتے تھے ۔ اور ان کا حال پوچھا کرتے تھے پس آپؐ نے فرمایا کہ جب یہ وفات پا جائے تو مجھے خبر کرنا (وہ عورت وفات پا گئی) پس اس کا جنازہ رات کو اٹھایا گیا اور لوگوں نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ حضورؐ کو رات کے وقت) جگائیں (لہٰذا انہوں نے حضورؐ کو اطلاع دیئے بغیر ہی اسے دفن کر دیا) جب صبح ہوئی تو اس کے بارے میں حضورؐ کو بتایا گیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ اس (کی وفات) کے بارے میں مجھے خبر کرنا ۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں یہ بات پسند نہ آئی کہ آپؐ کو رات کے وقت جگائیں (اس لیے آپ کو اطلاع نہ دی) پھر حضورؐ نکلے اور اس کی قبر کے پاس لوگوں کی صف قائم کی اور چار تکبیریں کہیں ۔ (النسائی)

۲۴۵

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (حضرت علیؓ کے بھائی) حضرت جعفرؓ بن ابی طالب مسکینوں سے محبت رکھتے تھے اور ان کے پاس بیٹھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے اور مساکین ان سے باتیں کرتے تھے (ان کی اس صفت کے باعث) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوالمساکین رکھی تھی (یعنی مسکینوں کا باپ) (ابن ماجہ)

ایک دوسرے کی اصلاح :

باہمی محبت کا یہ قدرتی تقاضا ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کے لیے نیک انجامی کا خواہش مند ہو اور نیک انجامی اچھے اعمال پر منحصر ہوتی ہے اس لیے انسان جس کے بارے میں یہ خواہش رکھتا ہوگا کہ وہ دنیا میں بھی معزز رہے اور آخرت میں بھی دائمی کامیابی حاصل کرے اسے جب کوئی ایسا بُرا کام کرتے دیکھا جائے گا جو اس کی دنیا اور آخرت دونوں کو خراب کرنے والا ہوگا تو قدرتی طور پر یہ تمنّا پیدا ہوگی کہ وہ اس بُرے کام کو چھوڑ دے۔ لہٰذا ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ جب اپنے کسی مسلمان بھائی کو کوئی برائی کرتے دیکھے تو محبت، ہمدردی، خیر خواہی اور دانائی سے کام لیتے ہوئے مناسب اور مؤثر طریقے سے اُسے روکنے کی کوشش کرے۔

۲۴۶

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ تم میں سے ہر کوئی اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ پس اگر وہ اس میں کوئی برائی دیکھے تو اُسے اس سے دور کردے۔ (ترمذی)

تشریح: یعنی کوشش کرے کہ اس کی وہ برائی دور ہو جائے۔ آئینے کی تشبیہہ اس لیے بیان کی گئی ہے کہ آئینہ خاموشی سے انسان کو اس کے چہرے کے نقائص بتا دیتا ہے اور ان نقائص کے معلوم ہو جانے کے باعث پھر انسان انہیں دور کرنے کی کوشش کر لیتا ہے۔ ایسے ہی ایک مسلمان اگر اپنے کسی مسلمان بھائی میں کوئی خرابی دیکھے تو چپکے سے بغیر اُسے رسوا کیئے عقل مندی سے اُسے اس کا احساس دلا دے۔ اور کوشش کرے کہ اس کی وہ خرابی دور ہو جائے۔

(۲۴۷)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی امداد کرنا چاہیے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، جب وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کرتا ہوں۔ مگر جب وہ ظالم ہو تو فرمایئے کہ میں کس طرح اس کی مدد کروں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تو اسے ظلم کرنے سے روک دے کہ یہی اس کی امداد ہے۔ (بخاری)

سلام:

مسلمانوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کی ہدایت فرمانے کے علاوہ حضورؐ نے انہیں کچھ ایسے طریقے بھی بتائے ہیں جو باہمی محبت کو بڑھانے کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بکثرت ایک دوسرے کو سلام کیا جائے۔ سلام ایک بہت

بڑی دُعا ہے۔ السلام علیکم کا مطلب ہے کہ تم لوگ ہر قسم کی خرابی اور تکلیف سے محفوظ رہو۔

۲۴۸

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگے جب تک مومن نہ ہو۔ اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہوگے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں ایک ایسی چیز کی طرف تمہاری رہنمائی نہ کروں کہ جب تم اسے کرو تو تم ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ (وہ چیز یہ ہے کہ) آپس میں کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کرو۔ (ترمذی)

۲۴۹

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ خدائے رحمان کی بندگی کرو اور (لوگوں کو) کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب رواج دو تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگے۔ (ترمذی)

۲۵۰

حضرت عمرانؓ بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آیا اور کہا "السلام علیکم" اس پر رسولِ خدا صلّی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اس کے لیے) دس (نیکیاں ہیں) پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا " السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اس کے لیے) بیس (نیکیاں ہیں) پھر ایک اور آیا اور اس نے کہا " السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ " تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اس کے لیے) تیس (نیکیاں ہیں) (ترمذی)

تشریح :- سلام بذات خود دعا ہے اور یہ تینوں فقرے جن کا اس حدیث میں ذکر ہوا ہے یہ بھی دعائیں ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو سلام کرتے ہوئے جتنے دعائیہ فقرے زیادہ استعمال ہوں گے اتنی ہی نیکیاں بڑھتی جائیں گی۔

۲۵۱

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا اسلام بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تو کھانا کھلائے اور سلام کرے جس کو جانتے ہو (اس کو بھی) اور جس کو نہیں جانتے (اس کو بھی) (بخاری)

۲۵۲

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ کہا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمی ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ان میں پہلے سلام کون کرے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو اللہ کی رحمت سے زیادہ قریب ہو۔ (ترمذی)

تشریح :- مراد یہ ہے کہ جو پہلے سلام کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت

سے زیادہ قریب ہوگا۔

۲۵۳

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور کم تعداد والے لوگ زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔ (ایک راوی) ابن مثنیٰ نے اپنی حدیث میں اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ اس حدیث میں سلام کرنے کے سلسلے میں کچھ اصول بتا دیئے گئے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ سوار اور پیدل ایک دوسرے کو ملیں تو سوار پہلے سلام کرے اور پیدل جواب دے۔ ایسے ہی چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو پہلے سلام کریں اور وہ لوگ پھر جواب دیں۔ ایک راوی کے بیان کی رو سے چھوٹا پہلے سلام کرے اور بڑا جواب دے۔ یہ عام اصول ہیں جو بتا دیئے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم رہے کہ کس صورت میں کس نے پہلے سلام کرنا ہے۔ اور کس نے جواب دینا ہے۔ تاہم حدیث ۲۵۲ میں جو بیان ہوا ہے کہ پہلے سلام کرنے والا خدا کی رحمت سے زیادہ قریب ہوگا وہ بھی اپنی جگہ درست ہے کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو یہ عمدہ دعا دینے میں پہل کرے گا وہ بہرحال خدا کی رحمت کا مستحق ہوگا۔

۲۵۴

یسار بیان کرتے ہیں کہ میں ثابت بنانی کے ساتھ جا رہا تھا۔ وہ کچھ بچوں

کے پاس سے گزرنے تو انھوں نے بچوں کو سلام کیا ، پھر ثابت نے بیان کیا کہ میں حضرت انسؓ کے ساتھ تھا وہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو انھوں نے بچوں کو سلام کیا پھر حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ حضورؐ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے بچوں کو سلام کیا۔ (ترمذی)

تشریح: یعنی اصولاً اگرچہ چھوٹے کو چاہیئے کہ بڑے کو پہلے سلام کرے اور بڑا اس کا جواب دے تاہم اگر بڑا بھی بچوں کو سلام کرلے تو درست ہے۔

۲۵۵

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ عزیز بیٹے جب تم اپنے گھر والوں کے پاس آؤ تو سلام کرو، اس سے تم پر اور تمہارے گھر والوں پر برکت ہوگی۔ (ترمذی)

۲۵۶

ابو تمیمہ ہجیمی اپنی قوم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا مگر نہ کرسکا پھر میں بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ ہیں اور ان میں حضورؐ بھی ہیں مگر میں آپؐ کو پہچانتا نہ تھا۔ وہ ان لوگوں کے درمیان صلح کرا رہے تھے۔ پھر جب آپؐ فارغ ہوئے تو ان میں سے بعض لوگ آپؐ کے ساتھ اٹھے اور انھوں نے کہا، "یارسول اللہ" جب میں نے یہ دیکھا تو مجھے پتہ چل

گیا کہ حضورؐ کون ہیں اور) میں نے عرض کیا "عَلَیْكَ السَّلام یارسولؐ اللّٰہ، عَلَیْكَ السّلام یارسولؐ اللّٰہ، عَلَیْكَ السّلام یارسولؐ اللّٰہ" (یعنی آپؐ پر سلامتی ہو اے خدا کے رسولؐ) حضورؐ نے فرمایا کہ عَلَیْكَ السّلام مُردوں کا سلام ہے (یعنی مُردوں کو سلام کرتے ہوئے عَلَیْكَ السّلام کہا جاتا ہے) پھر میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو کہے السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ۔ پھر رسول خدا صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے مجھے سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا وعَلَیْكَ وَرَحْمَۃ اللّٰہ، وعلیک ورحمۃ اللّٰہ، وَعَلَیْكَ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ، (یعنی تم پر بھی سلام ہو اور خدا کی رحمت ہو) (ترمذی)

ہدیہ:

باہمی محبت بڑھانے کے جو طریقے حضورؐ نے ہدایت فرمائے ہیں ان میں دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو تحفے دیے جایا کریں۔ حضورؐ کے فرمان کے مطابق تحفے کا لین دین دلوں میں ایک دوسرے کی محبت پیدا کرے گا۔ تحفے کے متعلق چند اصولی باتیں ذہن نشین کرلینی چاہئیں۔ ایک یہ کہ تحفے کے لیے بہت زیادہ قیمتی ہونا ضروری نہیں۔ اپنی استطاعت کے مطابق جیسا بھی تحفہ انسان دے سکے دے دے۔ اس انتظار میں نہ رہے کہ کوئی بڑا قیمتی تحفہ دینے کی استطاعت ہو تو تحفہ دوں۔ دوسرے اگر کوئی تحفہ دے تو جواباً تحفہ دیا جائے کیونکہ حضورؐ تحفے کے جواب میں تحفہ دیا کرتے تھے۔ اور تیسرے جو شئے کسی کو دے دی جائے اُسے واپس نہ لیا جائے کہ اُسے سخت ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے۔

۲۵۷

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے مسلمان عورتو، کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن (کے ساتھ تحفے کا لین دین کرنے) کے لیے حقیر نہ سمجھے چاہے بکری کا کھُر ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری)

تشریح :۔ بکری کے کھُر سے مراد یہ ہے کہ چاہے کوئی کتنی ہی معولی چیز کیوں نہ ہو اُسے تحفے کے طور پر دیا جا سکتا ہے۔ دینے والی یہ خیال نہ کرے کہ چیز معمولی ہے اسے تحفے کے طور پر دینا ٹھیک نہیں۔ اور جسے تحفہ دیا جائے وہ بھی معمولی تحفے کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ اگر کسی میں اتنی استطاعت ہو کہ قیمتی تحفہ دے سکے تو بے شک وہ قیمتی تحفہ دے۔ لیکن اگر مالی حالت قیمتی تحفہ دینے کی اجازت نہ دیتی ہو تو پھر تحفہ دینے سے رُک نہیں جانا چاہیئے بلکہ جس قسم کا تحفہ دینے کی بھی استطاعت ہو دیا جائے تاکہ باہمی تعلقات پر تحفے نے جو خوش گوار اثر ڈالنا ہے اس سے انسان محروم نہ ہو جائے۔

۲۵۸

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے ایسی دعوت میں مدعو کیا جائے۔ جہاں ضیافت کا سامان (ذبیحہ جانور کا) ایک دست یا ایک پایہ ہو تو بھی میں اس دعوت کو قبول کروں گا اور اگر مجھے ایک دست یا ایک پایہ بطور ہدیہ دیا جائے تو بھی میں اُسے قبول کر لوں گا۔ (بخاری)

تشریح :- اس حدیث میں بھی وہی مضمون بیان ہوا ہے جو اس سے پہلے والی حدیث میں بیان ہو چکا ہے یعنی اس خیال میں نہیں رہنا چاہیئے کہ کوئی قیمتی چیز ہو تبھی تحفہ دیا جائے۔ تحفے کا لین دین جاری رہنا چاہیئے چاہے معمولی تحفے ہی دیئے جا سکیں۔ تحفے کے ساتھ قیمتی ہونے کی پابندی لگانے سے تحفے کا لین دین رک جائے گا یا بہت کم ہو سکے گا۔ اس لیے حضورؐ نے معمولی معمولی چیزوں کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ اگر تحفے کے طور پر اتنی معمولی چیزیں ہی دی جائیں تو بھی ٹھیک ہے۔

۲۵۹

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔ (یعنی ہدیے کے عوض خود بھی ہدیہ عطا فرمایا کرتے) (بخاری)

۲۶۰

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہبہ کر کے واپس لینے والا اس کتے کی مانند ہے جو قے کرے اور پھر اسے کھائے۔ (بخاری)

تشریح :۔ اوپر نوٹ میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضورؐ نے اس بات کو شدید طور پر ناپسند فرمایا ہے کہ جو شے کسی کو دی جا چکی ہو اسے پھر واپس لیا جائے۔

۲۶۱

حضرت عمرؓ بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک گھوڑا راہِ خدا سواری کے لیے دیا۔ گھوڑا جس کے پاس تھا اس نے اسے ضائع کر دیا (یعنی اس کا دھیان نہ رکھ سکا لہٰذا وہ خراب ہوگیا) پس میں نے چاہا کہ میں اسے اس شخص سے خرید لوں اور میرا خیال تھا کہ وہ اسے سستا بیچ دے گا۔ میں نے اس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے نہ خریدنا چاہیے وہ شخص اُسے تجھے ایک درہم ہی کے بدلے کیوں نہ دے دے۔ کیونکہ اپنے صدقے کو واپس لینے والا اس کُتے کی مانند ہے جو اپنی قے کھاتا ہے۔ (بخاری)

۲۶۲

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ہی اچھا تحفہ ہے دودھ دینے والی عمدہ اونٹنی اور عمدہ بکری جو صبح و شام برتن کو دودھ سے بھر دیتی ہے۔ (بخاری)

تشریح:۔ انسانی ضروریات میں غذا کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ لہٰذا کسی کو کوئی ایسا تحفہ دینا جو غذا بہم پہنچائے نہایت عُمدہ تحفہ ہوتا ہے۔ غذاؤں میں بھی دودھ کی اہمیت خاص طور پر زیادہ ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسی غذا ہے جو بڑوں اور بچوں سب کے استعمال میں آسکتی ہے اور سب کے لیے مفید ہوتی ہے۔

دعوت :

باہمی تعلقات اور محبت بڑھانے کا تیسرا ذریعہ دعوت ہے۔ ذیل کی احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضورؐ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ کسی کو دعوت پر بلایا جائے اور وہ جانے سے انکار کرے۔ البتہ اگر کسی کے پاس کوئی شرعی عذر ہو تو علیحدہ بات ہے۔ مثلاً اُسے معلوم ہو کہ وہاں حرام غذائیں پیش کی جائیں گی۔ یا خدا کی نافرمانی کے کام ہوں گے۔ یا غیر شرعی حرکات کی جائیں گی وغیرہ۔

۲۶۳

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم دعوت میں بلائے جاؤ تو آؤ۔ (مسلم)

۲۶۴

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو شادی کی دعوت پر بلایا جائے تو ضرور شرکت کرے۔ (مسلم)

۲۶۵

حضرت ابن عمرؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کرتے تھے کہ (آپؐ نے فرمایا کہ) جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو دعوت پر بلائے تو اُسے قبول کرنا چاہیئے، چاہے وہ شادی کی دعوت ہو یا اسی کی مانند (کسی اور قسم کی) (مسلم)

۲۶۶

حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ بدترین کھانا اس دعوت کا کھانا ہے جس میں دولت مند لوگ بلائے جائیں اور غربار کو چھوڑ دیا جائے اور جس نے دعوت کو چھوڑ دیا (یعنی مدعو ہونے کے باوجود اس میں شرکت نہ کی) تو اس نے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ (بخاری)

باب ۷

باہمی ایذارسانی کی ممانعت

ایذارسانی بھی کئی اقسام کی ہوتی ہے مثلاً کسی کی جان لینی، کسی کی عزت پر حملہ کرنا، کسی کا مال چھیننا، کسی کو جسمانی تکلیف پہنچانی، کسی کو اس کے حق سے محروم کر دینا، کسی کے خلاف ریشہ دوانیاں کر کے اسے اس کے مقاصد میں ناکام کروا دینا، زبان چلا کر کسی کے دل کو تکلیف پہنچانی غرض کہ اذیت پہنچانے کی ان گنت شکلیں ہیں اور ایک مسلمان سے یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ کسی شکل میں بھی اپنے مسلمان بھائی کو اذیت نہ پہنچائے۔ ذیل کی احادیث میں اذیت دینے کی مختلف شکلوں کا ذکر کر کے ان کی مذمت فرمائی گئی ہے اور ان سے روکا گیا ہے۔

(۲۶۷)

حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (حجۃ الوداع میں) قربانی کے دن رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس دن کا اس کے اپنے نام کو چھوڑ کر کوئی اور نام بتائیں گے (مگر) حضورؐ نے فرمایا کہ کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (یہ قربانی کا دن ہی ہے) آپؐ نے فرمایا کہ یہ کونسا مہینہ ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپؐ خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس مہینے کے اپنے نام کو چھوڑ کر اس کا کوئی اور ہی نام بتائیں گے (مگر) آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (یہ ذوالحجہ ہی ہے پھر) آپؐ نے فرمایا کہ یہ کونسا شہر ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپؐ خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپؐ اس شہر کے اپنے نام کو چھوڑ کر اس کا کوئی اور ہی نام بتائیں گے (مگر) حضورؐ نے فرمایا کہ کیا یہ پاک شہر نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ کیوں نہیں (یہ پاک شہر ہی ہے) آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینے میں تمہارے آج کے دن کی حرمت ہے (اور یہ حرام ہی رہیں گے) اس دن تک جب تم اپنے رب سے ملو گے (یعنی قیامت تک۔ پھر آپؐ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ) آگاہ رہو، کیا میں نے (تمہیں خدا کا) پیغام پہنچا دیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے خدا تو گواہ رہ (پھر آپؐ نے لوگوں کو تلقین فرمائی کہ) جو حاضر ہے وہ اس بات کو اس شخص تک پہنچا دے جو حاضر نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات وہ شخص جسے بات پہنچائی جاتی ہے اسے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے بہ نسبت اس شخص کے جس نے (وہ بات براہ راست) سُنی ہوتی ہے۔ (پھر آپؐ نے لوگوں کو نصیحت

فرمائی کہ) میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (بخاری)

تشریح :- ذوالحجہ کا مہینہ، قربانی کا دن اور مکہ مکرمہ کا شہر اپنی حرمت کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح تمہارے اس شہر میں تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس دن کی حرمت ہے اسی طرح تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر حرام ہیں کہ بغیر کسی عذر شرعی کے تم ایک دوسرے کی جان یا مال پر کسی قسم کا حملہ نہیں کر سکتے بخاری، کتاب المناسک میں ایک اور جگہ یہ حدیث بیان ہوئی ہے جس میں خونوں اور مالوں کے ساتھ عزتوں کا بھی ذکر ہے۔ یعنی تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ ایسے ہی بخاری کتاب الفتن میں ایک جگہ یہ حدیث بیان ہوئی ہے اور وہاں خونوں، مالوں اور عزتوں کے علاوہ کھالوں کا بھی ذکر ہے۔ یعنی تمہارے خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اور تمہاری کھالیں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ حدیث کے آخر میں حضورؐ کا جو فرمان نقل ہوا ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے ایک دوسرے کی گردنیں مارنے کو حضورؐ نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔

۲۶۸

حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ، کونسا اسلام افضل ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ (اس شخص کا اسلام) جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔ (تجرید بخاری)

تشریح : انسان جب کسی پر ظلم کرتا ہے اور اسے کسی قسم کی جسمانی، مالی یا ذہنی اذیت دیتا ہے تو اس کے لیے وہ عموماً اپنے دو اعضاء ہی زیادہ استعمال کرتا ہے۔ یعنی ہاتھ اور زبان۔ لہٰذا کسی کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ ہونے

کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس کی ہر قسم کی شر اور ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ ہے۔ لہٰذا حضورؐ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اس مسلمان کا اسلام افضل ہے جو دوسرے مسلمانوں کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہ پہنچائے۔

۲۶۹

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔ (بخاری)

تشریح: اس فرمان کو سامنے رکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان افراد ایک دوسرے کو گالیاں دینے میں کس قدر بے باک ہیں اور مسلمان اقوام ایک دوسرے کے ساتھ جنگ وجدال کرنے میں کتنی نڈر ہیں۔ جب مسلمان افسر اپنے ماتحتوں کے لیے یا کوئی صاحب خانہ یا گھر کی مالکہ اپنے اہل خانہ یا ملازموں کے لئے یا ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کے لیے یا ایک رشتے دار دوسرے رشتے دار کے لیے یا ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے لیے گندی اور قابل گرفت زبان استعمال کرتا ہے تو اسے بالکل یاد نہیں ہوتا کہ وہ فسق یعنی خدا کی نافرمانی کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اور جب ایک مسلمان ملک تھوڑی سی زمین کی خاطر یا کسی وسیلۂ رزق پر قبضہ کرنے کی خاطر یا ایسے ہی نسل، رنگ، علاقے اور زبان کے تعصب کی خاطر دوسرے مسلمان ملک سے جنگ چھیڑ دیتا ہے تو اُسے بھولے سے بھی خیال نہیں آتا کہ وہ کفر کا ارتکاب کر رہا ہے، بلکہ ایسی جاہلانہ جنگوں میں ہلاک ہو جانے والوں کو کمال ڈھٹائی سے "شہید" کہا جاتا ہے۔

۲۷۰

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (بخاری)

تشریح :۔ یہ ہتھیار اٹھانا چاہے فرد کا فرد پر ہو یا جماعت کا جماعت پر یا قوم کا قوم پر مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے جس صورت میں بھی عذر شرعی کے بغیر ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھائیں گے اسی وعید کے مستحق ہوں گے جو اس حدیث میں سنائی گئی ہے۔

(۲۷۱)

حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک نے اپنے (دوسرے) بھائی پر ہتھیار اٹھایا ہو تو وہ دونوں جہنم کے کنارے پر ہوتے ہیں۔ پھر جب ایک نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا تو دونوں اکٹھے جہنم میں داخل ہوں گے۔ (ابن ماجہ)

تشریح :۔ یہ اس صورت میں ہے جب دونوں ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہتے ہوں اور ایک کامیاب ہو گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر دوسرے کا بس چل جاتا تو وہ پہلے کو قتل کر دیتا۔ لہٰذا اپنی بُری نیتوں کے باعث دونوں دوزخ کے مستحق ہو جائیں گے قاتل بھی اور مقتول بھی، لیکن اگر ایک دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہو اور دوسرا صرف اپنے دفاع میں لڑ رہا ہو تو پھر وہ دوسرا مجرم نہیں اور نہ وہ جہنم کا مستحق ہوگا چاہے اس کے ہاتھوں قتل کرنے کی خواہش رکھنے والا قتل ہی کیوں نہ ہو جائے۔

(۲۷۲)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جس نے ہمیں دھوکا دیا وہ (بھی) ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم)

تشریح:۔ کسی پر ہتھیار اٹھانے کے لیے تو پھر بھی کچھ نہ کچھ اہتمام کرنا پڑتا ہے مگر صد افسوس کہ ایک دوسرے کو دھوکا دینا تو اتنا عام ہو چکا ہے کہ اس کی عمومیت نے زندگی اجیرن کر دی ہے۔ تاجر لوگ ملاوٹ، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعے گاہکوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ مصنوعات بنانے والی اور دوائیاں تیار کرنے والی کمپنیاں ناقص اشیاء فراہم کر کے عوام کو دھوکا دیتی اور ان کی زندگی سے کھیلتی ہیں۔ حکمران اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنی غلط اور مضر پالیسیوں کو صحیح اور مفید ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے رعایا کو دھوکا دیتے ہیں اور رعایا ملکی قوانین کے جائز احکام سے بچ نکلنے کے حیلے تلاش کر کے حکمرانوں کو دھوکا دیتی ہے۔ گھروں میں لبسا اوقات شوہر بیویوں کو اور بیویاں شوہروں کو دھوکا دینے سے نہیں چوکتیں۔ اور آقا ملازموں کو اور ملازم آقاؤں کو فریب دینا گناہ نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ سبھی مسلمان کہلاتے ہیں اور دھوکا دینا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اسے ہتھیار اٹھانے کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اور باہم ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھانے والوں اور باہم ایک دوسرے کو دھوکا دینے والوں کو ایک ہی وعید سنائی گئی ہے کہ "وہ ہم میں سے نہیں"

۲۷۳

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اسے (اس بات پر) ابھار دے کہ اس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار چل جائے (جس سے مسلمان بھائی کو ضرر پہنچ جائے اور)

نتیجہ یہ ہو کہ وہ (ہتھیار سے اشارہ کرنے والا) جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔
(بخاری)

تشریح :۔ یعنی یہاں تک احتیاط سکھائی گئی ہے کہ کسی مسلمان بھائی پر ارادتاً ہتھیار اٹھانا تو درکنار ہتھیار سے اس کی طرف اشارہ بھی نہ کیا جائے کہ کہیں شیطان جو حضورؐ کے فرمان کے مطابق انسان کے جسم میں خون کی طرح پھرتا ہے اسے بہکا کر اس سے وہ ہتھیار چلوا نہ دے۔

۲۷۴

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کچھ تیر لے کر مسجد سے گزرا تیروں کے پھل باہر نکلے ہوئے تھے تو اُسے حکم دیا گیا کہ تیروں کے پھلوں کو پکڑ لے تاکہ وہ کسی مسلمان کو خراش نہ لگا دیں۔ (بخاری)

تشریح :۔ ان احتیاطوں کی روشنی میں غور کرنا چاہیئے کہ اگر غیر ارادی طور پر کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچانے کے بارے میں بھی اتنی احتیاط کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے تو پھر جو لوگ ارادتاً اپنے مسلمان بہن بھائیوں کو دکھ پہنچاتے اور انہیں اذیت پہنچانے کے پروگرام بناتے ہیں وہ کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

۲۷۵

حضرت واثلہؓ بن اسقعؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر ورنہ خدا اس پر رحم فرمائے گا اور تجھے (مصیبت میں) مبتلا کر دے گا۔ (ترمذی)

تشریح :۔ یہ دینی بے حسی کی انتہا ہے کہ جن کے دکھ پر دکھی ہونا متوقع ہو ان کی مصیبت پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ ایسے اوقات میں انسان یہ بھی بھول جاتا ہے کہ نہ دکھ کو دوام ہے نہ سکھ کو۔ ہو سکتا ہے کل اللہ تعالیٰ ہمارے ان مصیبت زدہ بہن بھائیوں پر رحم فرما دے اور ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دے۔

(۲۷۶)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس کے تعلقات کو خراب کرنے سے بچو کیونکہ یہ تمہیں مونڈنے والی ہے (یعنی دین کو یا نیکیوں کو برباد کر کے رکھ دیتی ہیں) (ترمذی)

تشریح :۔ بعض لوگ معاشرے میں اپنی دینداری اور نیکی کے لیے مشہور ہو جاتے ہیں مگر ان کے مزاج کی گرمی کا یہ حال ہوتا ہے کہ ذرا کسی کی بات کی سہار نہیں ہوتی۔ معمولی معمولی باتوں پر مشتعل ہو کر لوگوں سے تعلقات بگاڑ لیتے ہیں اور اپنے اس غصیلے پن اور کرختگی کو "عزت نفس" اور "غیرت" کا نام دیتے ہیں۔ یہ جھوٹی عزت نفس نہ صرف یہ کہ ان کی دینداری یا نیکیوں کو برباد کرتی ہے بلکہ دین کی بدنامی کا باعث بھی بنتی ہے۔ ایک شخص پانچ فرض نمازوں کے علاوہ تہجد بھی پڑھتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ہر ایک کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے تو وہ دین کے مخالفین کو یہ موقع فراہم کر رہا ہے کہ وہ دین اور دینداروں پر زبان طعن دراز کریں۔

(۲۷۷)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

بچو تم بدگمانی سے کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے، اور کسی کی بات پر کان نہ لگاؤ اور ٹوہ میں نہ رہا کرو اور ایک دوسرے کے مقابلے میں حرص نہ کرو، اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے کی طرف پیٹھ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو (آپس میں) بھائی بھائی بن جاؤ۔ (مسلم)

۲۷۸

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کے مقابلے میں دھوکا دینے کے لیے اشیاء کی قیمتیں بڑھاؤ، اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے کی طرف پشت کرو اور نہ ایک دوسرے کی خرید فروخت پر خرید و فروخت کرو اور اے خدا کے بندو (آپس میں) بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے ذلیل وخوار کرتا ہے (یا نہ اُسے دشمن کے حوالے کرتا ہے) اور نہ اُسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ پرہیزگاری اس جگہ ہے اور آپؐ نے تین دفعہ اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کیا (اور فرمایا کہ) آدمی کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا سب کچھ حرام ہے، اس کا خون بھی اور اس کا مال بھی اور اس کی عزت بھی۔ (مسلم)

تشریح:۔ مراد یہی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کسی قسم کی بھی تکلیف نہ پہنچائے اور اس کے ساتھ کسی قسم کی بھی زیادتی نہ کرے۔ مسلم، کتاب الجنۃ الخ میں حضرت عیاض بن حمار نے ایک حدیث بیان کی ہے جس میں حضورؐ کی طرف سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے میری

طرف وحی کی ہے کہ تم لوگ آپس میں تواضع سے پیش آؤ یہاں تک کہ کوئی کسی کے مقابلے میں فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے ۔

(۲۷۹)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے اور نہ اپنے بھائی کے نرخ پر نرخ کرے اور نہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی پر نکاح کیا جائے اور نہ اس کی خالہ پر اور نہ کوئی عورت اپنی کسی بہن کو طلاق دے دیئے جانے کا مطالبہ کرے تاکہ اس کے برتن کو لوٹ لے ۔ اُسے چاہیئے کہ وہ نکاح کرلے کیونکہ اسے وہی ملے گا جو خدا نے اس کے لیے لکھ دیا ہے ۔ (مسلم)

تشریح :۔ اپنی بہن کو طلاق دیئے جانے کا مطالبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت کسی شخص سے مطالبہ کرے کہ وہ اس کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے اپنی سابقہ بیوی کو طلاق دے دے تاکہ جو کچھ اس سابقہ بیوی کے قبضے میں ہے اسے بھی یہ حاصل کرلے ۔ ایسے ہی پیغام نکاح پر پیغام نکاح دینے کی ممانعت کے سلسلے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح بھیجے اور وہ عورت راضی ہو جائے تو اب کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس عورت کے پاس پیغام نکاح بھیجے ۔ امام شافعیؒ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت کی طرف پیغام نکاح بھیجا اور وہ راضی ہو گئی اور اس کی طرف مائل ہو گئی تو اب کوئی دوسرا شخص اس کی طرف پیغام نکاح نہ بھیجے ۔ ہاں اگر اس عورت کی پہلے شخص سے رضامندی نہ ہو تو اس صورت میں پیغام بھیجنے میں مضائقہ نہیں ۔ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح نہ کیا جائے ۔ تو اس کا مطلب

یہ ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی ایک ہی وقت میں ایک شخص کے نکاح میں نہ ہوں اور ایسے ہی خالہ اور بھانجی بھی ایک ہی وقت میں ایک شخص کے نکاح میں نہ ہوں۔

۲۸۰

عبداللہ بن سائب بن یزید نے اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے سنا انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے کوئی ایسے نہ کرے کہ اپنے بھائی کی چیز ہنسی دل لگی میں لے اور پھر اسے سچ مچ رکھ لے۔ (اس حدیث کے ایک راوی سلیمان بیان کرتے ہیں کہ (حضورؐ نے یوں فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی چیز نہ لے) نہ ہنسی کے طور پر اور نہ سچ مچ اور جس نے اپنے بھائی کا عصا (بھی) لیا تو اسے (بھی کام نکل جانے کے بعد) واپس کرے۔ (ابوداؤد)

۲۸۱

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنی (جھوٹی) قسم سے کسی مسلمان کا حق اڑا لیا، اللہ اس پر جنت حرام کردے گا اور اس کے لیے دوزخ واجب کردے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ چاہے وہ حق تھوڑا سا ہی ہو یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ چاہے وہ پیلو کی ایک کٹی ہوئی شاخ ہو۔ چاہے وہ پیلو کی ایک کٹی ہوئی شاخ ہو۔ چاہے وہ پیلو کی ایک کٹی ہوئی شاخ ہو۔ آپؐ نے اس بات کو تین دفعہ فرمایا۔ (موطا)

۲۸۲

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحابؓ نے ہم سے بیان کیا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے ان میں سے ایک شخص سو گیا۔ تو ان میں سے کوئی (اور) شخص ایک رسی کی طرف گیا جو سوئے ہوئے شخص کے پاس تھی اور وہ رسی لے لی۔ اس پر وہ (سویا ہوا شخص) ڈر گیا۔ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی (دوسرے) مسلمان کو ڈرائے۔ (ابوداؤد)

۲۸۳

معاذ بن انس جُہنی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی منافق کے مقابلے میں کسی مومن کی حمایت کی، میرا خیال ہے آپؐ نے فرمایا کہ، اللہ ایک فرشتے کو بھیجے گا جو قیامت کے دن جہنم کی آگ کے مقابلے میں اس کے گوشت کی حفاظت کرے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کو عیب والا ثابت کرنے کے ارادے سے اس پر تہمت لگائی اللہ اُسے جہنم کے پُل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ اپنے اس تہمت لگانے کے جرم کی سزا پوری کر لے۔ (ابوداؤد)

۲۸۴

حضرت عُبادہؓ بن صامت بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

نکلے تاکہ ہمیں لیلۃ القدر کے متعلق خبر دیں (کہ وہ کونسی رات ہے) تو دو مسلمان آپس میں جھگڑنے لگے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ میں نکلا تھا تاکہ تم لوگوں کو لیلۃ القدر کے متعلق خبر دوں (کہ وہ کونسی رات ہے) مگر فلاں اور فلاں آپس میں جھگڑنے لگے لہٰذا اس کا علم (میرے حافظے سے) اٹھا لیا گیا۔ ممکن ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہی ہو (کہ اب تم اس کی تلاش میں ایک سے زیادہ راتیں عبادت کرو گے) اس لیے تم لیلۃ القدر کو (آخری عشرے کی) نویں اور ساتویں اور پانچویں رات میں تلاش کرنا (یعنی رمضان کی انتیسویں اور ستائیسویں اور پچیسویں رات کو) (بخاری)

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں بعض نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا باہم جھگڑنا اتنا ناپسندیدہ فعل ہے کہ حضورؐ لیلۃ القدر کا بتانے نکلے تھے مگر دو مسلمانوں کو باہم جھگڑتے دیکھا تو اس کا علم آپؐ کے حافظے سے اٹھا لیا گیا۔

۲۸۵

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے (دشمن کے) حوالے کرتا ہے اور جو کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو خدا اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے۔ (بخاری)

۲۸۶

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اپنے (مسلمان) بھائی کی عزت یا مال کے معاملے

میں اس پر ظلم کیا ہو، پھر وہ اس (مظلوم) کے پاس آئے اور اس سے اپنا گناہ معاف کرالے قبل اس کے کہ وہ (اپنے اس گناہ کے عوض آخرت میں) پکڑا جائے۔ کیونکہ وہاں (یعنی آخرت میں) نہ دینار ہوں گے نہ درہم۔ اور اگر اس (ظلم کرنے والے) کے پاس نیکیاں ہوں گی تو اس کی نیکیوں میں سے (اتنی نیکیاں) لے لی جائیں گی (جتنا اس نے ظلم کیا ہوگا) اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو پھر ان (مظلوموں) کی برائیوں میں سے (اتنی برائیاں لے کر) اس پر لاد دی جائیں گی (جتنا اس نے ظلم کیا ہوگا) (ترمذی)

۲۸۷

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے زمین کو میرے لیے سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشرقی حصے اور مغربی حصے دیکھ لیے۔ اور عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک کی زمین میرے لیے سمیٹی گئی تھی اور مجھے دو خزانے دیئے گئے، سرخ (خزانہ) اور سفید (خزانہ) اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کرے اور نہ ان پر کسی ایسے دشمن کو مسلط کرے جو غیر مسلم ہو اور جو ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دے۔ اور میرے رب نے فرمایا کہ اے محمدؐ جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو وہ لوٹایا نہیں جاتا اور میں نے آپؐ کو آپؐ کی امت کے لیے یہ (وعدہ) عطا کر دیا ہے کہ میں انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان پر کوئی ایسا غیر مسلم دشمن مسلط نہیں کروں گا جو ان کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دے چاہے اطرافِ زمین کے سب لوگ

(ان کے خلاف) جمع ہو جائیں۔ ہاں وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے۔ اور ایک دوسرے کو قیدی بنائیں گے (مسلم)

تشریح:۔ جیسے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا اور مسلمانوں کی سلطنت مشرق اور مغرب کی طرف پھیل گئی۔ ایک طرف سے مسلمانوں نے عراق اور ایران فتح کر لیا اور دوسری طرف سے شام، فلسطین، مصر اور اس کے آگے کے علاقے، خلافت راشدہ کے دوران ہی اسلامی سلطنت ایشیا سے نکل کر شمالی افریقہ تک پہنچ گئی۔ اور بعد میں بنو امیہ کے عہد میں یہ سلطنت ایشیا افریقہ اور یورپ، تینوں برّاعظموں میں پھیل گئی۔ سرخ خزانے اور سفید خزانے سے بعض علماء کے خیال کے مطابق سونا اور چاندی مراد ہیں۔ کیونکہ فتوحات کے باعث پھر اسلامی سلطنت میں دولت بھی بے انتہا آ گئی تھی بعض نے لکھا ہے کہ سرخ اور سفید خزانوں سے مراد کسریٰ اور قیصر کے خزانے ہیں جو مسلمانوں کو ملے۔ حدیث میں حضورؐ نے اپنی دو دعاؤں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ نہ آج تک کوئی ایسا قحط پھیلا ہے جو سارے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ اور نہ کبھی کوئی دشمن اس میں کامیاب ہوا ہے کہ مسلمانوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔ تاہم جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل ہوا ہے۔ مسلمان خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرتے اور قیدی بناتے رہے ہیں۔ جس انداز سے یہ بات بیان ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں آئندہ کی خبر کے ساتھ تنبیہہ بھی موجود ہے کہ مسلمانوں کا ایک دوسرے کو ہلاک کرنا اور قیدی بنانا ان کی بربادی کا باعث ہوگا۔ اللہ نے تو ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کیا جو ان کی جڑ کاٹ دیتا مگر وہ خود ایک دوسرے کی جڑ کاٹنے کی فکر میں رہتے ہیں اور ان کا ایسا کرنا دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب کا باعث ہے۔

۲۸۸

عامر بن سعدؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (مقام) عالیہ سے تشریف لائے یہاں تک کہ جب آپؐ مسجد بنی معاویہ کے پاس سے گزرے تو آپؐ اس میں داخل ہوئے اور دو رکعتیں ادا کیں۔ اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز ادا کی، پھر حضورؐ نے اپنے رب سے دیر تک دعا کی۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین دعائیں کیں۔ اس نے میری دو دعائیں تو قبول فرمالیں مگر ایک قبول نہیں فرمائی۔ میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کرے خدا نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ اور میں نے اس سے درخواست کی کہ میری امت کو غرق کرکے ہلاک نہ کرے اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا (بھی) قبول فرمائی۔ اور میں نے اس سے درخواست کی کہ میری امت آپس میں جنگ نہ کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول نہیں فرمائی۔ (مسلم)

تشریح :۔ اس حدیث کی تشریح کے لیے اس سے پہلے والی حدیث کی تشریح دیکھ لی جائے۔

۲۸۹

حضرت اسامہؓ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے نکلا۔ لوگ حضورؐ کے پاس (حج کے بارے میں مسائل دریافت کرنے) آتے تھے۔ کوئی کہتا یا رسولؐ اللہ میں نے طواف کرنے سے

پہلے سعی کرلی (کوئی کہتا) میں نے یہ کام پہلے کرلیا۔ (کوئی کہتا) میں نے یہ کام پیچھے کیا۔ حضورؐ فرماتے جاتے کہ کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں، ہاں حرج تو اس کے لیے ہے جس نے از روئے ظلم کسی مسلمان شخص کی عزت برباد کی۔ پس یہ ہے وہ شخص جو حرج میں پڑ گیا اور ہلاک ہوا۔ (ابوداؤد)

(۲۹۰)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے فتنے ہوں گے جو تاریک رات کے ایک ٹکڑے کی مانند ہوں گے۔ ان میں انسان صبح کے وقت مومن ہوگا۔ تو شام کے وقت کافر اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر۔ لوگ دنیا کی عزت کی خاطر اپنے دین کو بیچ دیں گے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ ترمذی ہی میں اس حدیث کے آگے ہی ایک اور حدیث بیان ہوئی ہے جس میں اس کی تشریح بیان ہوئی ہے حدیث حسب ذیل ہے:

حضرت حسنؓ اس (مندرجہ بالا) حدیث کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ انسان صبح کے وقت مومن ہوگا تو شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر (یعنی) صبح اپنے بھائی کے خون اور عزت اور مال کو حرام سمجھے گا تو شام کو اسے حلال سمجھ لے گا۔ اور شام کو اس کے خون اور عزت اور مال کو حرام سمجھے گا تو صبح کو اسے حلال سمجھ لے گا۔

گویا اپنے مسلمان بھائی کے خون اور عزت اور مال کو حلال سمجھ لینا اسے کفر کا مستحق بنادے گا۔

تکفیر پر تنبیہہ:

کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت گناہ کی بات ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی

ہے کہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر آپس میں اختلاف ہو جانے پر بلا تکلف دوسروں کو "بدعتی" "منافق" اور "کافر" کے خطاب دینا شروع کر دیتے ہیں۔ ذیل کی احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حرکت سخت ناپسندیدہ ہے اور جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو کافر کہے اور اس نے کفر کا ارتکاب نہ کیا ہو تو پھر یہی خطاب کافر کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے۔

(۲۹۱)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو "اے کافر" کہہ کر پکارا تو دونوں میں سے ایک (ضرور) اس کا مستحق ہو گیا۔ (بخاری)

(۲۹۲)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے (مسلمان) بھائی کو "اے کافر" کہا تو کفر کا رجوع دونوں میں سے ایک کی جانب ضرور ہوا۔ اگر تو وہ (جسے کافر کہا گیا تھا) ویسا ہی ہے جیسا اس (کہنے والے) نے کہا (تو خیر) ورنہ وہ (کفر) کہنے والے کی طرف لوٹ جائے گا (اور ایک مسلمان پر کفر کا جھوٹا الزام لگانے کے باعث وہ خود کفر کا مستحق ہو جائے گا)۔ (مسلم)

(۲۹۳)

محمود بن ربیع انصاری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عتبانؓ بن مالک جو

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان انصار صحابہؓ میں سے تھے جو جنگ بدر میں شریک ہوئے ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میری بینائی زائل ہو گئی ہے (یا کمزور ہو گئی ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں ۔ پھر جب بارشیں ہو رہی ہوتی ہیں تو میرے اور ان کے درمیان جو نالہ ہے وہ بہنے لگتا ہے اور میں ان کی مسجد میں نہیں جا سکتا کہ انہیں نماز پڑھاؤں ۔ پس یا رسولؐ اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں تو میں اس جگہ کو نماز کی جگہ بنا لوں ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ انشاء اللہ میں ایسے کروں گا ۔ حضرت عتبانؓ بیان کرتے ہیں کہ دوسرے دن صبح جب آفتاب بلند ہو چکا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے ۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت طلب کی ۔ میں نے آپؐ کو اجازت دی ۔ آپؐ (باہر) بیٹھے نہیں یہاں تک کہ گھر میں داخل ہو گئے ۔ پھر مجھے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس جگہ کو پسند کرتے ہو جہاں میں نماز پڑھ دوں ۔ میں نے گھر کی ایک جانب اشارہ کیا ۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (نماز کے لیے) کھڑے ہو گئے اور تکبیر کہی ۔ ہم نے صفیں باندھ لیں ، پھر آپؐ نے دو رکعتیں ادا کیں ۔ پھر سلام پھیرا اور ہم نے آپؐ کو (ایک کھانا) خزیرہ کھانے کے لیے روک لیا ۔ جو ہم نے تیار کیا ہوا تھا ۔ گھر میں کثیر تعداد میں محلے کے لوگ جمع ہو گئے تھے ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ مالک بن دُخشُن کہاں ہے ۔ حاضرین میں سے کوئی بولا کہ وہ تو منافق ہے ۔ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت نہیں رکھتا ۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (یوں) نہ کہو ۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا ہے اور اس سے اس کی مراد اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے ۔ اس نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں ۔ ہم نے کہا کہ ہم اس کا رخ اور خیر خواہی منافقوں

کی طرف دیکھتے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا اور یہ کہنے سے اس کا مقصد خدا کی رضا حاصل کرنا تھا اللہ نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔
(بخاری)

تشریح :۔ حدیث واضح کر رہی ہے کہ حضورؐ نے ایک کلمہ پڑھنے والے کو "منافق" کہنے سے بھی روکا۔ کجا یہ کہ کسی کلمہ گو کو کافر کہہ دیا جائے۔

باب ۸

اسلام میں قومیّت کی بُنیاد

لفظ "قوم" عموماً انسانوں کے اس گروہ کے لیے بولا جاتا ہے جس کے افراد میں کچھ بنیادی چیزیں مشترک ہوں۔ یہ چیزیں جن کے کسی انسانی گروہ کے افراد میں مشترک ہونے کے باعث اس گروہ کو ایک قوم کہا جاتا ہے عموماً چار بتائی جاتی ہیں یعنی نسل، رنگ، علاقہ اور زبان۔ پھر وہی چیزیں جن کے مشترک ہونے کے باعث کوئی انسانی گروہ ایک قوم بنتا ہے اس قوم کی قومیت کی بنیاد کہلاتی ہیں۔ مثال کے طور پر انگلستان کے رہنے والے اور انگریزی زبان بولنے والے ایک قوم ہیں جنہیں انگریز کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ انگلستان کا علاقہ اور انگریزی زبان انگریز قوم کی قومیت کی بنیاد ہیں۔ اسی پر دوسری قوموں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اب یہاں جو بات ذہن نشین کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اگر دنیا میں عزت اور آخرت میں نجات کے طالب ہیں تو انہیں اچھی طرح پتہ ہونا چاہیئے کہ ان کی قومیت کی بنیاد کیا چیز ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں

یہ حقیقت بالکل واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ مسلم قوم کی بنیاد ان چاروں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں بلکہ ایک پانچویں چیز ہے اور وہ ہے دین اسلام کی تعلیمات ۔ جو لوگ دین اسلام پر ایمان لائے ہیں وہ سب مل کر ایک قوم بنتے ہیں جسے ملت اسلامیہ کہا جاتا ہے ۔ اس ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والوں کو محض دوسروں کی نقالی میں خواہ مخواہ کسی ایسی چیز کو اپنی قومیت کی بنیاد بنانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے جو درحقیقت ان کی قومیت کی بنیاد نہیں ہے ورنہ وہ اپنے آپ کو شدید نقصان پہنچائیں گے ۔ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس ملت اسلامیہ میں سارے رنگوں اور سب نسلوں کے لوگ موجود ہیں ۔ یہ ان گنت علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے اور بے شمار زبانیں بولنے والے اس میں شامل ہیں ۔ اب اگر ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے لوگ ان چاروں چیزوں میں سے کوئی ایک یا چند چیزوں کو اپنی قومیت کی بنیاد بنا بیٹھیں گے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لاتعداد ٹکڑوں میں تقسیم ہوکر پارہ پارہ ہوجائیں گے ۔ کیونکہ قومیت کی بنیاد تو وہ چیز ہوتی ہے جو اس قوم کے لوگوں میں مشترک ہونے کے باعث انہیں آپس میں جوڑتی ہے ۔ مگر ملت اسلامیہ میں نسل، رنگ، علاقہ یا زبان میں سے کوئی چیز بھی عالم گیر طور پر مشترک نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان اپنے اپنے علاقوں، زبانوں، نسلوں یا رنگوں کو ذہنوں پر سوار کرلیتے ہیں تو پھر وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے گلے کاٹنا اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو برباد کرنا شروع کردیتے ہیں ۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دشمنوں کا تر نوالہ بن جاتے ہیں ۔ حالانکہ اگر وہ دین ہی کو اپنی قومیت کی بنیاد بنائے رکھیں تو دین چونکہ ساری دنیا کے مسلمانوں میں مشترک ہے اس لیے یہ انہیں آپس میں جوڑے رکھنے کے باعث دشمنان دین کے مقابلے میں انشاء اللہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنادے
اس جلد کی حدیث ۲۱۴ میں حضورؐ کا ایک فرمان نقل ہوا ہے کہ
"مومن آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے میں اور ایک

دوسرے پر رحم کرنے میں اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت (کا سلوک) کرنے میں جسم کی مانند ہیں کہ جب اس کے کسی ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو (باقی) سارا جسم جاگتے رہنے میں اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔"

مگر یہ کیفیت تو اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب مسلمان قوم صحیح معنوں میں اس بات پر یقین رکھتی ہو کہ اس کی قومیت کی بنیاد دین ہے۔ لیکن اگر دین کو بنیاد نہ بنایا جائے گا بلکہ ایسی چیزوں کو بنیاد بنا لیا جائے گا جو ساری قوم میں مشترک نہیں تو پھر وہی کچھ ہوگا جو ہو رہا ہے کہ اس "جسم" کا ایک پاؤں دوسری ٹانگ کو ٹھڈے مار مار کر اس کی ہڈیاں توڑ رہا ہے۔ اور اس کی انگلیاں اس کی آنکھیں پھوڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اور اس کے ہاتھ اس کے دل پر ضربیں لگا کر اسے بند کر دینے کی فکر میں ہیں۔ اب جس جسم کے اعضا خود ہی ایک دوسرے کو توڑنے، زخمی کرنے اور بے کار کر دینے کی سعی میں مشغول ہوں اس کے دشمن پھر اس پر حملہ آور ہونے کی طمع کا کیوں نہ شکار ہوں اور اس کا رہا سہا سرمایہ بھی چھین لینے کی کوشش کیوں نہ کریں۔

سوچیں تو پتہ چلتا ہے کہ غیر شعوری طور پر ہم ایمان اسی بات پر رکھتے ہیں کہ ہماری قومیت کی بنیاد اسلام ہے، علاقے، زبانیں، نسلیں اور رنگ نہیں مثال کے طور پر اپنے وطن پاکستان کے باشندوں کے جذبات و احساسات ہی پر غور کر لیں۔

ہم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کو اپنے بزرگ مانتے ہیں جو عرب تھے
ہم طارق بن زیاد کو اپنا ہیرو سمجھتے ہیں جو بربری تھے۔
ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں جو ترک تھے
ہم امام بخاریؒ کو اپنا بہت بڑا عالم شمار کرتے ہیں جو ایرانی تھے۔
ہم اپنے رہنماؤں میں جمال الدین کو عزت کا مقام دیتے ہیں جو افغان تھے

غور کیجئے کہ ان سب بزرگوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس کا پاکستانی علاقوں سے تعلق ہو یا جو اردو زبان بولتا ہو۔ پھر بھی یہ "ہمارے" تھے، "ہمارے" ہیں" اور انشاء اللہ "ہمارے" رہیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کس چیز نے انہیں "ہمارے" بنایا؟ — ظاہر ہے کہ صرف دین اسلام نے۔ ہمارا انہیں "اپنا" کہنا اور ان کے کارناموں پر فخر کرنا واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ غیر شعوری طور پر ہم اپنی قومیت کی بنیاد دین ہی کو سمجھتے ہیں، علاقے، زبان، نسل اور رنگ کو نہیں سمجھتے۔ کیونکہ خود پاکستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والی وہ ہستیاں جو دائرۂ اسلام سے خارج تھیں۔ انہیں ہم نے کبھی اپنے بزرگ شمار نہیں کیا نہ کبھی دل میں اس بات کا خیال ہی آیا ہے کہ ان کے کارناموں پر فخر کریں۔ ایک عام پاکستانی، جو جاہلی عصبیتوں کا شکار نہ ہو، کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ راجہ رنجیت سنگھ یا راجہ داہر سے اس کا دور پرے کا بھی کوئی رشتہ ہو سکتا ہے، حالانکہ اوّل الذکر کا تعلق پنجاب سے اور آخر الذکر کا سندھ سے تھا۔

اسلامی اخوّت کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ ہم غیر شعوری طور پر مانتے ہیں اُسے شعوری طور پر بھی مانیں اور اپنی زندگیوں کو اس کے تقاضوں کے مطابق ڈھالیں۔ ہمیں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جو علاقے آج مسلمان علاقے کہلاتے ہیں ان کی وہ تاریخ جو یہاں اسلام آنے سے پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے ان علاقوں کی تاریخ کا حصّہ تو ہے مگر وہ مسلم قوم کی تاریخ کا حصّہ نہیں اور جو ہستیاں ان سب علاقوں میں ایسی گزریں جو نبی آخر الزماں حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان نہیں رکھتی تھیں وہ ان علاقوں کے مسلمانوں کے بزرگ اور ہیرو نہیں۔ ان مسلم ممالک میں بے شمار ایسے ہیں جہاں اسلام آنے سے پہلے بت پرست تہذیبیں قائم تھیں۔ اور جہاں کی بڑی بڑی شخصیتیں بتوں کے آگے سر جھکاتی تھیں۔ ان جاہلی تہذیبوں کو اپنی تاریخ کا حصّہ قرار دینا اور ان بت

پرست شخصیتوں کو اپنے بزرگوں میں شمار کرنا اپنے دین اور اپنی تاریخ دونوں کی بے ادبی کرنا ہے۔

مسلمانوں کا سیاسی طور پر بہت سے ملکوں میں بٹ جانا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ وہ مسلم قومیت کی بنیاد کو بھی بدل دیں۔ اپنے اپنے وطن سے محبت رکھنا اور اس کی خدمت کرنا ایک بالکل قدرتی اور جائز فعل ہے۔ مگر مسلم قومیت کی بنیاد دین ہی ہے اور دین ہی رہنا چاہیئے۔ یہ بنیاد مضبوط رہے گی تو یہ سیاسی طور پر علیحدہ علیحدہ ممالک محبت اور اخوت کے رشتے میں بندھ کر ایک دوسرے کے ہمدرد و غم گسار رہیں گے۔ اور اس صورت میں دشمنانِ دین کو ان پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچنا ہوگا، لیکن اگر قومیت کی بنیاد دین کے بجائے کوئی اور ایسی بودی شے بن گئی جو مسلمانانِ عالم میں مشترک نہیں تو آخرت کے ساتھ دنیا بھی خراب ہو گی جیسے کہ ہو رہی ہے۔

جو لوگ واقعی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں اور مسلمان رہنا اور مسلمانی ہی کی حالت میں مرنا چاہتے ہیں انہیں ہر دم یاد رکھنا چاہیئے کہ سارے عالم اسلام کا خدا ایک ہے۔ قرآن ایک ہے، نبی ایک ہے اور بہت سی سیاسی حد بندیوں کے باوجود مسلم قوم ایک ہے اور مسلمانوں کے ہر علاقے میں ان کی اپنی تاریخ اس زمانے سے شروع ہوتی ہے جب وہاں اسلام داخل ہوا تھا۔ لہٰذا پاکستان میں رہنے والے ایک سچے مسلمان کا راجہ داہر سے کوئی تعلق نہیں، مصر میں رہنے والے ایک سچے مسلمان کا فرعون سے کوئی علاقہ نہیں عرب میں رہنے والے ایک سچے مسلمان کا ابوجہل سے کوئی رشتہ نہیں۔ البتہ اگر کوئی ایک مسلمان قطب شمالی میں رہ رہا ہو اور کوئی دوسرا مسلمان قطب جنوبی میں بس رہا ہو تو بھی وہ دونوں اسلامی اخوت کے مضبوط رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اسلام میں قومیت کی اساس دین ہے :-

۲۹۴

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم (قرآن) پڑھ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اَلحَمدُ لِلّٰہِ اللہ کی کتاب ایک ہے اور تم (پڑھنے والوں) میں سرخ بھی ہیں اور سفید بھی ہیں اور سیاہ بھی ہیں (اور آپؐ نے فرمایا کہ) اسے پڑھتے جاؤ قبل اس کے کہ اسے ایسے لوگ پڑھیں جو اسے تیر کی طرح سیدھا کریں گے مگر اس کو پڑھنے کا اجر دنیا ہی میں لینا چاہیں گے، اسے آخرت کے لیے نہیں رکھیں گے۔ (ابوداؤد)

تشریح :- جس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ایک عام انسان کو کئی صفحے سیاہ کرنے پڑ سکتے ہیں اسے حضورؐ نے اپنے پیارے فصیح و بلیغ انداز میں چند لفظوں میں بیان فرما دیا ہے کہ قرآن ایک ہے اور اسے پڑھنے والوں میں مختلف اقسام کے لوگ شامل ہیں، سرخ رنگ والے بھی اور سفید رنگ والے بھی اور سیاہ رنگ والے بھی۔ یعنی ان سب رنگوں سے تعلق رکھنے والے قرآن پر آکر جمع ہو گئے ہیں، قرآن پڑھنے والوں میں گہرے سیاہ رنگ والے حبشی بھی تھے، سفید رنگ والے ایرانی اور رومی وغیرہ بھی اور گندمی رنگ والے عرب بھی اور یہ سب تو میں اسلام قبول کر کے ایک قوم بن گئی تھیں جو ایک خدا کو مان کر ایک رسولؐ پر ایمان لا کر اور ایک کتاب کو اپنا دستورالعمل بنا کر ایک ملت کی شکل اختیار کر گئی تھیں۔ اور رنگوں، علاقوں، زبانوں اور نسلوں کا فرق مٹ گیا تھا۔ حدیث کے آخر میں جو حضورؐ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگ قرآن کو تیر کی طرح سیدھا

کریں گے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اس کے تلفظ کی درستی، ہر لفظ کا ٹھیک مخرج سے نکلنا اور تجوید کے مختلف اصولوں کا تو بہت زیادہ دھیان رکھیں گے مگر قرآن بھیجنے کے اصل مقصد یعنی اس کے مفہوم کو سمجھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ قرآن پڑھنے کے اجر کو دنیا ہی میں حاصل کرنے کی خواہش سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی قرآن خوانی کو ذریعۂ معاش بنائیں گے اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اہل دنیا کی تعریف و توصیف یا اور دنیوی فوائد چاہیں گے۔

۲۹۵

ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے لشکروں میں سے ایک لشکر نے جس کے امیر حضرت سلمان فارسیؓ تھے فارس کے قصروں میں سے ایک قصر کا محاصرہ کیا۔ اہل لشکر نے ان سے کہا کہ اے ابوعبداللہ کیا ہم ان کے مقابلے میں نہ آجائیں (یعنی جنگ شروع نہ کر دیں) حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ مجھے انہیں دعوت اسلام دے لینے دو جیسے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے سنا تھا۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ اہل فارس کے پاس آئے اور ان سے فرمایا کہ میں بھی تمہیں لوگوں میں سے ایک فارسی شخص ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ (میرے مسلمان ہو جانے کے باعث) عرب میری اطاعت کرتے ہیں۔ اگر تم اسلام لے آؤ تو تمہارے بھی وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور تم پر بھی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو ہم پر ہیں اور اگر تم اپنے ہی دین پر رہنا چاہو تو ہم اس پر بھی تمہیں چھوڑ دیں گے۔ بشرطیکہ تم مطیع ہو کر اور ذلیل ہو کر ہمیں جزیہ دو۔ (اس حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے فارسی زبان میں ان سے کہا: اور تم قابل تعریف نہیں ہو گے اور اگر تم نے (ہماری پیش کش کا) انکار کیا تو ہم برابری کے ساتھ تم سے

لڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم جزیہ دینے والے لوگ نہیں ہیں بلکہ ہم تو تم سے لڑیں گے۔ اس پر اہل لشکر نے (پھر) کہا کہ اے ابو عبداللہ کیا ہم ان کے مقابلے میں نہ آجائیں، حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ نہیں۔ (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے تین دن اسی طرح انہیں اسلام کی دعوت دی (جب وہ نہ مانے تو) پھر (اہل لشکر سے) فرمایا کہ (اب) ان کے مقابلے میں آجاؤ۔ لہٰذا ہم ان کے مقابلے میں آگئے اور ہم نے وہ قصر فتح کر لیا۔ (ترمذی)

تشریح:۔ اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے۔ وہ واضح کر رہا ہے کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد دین ہے علاقہ یا رنگ یا زبان نہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایرانی تھے مگر وہ اس وقت عربوں کی فوج کے امیر تھے، حالانکہ زمانۂ جاہلیت میں عرب اپنے عرب ہونے پر از حد نازاں ہوتے تھے، مگر اب اسلام لانے کے بعد وہ بخوشی ایک ایرانی کے ماتحت لڑنے کو تیار تھے کیونکہ وہ ایرانی ان کا مسلمان بھائی تھا اور پہلے مسلمان تھا اور بعد میں ایرانی۔ پھر حضرت سلمان فارسیؓ کا اپنے ہم وطنوں کو مخاطب کر کے بار بار "ہم" اور "ہمیں" اور "ہمارے" کہنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو عربی بولنے والے گندمی رنگ کے عربوں کا ہم قوم سمجھ رہے تھے اور اپنے ہم رنگ اور ہم زبان ایرانیوں کو ایک دوسری قوم سمجھ کر مخاطب کر رہے تھے۔ وہ خود ان سے فرما رہے تھے کہ "میں بھی تمہیں لوگوں میں سے ایک فارسی شخص ہوں" لیکن ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتا رہے تھے کہ "اگر تم اسلام لے آؤ تو تمہارے بھی وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں" یہ لفظ "ہمارے" واضح کر رہا ہے کہ فارسیوں ہی میں سے ایک فارسی شخص ہونے کے باوجود وہ اپنے آپ کو فارسیوں کا نہیں بلکہ اس قوم کا حصہ سمجھتے تھے جو اگرچہ رنگ زبان اور علاقے کے لحاظ سے ان سے مختلف تھے مگر ان کے ہم مذہب تھے۔ واضح رہے کہ ایران کو فارس کہا جاتا تھا اور اسی لیے حضرت سلمانؓ کے نام کے ساتھ فارسی لگا ہوا تھا یعنی ایرانی۔

۲۹۶

حضرت عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپؐ پوشیدگی سے نہیں بلکہ باآواز بلند فرمارہے تھے کہ آگاہ رہو کہ ابو۔۔۔ کی اولاد یعنی فلاں کی، میرے عزیز نہیں ہیں، میرا مالک اللہ ہے اور میرے عزیز نیک مومن ہیں۔ (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث کی تشریح میں بتایا جاتا ہے کہ "یعنی فلاں کی" اس حدیث کے کسی راوی کے الفاظ ہیں جس نے بعض وجوہ کے باعث اس شخص کا نام نہیں لیا جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اس کی اولاد میرے عزیز نہیں۔ حدیث کا اصل مفہوم یہ ہے کہ حضورؐ نے ان لوگوں کو اپنے عزیز قرار نہیں دیا جو ایمان والے اور نیک نہیں تھے چاہے وہ نسب میں قریب ہی کیوں نہ تھے اور ان لوگوں کو اپنے عزیز قرار دیا جو ایمان والے اور نیک تھے چاہے نسب میں قریب نہ تھے۔ یعنی مومن کے عزیز دراصل وہ ہیں جو مومن اور نیک ہیں۔

۲۹۷

حضرت اسامہؓ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے (بخاری)

تشریح:۔ مسلمان اور کافر کا ایک دوسرے کا وارث نہ ہونا یہ واضح کرتا ہے کہ ان کے درمیان جو نسب کا رشتہ ہے اسے بھی اب اتنی اہمیت حاصل نہیں رہی جو اس صورت میں ہوتی ہے جب وارث اور مورث دونوں مسلمان

ہوں وہ اب دو علیٰحدہ علیٰحدہ قوموں سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا نہ وہ ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں نہ مورث۔

جاہلی عصبیتوں سے پرہیز:

عصبیت یا تعصب یہ ہے کہ انسان یہ نہ دیکھے کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط اور کون برسرِ حق ہے اور کون برسرِ ناحق بلکہ اپنے نظریات و عقائد ہی کو درست قرار دے چاہے وہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں اور اپنے ملک یا قوم یا کنبے قبیلے والوں ہی کی حمایت کرے چاہے وہ کتنے ہی خطا کار کیوں نہ ہوں زمانہ جاہلیت میں عربوں میں قبائلی، خاندانی، اور گروہی تعصب بہت زیادہ تھا۔ وہ لوگ اپنوں ہی کی حمایت کرنا ضروری سمجھتے تھے چاہے وہ صریحاً ظالم اور غلط کار ہوں اس کے علاوہ وہ اپنے آباؤ اجداد پر بہت زیادہ فخر کرتے تھے۔ اور ان کے طریقے پر چلنا ضروری سمجھتے تھے چاہے ان کا طریقہ کتنا ہی بُرا، بیہودہ اور ظالمانہ کیوں نہ رہا ہو۔ اسلام نے ان سب عصبیتوں کو جہالت قرار دیا ہے اور حق پسندی اور انصاف کا درس دیا ہے چاہے اس کی زد اپنے قریبی رشتے داروں ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو۔

(۲۹۸)

حضرت واثلہؓ بن اسقعؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ تعصب کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا (تعصب یہ ہے) کہ تو اپنی قوم کی ظلم پر امداد کرے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ یعنی متعصب وہ ہے جسے معلوم ہو کہ میری قوم زیادتی کر رہی ہے۔ پھر بھی وہ اپنی قوم ہی کی امداد کرتا جائے صرف اس خیال سے کہ یہ میری

ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ تعصب ہولناک جنگیں چھیڑ دیتا تھا اور پھر انہیں اتنا لمبا کیا جاتا تھا کہ وہ سالہاسال تک ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔

۲۹۹

حضرت جُبَیرؓ بن مطعم بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصب کی طرف بلائے اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصّب کے لیے لڑے اور وہ ہم میں سے نہیں ہے جو تعصّب پر مرے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ تعصب کی طرف جلانا یہی ہے کہ کسی کو ایسی سرگرمیوں یا جنگ و جدال میں شامل ہونے پر ابھارا جائے جو حق و انصاف کی خاطر نہیں بلکہ محض کسی تعصّب کی خاطر کی جارہی ہو۔ جو شخص تعصب کی خاطر ہی لڑ رہا ہوگا اگر وہ اس جنگ میں مر جائے گا تو اس کی موت بھی تعصب ہی کی خاطر ہوگی۔ ایسے ہی جو شخص عمر بھر تعصّب کرتا رہا اور تعصب کرتا کرتا مر گیا تو وہ تعصّب ہی پر مرا۔ ان سب لوگوں کے بارے میں حضورؐ کا فرمان ہے کہ وہ ہم میں سے نہیں یعنی ان کا اہل اسلام سے کوئی علاقہ نہیں۔

۳۰۰

حضرت عبد اللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق پر مدد کی اس کی مثال ایسے ہے جیسے اونٹ کنوئیں میں گر جائے تو اُسے اس کی دم پکڑ کر کھینچا جائے۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں بیان کیا گیا ہے کہ اونٹ

ایک بھاری بھر کم جانور ہے اور اس کی دُم بہت چھوٹی ہوتی ہے اگر یہ کنویں میں گر جائے تو اس کی چھوٹی سی دم کو پکڑ کر اس کے ذریعے اسے کنوئیں سے نہیں نکالا جا سکتا۔ ایسے ہی جو شخص اپنی ظالم یا زیادتی کرنے والی یا گنہگار قوم کی مدد کرتا ہے وہ گناہ کے کنوئیں میں گر جاتا ہے۔ یا وہ جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کا بھی وہاں سے نکلنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا کنویں میں گرے ہوئے اونٹ کا دم کے ذریعے باہر کھینچا جانا مشکل ہے۔ بعض نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ اپنی قوم کو اونچا کرے تاکہ اس کے ذریعے خود بھی اونچا ہو۔ لیکن اگر قوم کی خرابیوں پر اسے ٹوکنے اور درست کرنے کے بجائے اس کی امداد کی جاتی رہے تو قوم ذلت کے کنویں میں گر کر رہتی ہے اور پھر یہ فرد جس نے اسے اونچا کرنے اور اس کے ذریعے خود اونچا ہونے کے لیے اس کی امداد کی تھی خود بھی ذلت کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ اور وہاں سے نکل نہیں سکتا۔ جس طرح اونٹ کنویں میں گر جائے تو دم پکڑ کر اُسے نہیں نکالا جا سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳۰۱

حضرت سُراقہؓ بن مالک بن جُعْشُم مُدْلجی بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا۔ اور فرمایا کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی قوم کا دفاع کرے جب تک کہ گناہ نہ کرے۔ (ابوداؤد)

تشریح :۔ یعنی جو شخص اپنی قوم پر ظلم اور زیادتی نہ ہونے دے اور ظلم و زیادتی کے خلاف ان کا دفاع کرے وہ بہت اچھا ہے۔ بشرطیکہ قوم کی حمایت میں دوسروں پر ظلم نہ کرنا شروع کر دے۔ یا اپنی قوم ظلم کر رہی ہو اُنہیں تو ظلم کرنے سے نہ روکے مگر جب دوسرے اس کے ظلم کو بند کرنے کے لیے

اس سے لڑیں تو اپنی ظالم قوم کا دفاع کرے۔

(۳۰۲)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض (یعنی برے) تین اشخاص ہیں (ایک) حرم میں الحاد اور بے دینی کرنے والا (دوسرے) اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والا اور (تیسرے) کسی شخص کا ناحق خون چاہنے والا تاکہ اس کا خون بہالے۔ (بخاری)

تشریح:۔ اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنا یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی وہ حرکات کی جائیں جو جاہلیت سے تعلق رکھتی ہوں یا اسلامی معاشرے میں ان چیزوں کو پھیلانے کی کوشش یا خواہش کی جائے جن کا تعلق اسلام سے نہیں بلکہ جاہلیت سے ہے۔ خدا کے سوا کسی اور کو معبود یا حاجت روا ماننا، آخرت کا انکار کرنا، قبائلی یا گروہی تعصبات کو بڑھکانا، انتقام لینے میں شدت برتنا، میتوں پر نوحہ کرنا، بدزبانی سے کام لینا، اکھڑپن اختیار کرنا اور اس کے علاوہ وہ سب برائیاں جنہیں اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے اور جاہلیت انہیں خوبیاں سمجھتی ہے مسلمان ہونے کے باوجود انہیں اختیار کرنا یا اسلامی معاشرے میں انہیں رواج دینے کی کوشش کرنا اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنا ہے۔

(۳۰۳)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو

شخص (امیر کی) اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اور پھر (اسی حالت میں) مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور جو اندھے جھنڈے تلے لڑتا ہے اور قومی تعصب کے لیے غصے میں آتا ہے یا (لوگوں کو) قومی تعصب کی طرف بلاتا ہے، یا (خدا کی خوشنودی کی خاطر نہیں بلکہ) تعصب ہی کے باعث قوم کی امداد کرتا ہے اور پھر قتل ہو جاتا ہے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ اور جو میری امت کے خلاف نکلا کہ اس کے نیک کو بھی مارتا ہے اور اس کے بد کو بھی اور اس کے مومن کو بھی ایذا دے کر اس کی حالت سے متاثر نہیں ہوتا اور جس سے عہد ہے اس کے عہد کو بھی پورا نہیں کرتا تو وہ مجھ سے نہیں ہے نہ میں اس سے ہوں۔ (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث میں حضورؐ نے مندرجہ ذیل لوگوں کی موت کو جاہلیت کی موت قرار دیا ہے:

۱۔ جو اپنے مسلمان امیر کے جائز احکام کی تعمیل نہ کرے اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرے۔ اور اسی حالت میں مر جائے۔ ایسے شخص کی موت اس لیے جاہلیت کی موت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہی طریقہ تھا کہ وہ لوگ ایک امیر کی اطاعت نہیں کرتے تھے اور متحد ہو کر اور ایک جماعت بن کر نہیں رہتے تھے بلکہ مختلف گروہوں کی شکل میں زندگی گزارتے تھے اور وہ گروہ آپس ہی میں جنگ و جدال کرتے رہتے تھے۔

۲۔ جو اندھے جھنڈے تلے لڑے یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ مل کر لڑے جن کے لڑنے کا مقصد مجہول ہے اور نہیں معلوم کہ جس مقصد کی خاطر وہ لڑ رہے ہیں وہ حق ہے یا باطل۔ ایسی جنگ میں شامل ہو کر جو مر جائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔

۳۔ جو قومی تعصب کا شکار ہے۔ جو یہ تو نہیں دیکھتا کہ اس کی قوم حق پر ہے یا ناحق پر، بس ہر صورت میں یہی ضروری سمجھتا ہے کہ قوم کی حمایت کرے، قومی

تعصب کی خاطر غصے میں آتا ہے ، دوسرے لوگوں کو بھی قومی تعصب سے کام لینے پر ابھارتا ہے ، تعصب ہی کی خاطر قوم کی امداد کرتا ہے ۔ وہ اگر اس طرح قوم کی متعصبانہ امداد کرتا ہوا مارا جائے تو اس کی موت بھی جاہلیت کی موت ہے ۔

اس کے علاوہ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میری امت میں سے جو شخص میری امت ہی کے خلاف اٹھ کھڑا ہو یعنی اپنی ہی مسلمان جماعت کے خلاف کھڑا ہو جائے اور اپنے مسلمان بھائیوں میں سے نیک بدسب کو مارنا شروع کر دے اور اس میں اسلامی اخوت اس طرح ختم ہو کر رہ جائے کہ اپنے مومن بھائیوں کو اذیت دے کر پھر اس کا دل بھی نہ دکھے اور جس سے عہد ہو اس کے عہد کو بھی پورا نہ کرے تو وہ مجھ سے نہیں نہ میں اس سے ہوں ۔

بعض کا خیال ہے کہ عہد والے سے یہاں مراد ذمی ہیں جن کی مال اور عزت کی حفاظت کا اسلامی حکومت نے عہد کر رکھا ہوتا ہے ۔ ان کی جان ، مال اور عزت پر جس نے بے وجہ حملہ کیا اس نے اس عہد کو توڑا ۔ آخر میں حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ وہ مجھ سے نہیں تو اس کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ میری امت میں سے نہیں یا وہ میری سنت پر چلنے والا نہیں ، میرا طریقہ اختیار کرنے والا نہیں ۔ اور میں اس میں سے نہیں کا مطلب یہ ہے کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ۔

(۲۰۴)

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصار میں سے ایک شخص کے سرین پر مارا تو اس انصاری نے پکارا کہ اے انصار مدد کو پہنچو اور مہاجر نے پکارا کہ اے مہاجرو مدد کو پہنچو (غرضکہ دونوں نے اپنے

اپنے گروہ کو امداد کے لیے پکارا جیسے زمانہ جاہلیت میں ہر شخص اپنے گروہ کو پکارا کرتا تھا) اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ زمانہ جاہلیت کی سی پکار کیسی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ۔ مہاجرین میں سے ایک آدمی نے انصار کے ایک آدمی کو سیرین پر مارا ہے (اس پر دونوں اپنے اپنے گروہ کو پکارنے لگے) حضورؐ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ بے شک یہ بڑی قبیح بات ہے۔ پھر جب منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے یہ بات سُنی (کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو مارا ہے) تو (اس میں بھی وہی زمانہ جاہلیت کی عصبیت جاگ اٹھی اور) بولا کہ مہاجرین نے ایسے کیا ہے، خدا کی قسم اگر ہم مدینے لوٹیں گے تو جو عزت والے ہیں وہ ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے (مراد یہ تھی کہ اہل مدینہ مہاجرین کو مدینے سے نکال دیں گے۔ اس شرارت بھری بات کو سُن کر) حضرت عمرؓ بولے کہ (یارسول اللہ) مجھے چھوڑ دیجیے کہ اس منافق کی گردن مار دوں۔ (مگر حضورؐ تو ان منافقین کے مقابلے میں ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے) آپؐ نے فرمایا کہ جانے دو۔ لوگ باتیں نہ بنائیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

(مسلم)

تشریح:۔ زمانہ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ ہر انفرادی مخالفت کو اجتماعی بنا لیا کرتے تھے۔ دو قبیلوں کے دو انسانوں کے درمیان آپس میں کوئی جھگڑا ہوتا تو بجائے اس کے کہ وہ اسے انفرادی جھگڑا سمجھ کر خود ہی اسے نمٹا لیتے ہر شخص اپنے اپنے قبیلے کی دہائی دینے لگتا۔ قبیلے والے بھی تعصب اور حماقت کے باعث یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے کہ قصور کہیں ان کے اپنے آدمی ہی کا تو نہیں بلکہ فوراً جاہلانہ غیرت کا شکار ہو کر امداد کو آ جاتے اور اس طرح وہ انفرادی نزاع جو درحقیقت صرف دو آدمیوں کے درمیان ہوتی دو قبیلوں کی جنگ بن جاتی۔ اسلام کے بعد بھی کبھی یہ صورت ہو جاتی کہ جس معاملے کے متعلق

ابھی واضح نہ کیا گیا ہوتا کہ یہ اسلام میں ممنوع ہے اس کے بارے میں مسلمان غلطی سے جاہلیت کا طرزِ عمل اختیار کر لیتے۔ ایسے ہی اس واقعے میں بھی ہوا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کا جھگڑا تھا دونوں نے اپنے اپنے گروہ کو پکارنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضورؐ نے سمجھایا کہ ایسا کرنا بہت بری بات ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ عبداللہ بن اُبی چونکہ تھا ہی منافق، اُسے شر پھیلانے کا موقع ملا تو اس نے مہاجرین کے خلاف زباندرازی شروع کر دی۔ جس پر حضرت عمرؓ طیش میں آ گئے۔ اور اُسے قتل کرنے کی اجازت مانگنے لگے۔ مگر حضورؐ نے فرمایا کہ جانے دو کیونکہ حضورؐ ان شریر منافقوں کے معاملے میں ہمیشہ عفو و درگزر کا رویہ اختیار فرماتے تھے۔ مہاجرین اور انصار کا اس طرح اپنے اپنے گروہ کو پکارنے کو حضورؐ نے "جاہلیت کی سی پکار" کا لقب دیا کیونکہ یہ وہی بات تھی کہ انفرادی نزاع کو اجتماعی بنا کر بے شمار لوگوں کو اس میں شامل کر لیا جائے جس سے چھوٹا سا فتنہ پھیل کر بہت بڑا ہو جائے۔

۳۰۵

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اپنے ان آباء و اجداد پر فخر کرتے ہیں جو مر چکے وہ (اپنی اس حرکت سے) باز آ جائیں۔ وہ (ان کے آباء و اجداد تو اپنے کفر کے باعث) جہنم کا کوئلہ ہو چکے ہیں۔ (لوگ ان جہنمیوں پر فخر کرنے سے باز آ جائیں) ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گندگی کے اس کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے جو اپنی ناک سے غلاظت کو ڈھکیلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم (مسلمانوں) سے جاہلیت کا تکبر اور اس زمانے کا آباء و اجداد پر فخر کرنا دور کر دیا ہے (اب لوگ دو ہی قسم کے ہیں) مومن متقی یا فاجر بدبخت۔ لوگ آدمؑ کے بیٹے ہیں اور آدمؑ کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔ (تر

تشریح :- چونکہ تمام انسانیت حضرت آدمؑ کی اولاد ہے اس لیے جدِ امجد تو سب کا ایک ہی ہے، لہٰذا آباء و اجداد پر فخر کرنا احمقانہ حرکت ہے۔ جاہلیت میں جو لوگ آباء و اجداد پر فخر کرتے تھے وہ اپنی جہالت کی بنا پر کرتے تھے۔ اسلام کے بعد جب سچا علم آگیا تو اس جہالت کے لیے کوئی گنجائش نہ رہی۔ آدمی آباء و اجداد کی بناء پر بڑا یا چھوٹا نہیں بنتا بلکہ اپنی پرہیزگاری یا فسق و فجور کے باعث بڑا یا چھوٹا بنتا ہے۔ جو نیک اور پرہیز گار ہے وہ بڑا ہے اور جو خدا کا نافرمان ہے اور برائیاں کرنے والا ہے وہ چھوٹا ہے۔ آباء و اجداد چاہے کسی کے کیسے ہوں۔

(۳۰۶)

حارث اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت یحییٰ بن زکریاؑ کو پانچ باتوں کا حکم دیا۔ کہ وہ خود بھی اُن پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی حکم دیں کہ وہ ان پر عمل کریں۔ قریب تھا کہ وہ ان کی تعمیل میں دیر لگاتے کہ حضرت عیسیٰؑ نے ان سے فرمایا کہ خدا نے آپ کو پانچ باتوں کا حکم دیا ہے تاکہ آپ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں۔ پس یا تو آپ انہیں حکم دیں۔ یا (پھر) میں انہیں حکم دیتا ہوں۔ حضرت یحییٰؑ نے فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ اگر آپ نے مجھ سے پہلے ان باتوں کا حکم دے دیا تو کہیں مجھے دھنسا نہ دیا جائے یا مجھے عذاب نہ دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا۔ تو وہ (لوگوں سے) بھر گیا اور (بانی لوگ) اس کے بالائی حصے پر بیٹھے۔ حضرت یحییٰؑ نے (انہیں) فرمایا کہ اللہ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ خود بھی اُن پر عمل کروں اور تمہیں بھی حکم دوں کہ ان پر عمل کرو۔ ان میں پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے

ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے خالص اپنے مال سے ایک غلام خریدا، سونے سے (خریدا) یا چاندی سے۔ اور (اس غلام سے) کہا کہ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے۔ تو کام کر اور (اپنی کمائی) مجھے دے (لیکن اس غلام نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ) وہ کام کرتا اور کمائی اپنے مالک کے سوا کسی اور کو دے دیتا۔ پس تم میں سے کون اسے پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ اور خدا نے تمہیں حکم دیا ہے نماز پڑھنے کا۔ پس جب تم نماز پڑھو تو دائیں بائیں نہ دیکھو کیونکہ جب انسان نماز میں ہوتا ہے تو جب تک وہ (نمازی) دائیں بائیں نہ دیکھے خدا اپنے چہرے کو اس کے چہرے کی طرف کیے رہتا ہے۔ اور اللہ نے تمہیں روزوں کا حکم دیا ہے۔ اور اس کی مثال اس شخص کی مثال جیسی ہے جو لوگوں کی ایک جماعت میں ہو، اس کے پاس ایک تھیلی ہو جس میں مشک ہو۔ پس وہ ان سب لوگوں کو خوش کر رہا ہو (یا حضورؐ نے یوں فرمایا کہ) اس کی خوشبو اسے خوش کر رہی ہو۔ بے شک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ اچھی ہے۔ اور میں تمہیں خیرات (کرنے) کا حکم دیتا ہوں۔ اور اس کی مثال اس شخص کی مثال جیسی ہے جس کے دشمن نے اسے قید کر لیا ہو۔ ان لوگوں نے اس کے ہاتھ کو اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیا ہو۔ اور اسے لے چلیں تاکہ اس کی گردن مار دیں۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں تمہیں اپنی جان کے عوض اپنا کم اور زیادہ (سارا) مال دیتا ہوں (اس طرح) اس نے (اپنا مال دے کر) اپنی جان کو ان سے چھڑا لیا ہو (ایسے ہی خیرات کرنے سے انسان کی جان جہنم کے عذاب سے نجات پا لیتی ہے)

اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو یاد کرو اور اس کی مثال اس شخص کی مثال جیسی ہے جس کے دشمن تیزی سے اس کا پیچھا کر رہے ہوں، یہاں تک کہ اچانک انسے ایک محفوظ قلعہ مل جائے اور (اس میں پناہ لے کر) وہ اپنی جان کو ان

سے بچالے۔ یہی حال بندے کا ہے کہ وہ صرف خدا کے ذکر ہی (کی مدد) سے اپنے آپ کو شیطان سے بچا سکتا ہے (یہ بات بیان کر کے پھر) رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہؓ سے) فرمایا کہ میں (بھی) تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا خدا نے مجھے حکم دیا ہے (وہ پانچ چیزیں یہ ہیں) سننا اور اطاعت کرنا اور جہاد اور ہجرت اور جماعت۔ بے شک جس نے جماعت سے بالشت بھر بھی جدائی اختیار کی اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسّی کا پھندا نکال ڈالا سوائے اس کے کہ پھر (جماعت کی طرف) لوٹ کر آ جائے۔ اور جس نے جاہلیت کی پکار پکاری وہ دوزخ کی جماعتوں میں سے ہے (جب حضورؐ نے یہ فرمایا تو) ایک شخص نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسولؐ چاہے وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ (ہاں) چاہے وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو۔ تم (صرف) اللہ کی پکار پکارو۔ جس نے تم لوگوں کا نام "مسلمان، مومن" اور "خدا کے بندے" رکھا ہے۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں حضورؐ نے پہلے وہ پانچ چیزیں بیان فرمائی جو حضرت یحییٰؑ نے اپنی قوم کے آگے بیان کی تھیں۔ اور پھر پانچ چیزیں اپنی طرف سے مسلمانوں کے آگے بیان فرمائیں۔ جن میں ایک یہ ہے کہ ہر مسلمان کیلئے لازمی ہے کہ جماعت کے ساتھ وابستہ رہے۔ جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا یہ ہے کہ صرف انفرادی زندگی کو کافی نہ سمجھے بلکہ یاد رکھے کہ وہ ایک مسلمان فرد ہونے کے علاوہ ملت اسلامیہ کا ایک رکن بھی ہے۔ اُسے اجتماعی زندگی کے بارے میں دین اسلام کے احکام کی تعمیل کرنا ہو گی، جماعتی نظم کی پابندی کرنا ہو گی، ہر اس حرکت سے پرہیز کرنا ہو گی جو اگرچہ انفرادی طور پر اُسے مُضر محسوس نہ ہو مگر ملت اسلامیہ کو بہ حیثیت مجموعی نقصان پہنچانے والی ہو اور اُسے ان اعمال کو حتی الامکان اختیار کرنا ہو گا جن کا انفرادی فائدہ اسے نظر آئے یا نہ آئے مگر وہ مسلمانوں کے لیے بہ حیثیت جماعت مفید ہوں۔ جس مسلمان نے نظم

جماعت کو بے ضرورت سمجھا سنت کو ترک کر کے اسلام میں جماعتی زندگی کی اہمیت وضرورت اور تاکید کو نظر انداز کیا اور اجتماعی زندگی سے علیحدہ ہو کر انفرادی زندگی گزارنا کافی سمجھا حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق ایسے شخص کا ایمان نامکمل رہا۔ اور جس نے جماعت سے ذرا سی بھی علیحدگی اختیار کی حضورؐ کے فرمان کے مطابق گویا وہ دائرۂ اسلام سے نکل گیا جب تک کہ دوبارہ جماعتی نظم کو اختیار نہ کرلے۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جاہلیت کی پکار پکارنے والے دوزخ کی جماعتوں میں سے ہوں گے چاہے نماز پڑھتے ہوں اور روزے رکھتے ہوں۔ جاہلیت کی پکار کی تشریح کے لیے گزشتہ چار پانچ احادیث کی تشریح دیکھ لی جائے۔ اسلام پر ایمان لانے والوں کو خدا تعالیٰ نے "مسلم" "مومن" اور "خدا کے بندے" جیسے معزز نام عطا فرمائے ہیں۔ لہٰذا انہیں صرف خدا کی پکار پکارنی چاہیئے جاہلیت کی پکار نہیں پکارنی چاہیئے۔ ان کے شایان شان یہی ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کے نام اور خدا کے دین کی طرف پکاریں اور انسانوں کو اسی مرکز کے گرد اکٹھا کریں۔

اتحادِ ملّی :

جیسے کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ایک سچے مسلمان کا فرض ہے کہ جو صورت حالات بھی ہو وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو ملت اسلامیہ کے لیے مضر ہو یا اس کے اتحاد کو نقصان پہنچائے۔ اسے پورا محتاط رہنا چاہیئے کہ وہ ملتِ اسلامیہ سے کٹ کر علیحدہ نہ ہو ورنہ اس کا حال اس بکری جیسا ہو گا جو ریوڑ سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو پھر بھیڑیا اسے کھا لیتا ہے۔ اسلام میں فرد کو انفرادی آزادی بھی بہت دی گئی ہے مگر اسے اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنی انفرادی آزادی کو اتنا بڑھا لے کہ جماعت کو نقصان پہنچا دے کیونکہ بہت کچھ انفرادی آزادی حاصل ہونے کے باوجود وہ ملت اسلامیہ کا ایک رکن بھی

ہے۔ ذیل میں جو طویل حدیث بیان ہوئی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں نے دین کی روح کو سمجھا تھا وہ کس طرح ہر حالت میں اپنے آپ کو جماعت سے وابستہ رکھنا ضروری سمجھتے تھے اور جماعت کے نظم و نسق کی پوری پوری پابندی کرنے کو اپنے ایمان کا ایک ناگزیر تقاضا شمار کرتے تھے۔

۳۰۷

حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے غزوے لڑے ان میں سے کسی غزوے میں بھی میں پیچھے نہ رہا سوائے غزوۂ تبوک کے اور غزوۂ بدر کے۔ مگر بدر سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے کسی پر عتاب نازل نہیں ہوا تھا۔ (کیونکہ بدر میں تو) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صرف قریش کے قافلے کا ارادہ کرکے نکلے تھے۔ مگر اللہ نے مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کی مڈ بھیڑ کرادی۔ بغیر اس کے کہ اس کا پہلے سے کوئی فیصلہ کیا گیا ہو اور میں عقبہ کی رات بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب ہم نے اسلام پر قائم رہنے کا معاہدہ کیا تھا اور مجھے تو (معاہدۂ) عقبہ میں شریک ہونا (جنگ) بدر میں شریک ہونے سے زیادہ عزیز ہے۔ اگرچہ (جنگ) بدر کو لوگوں میں (معاہدۂ) عقبہ کی نسبت زیادہ شہرت حاصل ہے۔ اور (واقعہ تبوک کے وقت) میری صورت یہ تھی کہ مالی لحاظ سے جتنا مضبوط اور خوشحال میں اس وقت تھا جب میں اس غزوے میں حضورؐ سے پیچھے رہ گیا تھا اتنا اس سے پہلے کبھی نہ رہا تھا۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میرے پاس کبھی بھی دو سواریاں جمع نہ ہوئی تھیں۔ مگر اس غزوے میں میں دو سواریوں کا مالک تھا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ جب کبھی آپؐ کسی غزوے کا قصد کرتے تو (صاف صاف پتہ نشان نہ بتاتے بلکہ) اصل مقام کو چھپاتے

اور ایسی بات کرتے جس سے کسی اور جگہ جانا سمجھا جائے۔ مگر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے (یعنی غزوہ تبوک) کا ارادہ فرمایا تو گرمی شدید تھی اور سفر جو درپیش تھا وہ بہت لمبا تھا۔ اور راستے میں ایسے جنگل تھے جہاں پانی نہیں تھا اور دشمن کی تعداد کثیر تھی۔ لہٰذا حضورؐ نے مسلمانوں پر اس معاملے کی وضاحت فرما دی تھی تاکہ لوگ غزوے کی (کماحقہ) تیاری کر لیں۔ اور انہیں وہ سمت بھی بتا دی تھی جہاں جانے کا حضورؐ نے قصد کیا تھا۔ (اس وقت) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں مسلمان موجود تھے۔ مگر کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں سب کے نام محفوظ ہوتے یعنی سپاہیوں کے ناموں کا رجسٹر نہیں تھا لہٰذا جو شخص غائب رہنا چاہتا تھا اسے یقین ہوتا تھا کہ حضورؐ کو اس کی غیر حاضری کا اس وقت تک پتہ نہیں چلے گا جب تک کہ اس کے بارے میں خدا کی طرف سے وحی نازل نہ ہو اور اس میں نہ بتایا جائے کہ فلاں شخص غائب ہے) اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے کی تیاری اس وقت کی جب میوہ پک رہا تھا اور سائے میں بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھ مسلمان (بھی) تیاریاں کر رہے تھے اور میں نے بھی قصد کرنا شروع کیا کہ ان کے ساتھ مل کر تیاری کروں، لیکن لوٹ کر آتا تو کچھ نہ کرتا اور دل میں کہتا کہ (کوئی بات نہیں) میں تیاری کر سکتا ہوں۔ ایسے ہی میرا معاملہ لمبا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ (جانے کے لیے) لوگوں نے شدت سے تیاریاں شروع کر دیں۔ اور پھر ایک صبح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان روانہ ہو گئے اور میں نے ابھی کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ میں نے پھر (دل میں یہی) کہا کہ (حضورؐ چلے گئے ہیں تو کوئی حرج نہیں) میں آپؐ کے بعد ایک دو دن میں تیاری کر کے ان لوگوں کو جا ملوں گا۔ غرض کہ ان لوگوں کے رخصت ہونے کے بعد میں نے پھر تیاری کرنے کا قصد کیا لیکن (گھر) واپس آتا تو کچھ تیاری نہ کرتا۔ پھر (تیاری کا) قصد کرتا مگر پھر لوٹ کر آتا تو

(تیاری) نہ کرتا ۔ پس میرے ساتھ ایسے ہی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مجاہدین بہت دور پہنچ گئے تھے اور جہاد (میں شامل ہونے) کا وقت نکل گیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ کوچ کر جاؤں اور ان لوگوں کو جا لوں ۔کاش میں ایسے کر لیتا۔ مگر میری تقدیر میں یہ نہیں تھا ۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد جب میں باہر لوگوں میں جاتا اور ان کے درمیان پھرتا تو میں یہ دیکھ کر غمزدہ ہو جاتا کہ یا تو مجھے وہ لوگ نظر آتے جن پر منافق ہونے کا اتہام تھا۔ یا پھر وہ کمزور لوگ نظر آتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معذور قرار دیئے گئے تھے۔ تبوک پہنچنے تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یاد نہ فرمایا۔ پھر تبوک میں جب آپؐ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا کہ کعبؓ نے کیا کیا ۔(یعنی کعبؓ کہاں ہیں) تو (قبیلہ) بنو سلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ انہیں اپنے لباس اور اپنے حسن و جمال پر نازاں ہونے نے روک لیا ہے (یعنی وہ اپنے لباس اور اپنے حسن و جمال پر خوش ہوتے رہے اور جہاد کی تیاری کی فرصت نہ پائی) اس پر حضرت معاذؓ بن جبل نے (اس سے) کہا کہ آپ نے بری بات کی ہے، خدا کی قسم یا رسول اللہ ، ہم تو انہیں اچھا آدمی ہی جانتے ہیں اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے خبر پہنچی کہ حضورؐ لوٹ کر آرہے ہیں تو میں فکر میں مبتلا ہو گیا ۔ اور جھوٹے بہانے سوچنے لگا اور کہنے لگا کہ کونسی شے ہے جو مجھے کل حضورؐ کے غصے سے بچا سکے گی اور میں نے اس سلسلے میں اپنے گھرانے کے ہر صاحب الرائے شخص سے امداد مانگی ۔ پھر جب کہا گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم قریب پہنچ گئے ہیں تو باطل مجھ سے دور ہو گیا۔

(یعنی جھوٹے بہانے پیش کرنے کا خیال دل سے نکل گیا۔) اور میں نے جان لیا کہ کوئی جھوٹی بات کر کے میں آپؐ کے غصے سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ پس میں نے سچ بولنے کا عزم کر لیا۔ صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپؐ

کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپؐ سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد جاتے اور وہاں دو رکعتیں ادا کرتے۔ پھر لوگوں کے لیے بیٹھتے۔ پس (اس دفعہ بھی) جب آپؐ نے ایسے ہی کیا تو جہاد سے پیچھے رہ جانے والے لوگ آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ کے سامنے عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ لوگ اسیؔ سے کچھ اوپر تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر قبول فرما لیے اور ان سے (دوبارہ) بیعت لی اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ اور ان کے دلوں کے خیالات کو خدا کے حوالے کر دیا۔ پھر میں آپؐ کے پاس آیا۔ جب میں نے آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ اس شخص کی طرح مسکرائے جو غصّے میں ہو۔ پھر فرمایا کہ آؤ۔ میں چلتا ہوا آیا یہاں تک کہ آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تجھے کس شے نے پیچھے رکھا؟ کیا تو اپنی سواری نہیں خرید چکا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، خدا کی قسم اگر میں آپؐ کے سوا کسی اور دنیا والے کے پاس بیٹھا ہوتا تو میں سمجھتا کہ میں کوئی عذر پیش کر کے اس کے غصّے سے بچ جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے بھی قوت کلام اور فصاحت عطا کی گئی ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں (اچھی طرح) جانتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹی باتیں کر کے آپؐ کو راضی کر بھی لوں تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپؐ کو مجھ سے پھر ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں آپؐ سے سچ بولوں گا تو چاہے اس سے آپؐ مجھ سے ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں تاہم اس کے باعث مجھے اللہ کی بخشش اور مغفرت کی امید رہے گی۔ نہیں (میں جھوٹ نہیں بولوں گا) خدا کی قسم میرے پاس کوئی عذر نہ تھا، خدا کی قسم (میں مالی لحاظ سے کبھی بھی اتنا مضبوط اور خوش حال نہ تھا جتنا اس وقت تھا جب میں آپؐ سے پیچھے رہ گیا تھا اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے سچ بولا ہے۔ اچھا اب اٹھ کھڑے ہو یہاں تک کہ اللہ تمہارے معاملے میں کوئی فیصلہ فرما دے۔ پس میں اٹھ کھڑا ہوا (میرے بیان سے قبیلہ (بنو سلمہ) کے لوگوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے ہو لیے اور مجھے کہنے

لگے کہ خدا کی قسم ہمیں معلوم نہیں کہ تو نے اس سے پہلے کبھی کوئی گناہ کیا ہو۔ تو نے رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں کوئی عذر کیوں نہ پیش کر دیا جیسے ان پیچھے رہ جانے والے لوگوں نے پیش کئے تھے۔ پھر رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کا تیرے لیے دعائے مغفرت کر دینا تیرے گناہ (کو مٹا دینے) کے لیے کافی ہو جاتا۔ پس خدا کی قسم وہ لوگ مجھے شدت سے ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے ارادہ کیا کہ (حضورؐ کی طرف) لوٹ جاؤں اور اپنی پہلی بات کو غلط قرار دیتے ہوئے کوئی عذر پیش کر دوں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ہے جس نے میری طرح اپنے گناہ کا اعتراف کیا ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہاں دو آدمی ہیں۔ انہوں نے ایسے ہی کہا جیسے تم نے کہا اور انہیں وہی کہا گیا جو تمہیں کہا گیا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں انہوں نے بتایا کہ مُرارہؓ بن ربیع العُمری اور ہلالؓ بن اُمیہؓ الواقفی۔ انہوں نے مجھ سے دو ایسے آدمیوں کا ذکر کیا جو صالح تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ اُن میں (میرے لیے اچھا) نمونہ تھا۔ پس جب ان لوگوں نے میرے ساتھ ان دو کا ذکر کیا (کہ انہوں نے بھی ویسے ہی کہا جیسے میں نے کہا) تو مجھے اطمینان ہو گیا اور) میں چل دیا۔ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو ہمارے ساتھ بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ حضورؐ سے پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہمیں تینوں کے لیے خصوصی طور پر یہ حکم دیا گیا تھا۔ اس پر لوگوں نے ہم سے الگ رہنا شروع کر دیا۔ اور وہ ہمارے لیے بدل کر کچھ اور ہی ہو گئے یہاں تک کہ مجھے زمین بھی اجنبی لگنے لگی۔ یہ وہ زمین ہی نہیں تھی جسے میں پہچانتا تھا۔ پچاس راتوں تک ہم اسی حالت میں رہے جہاں تک کہ میرے دونوں ساتھیوں کا تعلق تھا انہوں نے تو عاجزی اختیار کر لی اور گھروں میں بیٹھ کر روتے رہتے مگر میں ان لوگوں میں سب سے زیادہ نوجوان اور قوی تھا۔ پس میں نکلتا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا مگر کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا۔ میں رسولِ خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کے

پاس بھی آتا تھا اور نماز کے بعد جب آپؐ بیٹھے ہوتے تو آپؐ کو سلام کرتا۔ پھر اپنے جی میں کہتا کہ کیا مجھے سلام کا جواب دینے کے لیے آپؐ کے ہونٹ ہلے تھے یا کہ نہیں ہلے تھے۔ پھر حضورؐ کے قریب ہی نماز پڑھتا۔ اور آنکھیں چرا کر آپؐ کو بھی دیکھتا رہتا (اور حال یہ تھا کہ) جب میں نماز میں ہوتا تو آپؐ میری طرف دیکھتے رہتے اور جب میں آپؐ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپؐ منہ پھیر لیتے۔ جب لوگوں کی بے مروتی میرے لیے بہت لمبی ہو گئی تو میں چلا یہاں تک کہ اَبُو قَتَادہؓ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا۔ اَبُو قَتَادہؓ میرے چچازاد بھائی تھے اور لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا مگر خدا کی قسم انہوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے کہا کہ اے اَبُو قَتَادہؓ میں آپؓ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ مجھے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو چاہنے والا نہیں جانتے۔ وہ خاموش رہے۔ میں نے اپنی بات دہرائی اور انہیں قسم دلائی، وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور انہیں قسم دلائی تو انہوں نے کہا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ (یہ بات سن کر) میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس مڑا اور دیوار پھاند کر (گھر کی طرف) چل دیا (حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ) اسی دوران میں (ایک دن میں مدینۂ منورہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ شام کے نبطی جو مدینۂ منورہ میں غلہ لا کر بیچتے ہیں ان میں سے ایک نبطی ہے جو کہہ رہا ہے کہ مجھے کعبؓ بن مالک کا پتہ کون بتائے گا۔ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے (کہ کعبؓ بن مالک میں ہوں) لہٰذا وہ میرے پاس آیا اور مجھے (علاقہ) غسان کے بادشاہ کی طرف سے ایک خط دیا۔ اس میں لکھا تھا۔ امّا بعد! مجھے خبر پہنچی ہے کہ تمہارے پیغمبرؐ تم پر بہت زیادتی کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں ذلیل نہیں بنایا اور نہ ایسا بنایا ہے کہ تمہیں ضائع کر دیا جائے۔ تم ہمارے پاس آجاؤ۔ ہم تمہاری امداد کریں گے۔ جب میں نے یہ خط پڑھا تو

میں نے (دل میں) کہا کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے۔ پس میں نے اس خط کو لیا اور اُسے تنور کا ایندھن بنا دیا (یعنی اسے جلا دیا) پچاس راتوں میں سے چالیس گزر گئیں تو رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے میری طرف قاصد بھیجا۔ اس نے کہا کہ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے علیٰحدہ رہیں۔ میں نے کہا کیا اسے طلاق دے دوں۔؟ یا پھر کیا کروں؟ قاصد نے کہا کہ نہیں (طلاق نہ دیں) بس اس سے علیٰحدہ رہیں۔ اور اس کے قریب نہ جائیں۔ اور ایسا ہی پیغام حضورؐ نے میرے باقی دو ساتھیوں کو بھی بھیجا (جو زیرِ عتاب تھے) پس میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ اور انہیں کے پاس رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا کوئی فیصلہ فرما دے۔ پھر ہلالؓ بن امیہؓ کی بیوی رسولِ خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ہلالؓ بن امیہؓ بوڑھے آدمی ہیں جو بے کار ہو چکے ہیں اور ان کا کوئی خادم نہیں ہے۔ اگر میں ان کی خدمت کروں تو کیا آپؐ اسے ناپسند فرمائیں گے حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں لیکن وہ تیرے قریب نہ آئے۔ ہلالؓ بن امیہؓ کی بیوی نے عرض کیا کہ خدا کی قسم، انہیں تو کسی (ایسی) شے کی خواہش ہی نہیں۔ خدا کی قسم جب سے یہ بات ہوئی ہے تب سے لے کر آج تک وہ مسلسل روئے جا رہے ہیں۔ پھر میرے گھرانے والوں میں سے بعض نے مجھے کہا کہ کاش کہ آپ بھی اپنی بیوی کے معاملے میں رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم سے ویسی ہی اجازت لے لیں جیسی حضورؐ نے ہلالؓ بن امیہؓ کی بیوی کو دی ہے تاکہ آپ کی بیوی آپ کی خدمت کرتی رہے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں اس کے معاملے میں رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم سے اجازت نہیں مانگوں گا۔ مجھے کیا معلوم کہ اگر میں اس کے بارے میں رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم سے اجازت مانگوں تو حضورؐ کیا فرمائیں۔ اس لیے کہ میں (ہلالؓ بن امیہؓ کی طرح بوڑھا آدمی

تو نہیں ہوں ، میں نوجوان آدمی ہوں ۔ (غرضیکہ) اس کے بعد دس راتیں اور گزر گئیں یہاں تک کہ جب سے حضورؐ نے (لوگوں کو) ہمارے ساتھ بات کرنے سے منع فرمایا تھا تب سے لے کر اب تک پچاس راتیں پوری ہو گئیں پچاسویں رات کی صبح کو جب میں نے فجر کی نماز پڑھی اور میں اپنے گھروں میں سے ایک گھر کی پچھلی طرف بیٹھا ہوا تھا اور میں اسی حالت میں تھا جس کا خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں) ذکر کیا ہے کہ زندگی میرے لیے اجیرن ہو چکی تھی اور زمین اپنی تمام وسعت کے باوجود میرے لیے تنگ ہو چکی تھی کہ (اچانک) میں نے کسی چیخنے والے کی آواز سنی جو سلع (پہاڑ) پر چڑھ کر انتہائی بلند آواز میں پکار رہا تھا کہ اے کعبؓ بن مالک ، خوشخبری قبول کرو ۔ حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ (یہ سنتے ہی) میں سجدے میں گر گیا اور جان گیا کہ مشکل آسان ہو گئی ہے پھر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا کی تو اللہ تعالیٰ کے ہماری توبہ قبول کرنے کا اعلان کر دیا ۔ (پس) پھر لوگ ہمارے پاس خوشخبری دینے کے لیے آنے لگے ۔ اور میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری دینے والے گئے ۔ ایک آدمی گھوڑا دوڑاتا میرے پاس آیا اور (قبیلہ) بنو اسلم کا ایک شخص دوڑا اور پہاڑ پر چڑھ گیا ۔ (اور وہاں سے پکار کر مجھے خوشخبری دی) اور یہ آواز گھوڑے سے زیادہ تیزی سے (مجھ تک) پہنچی ۔ پھر جب میرے پاس وہ شخص آیا جس کی آواز میں نے سنی تھی جو مجھے خوشخبری دے رہی تھی تو اس خوشخبری کے عوض میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اسے پہنا دیئے ۔ خدا کی قسم اس روز ان دو کپڑوں کے سوا میرے پاس اور کوئی کپڑا نہ تھا ۔ پس میں نے دو کپڑے ادھار لیے اور انہیں پہن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا (راستے میں) لوگ فوج در فوج مجھے مل رہے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مجھے مبارک دے رہے تھے ۔ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کی توبہ قبول کر لینا آپ کو مبارک ہو ۔

حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ (لوگ اسی طرح مجھے ملتے اور مبارکیں دیتے رہے) یہاں تک کہ میں مسجد میں داخل ہوا۔ دیکھا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اور آپؐ کے اردگرد لوگ جمع تھے۔ (میں پہنچا تو) حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ تیزی سے چلتے ہوئے میری طرف آئے۔ اور میرے ساتھ مصافحہ کیا اور مجھے مبارک دی۔ خدا کی قسم! مہاجرین میں سے یہ کام صرف حضرت طلحہؓ ہی نے کیا۔ میں ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ پھر جب میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو (دیکھا کہ) آپؐ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ تجھے خوش خبری ہو اپنے اس دن کی جو تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک کے سب دنوں میں سے بہترین دن ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ معافی آپؐ کی طرف سے ہے یا رسولؐ اللہ یا خدا کی طرف سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں (میری طرف سے نہیں) بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ جب آپؐ خوش ہوتے تو آپؐ کا چہرہ مبارک اس طرح چمکنے لگتا گویا کہ وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور اس سے ہم آپؐ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔ پھر جب میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میری توبہ کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ میں اپنا مال اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لیے خیرات کر دوں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مال کا کچھ حصہ اپنے لیے بھی رکھو۔ ایسا کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ (بہت خوب) میں اپنا خیبر والا حصہ رکھے لیتا ہوں۔ (باقی خیرات کر دیتا ہوں) پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ، اللہ تعالیٰ نے سچائی کے باعث مجھے نجات عطا فرمائی ہے تو میری توبہ کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اب جب تک میں زندہ رہوں گا ہمیشہ سچ ہی بولوں گا۔ پس خدا کی قسم کہ جب سے میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا میں مسلمانوں میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس پر خدا نے سچ کے باعث اس سے بڑھ کر مہربانی فرمائی ہو جو اس نے مجھ پر فرمائی۔ جب سے میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

سے یہ ذکر کیا ہے اس دن سے لے کر آج تک میں نے کبھی جھوٹ بولنے کا قصد نہیں کیا۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ میری بقیہ زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھے گا (جب یہ واقعہ پیش آیا تو) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر (یہ آیات) نازل فرمائیں۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ... وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ تک (یعنی اللہ نے معاف کر دیا نبیؐ کو اور ان مہاجرین و انصار کو جنہوں نے بڑی تنگی کے وقت میں نبیؐ کا ساتھ دیا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چلے تھے (مگر جب انہوں نے اس کجی کا اتباع نہ کیا بلکہ نبیؐ کا ساتھ دیا تو) اللہ نے انہیں معاف کر دیا۔ بے شک اس کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا ہے اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ اے ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو) پس خدا کی قسم کہ جب سے خدا نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ اس نے مجھ پر کوئی بھی ایسی نعمت نازل نہیں فرمائی جو میرے نزدیک اس نعمت سے بڑی ہو کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولا اور میں نے آپؐ کے سامنے جھوٹ نہ بولا ورنہ میں بھی ہلاک ہو جاتا جیسے وہ ہلاک ہوئے جنہوں نے جھوٹ بولا۔ جب اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی تو ان جھوٹ بولنے والوں کے لیے وہ بات فرمائی جو سخت ترین بات تھی۔ جو اللہ نے کسی کے لیے فرمائی۔ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ ... فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ تک (یعنی جب تم لوگ لوٹ کر ان کے

پاس آؤ گے تو یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے صرف نظر کر دو۔ تو بے شک تم ان سے صرف نظر ہی کر لو، کیونکہ یہ لوگ گندگی ہیں اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جو ان کی کمائی کے بدلے میں انہیں نصیب ہوگی۔ یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ حالانکہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ہرگز ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا)

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم تینوں کا معاملہ ان لوگوں سے علیحدہ ہے جنہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے (جھوٹے) حلف اٹھائے تو آپؐ نے ان کے عذر قبول کر لیے اور ان سے بیعت لے لی اور ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی مگر ہمارا معاملہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھیل میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ اللہ نے اس کا فیصلہ فرمایا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف فرمایا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا) یہاں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو خُلِّفُوْا کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس کا مطلب ہمارا غزوے سے پیچھے رہ جانا نہیں بلکہ حضورؐ کا ہمارے مقدمے کے فیصلے کو پیچھے رکھنا اور ہمارے معاملے کو التوا میں ڈالنا ہے۔ بمقابلہ ان لوگوں کے جنہوں نے حضورؐ کے سامنے حلف اٹھائے اور (سچے جھوٹے) عذر پیش کئے تو حضورؐ نے انکے عذروں کو قبول فرما لیا۔

(بخاری)

تشریح: اس حدیث میں پہلے جو آیات بیان ہوئی ہیں وہ سورۃ التوبہ کی آیات ۱۱۷، ۱۱۸ اور ۱۱۹ ہیں اور بعد میں جو بیان ہوئیں وہ سورۃ التوبہ کی آیات ۹۵ اور ۹۶ ہیں۔

یہ حدیث جماعت سے وابستگی کی وہ صحیح تصویر پیش کر رہی ہے جو اسلام کو مطلوب ہے۔ حضرت کعبؓ بن مالک مؤمنین صالحین میں سے تھے مگر جہاد کے معاملے میں جب ان سے ایک کوتاہی ہوگئی تو انہیں اس کی سخت سزا سہنی پڑی

اور یہ سزا ایک دو روز کے لیے نہیں تھی بلکہ پورے پچاس روز جاری رہی اس دوران میں حضرت کعبؓ نے انتہائی ذہنی اذیت سہی اور وہ اس بھری ہوئی دنیا میں بالکل تنہا ہو کر رہ گئے مگر اپنے محبوب رہنما اور اپنی اسلامی جماعت کے ساتھ وابستگی کا یہ عالم تھا کہ دل کے کسی اندرونی گوشے میں بھی یہ خیال تک نہ گزرا کہ وہ اس سخت گیر جماعت کو چھوڑ کر کسی اور سے جا کر تعلق قائم کر لیں۔ بلکہ جب دین کے ایک مخالف نے اس صورت حالات سے فائدہ اٹھانے کی خاطر پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس آ جایئے تو انہوں نے اس پیغام پر غور کرنا تو کجا الٹا اسے ایک آزمائش سمجھا اور اس دعوت نامے کو آگ کی نذر کر دیا۔ پھر جس طرح خود حضرت کعبؓ نے اور مدینے کی ساری مسلمان آبادی نے اطاعت امیر اور نظم و ضبط کے پابند رہنے کی مثال پیش کی وہ بے نظیر ہے۔ جب ایک دفعہ امیر نے فرما دیا کہ فلاں شخص سے بات نہیں کرنی تو اس آباد بستی میں ایک متنفس بھی ایسا نہ نکلا جو اس کی حکم عدولی کرتا۔ پھر جب اس انسان کو جانچ پرکھ لینے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اسے معاف کر دیا جائے اور لوگوں سے نہ بولنے کی پابندی اٹھا لی گئی تو لوگ جس طرح مبارک دینے کے لیے دوڑے اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ دل اس سزا یافتہ شخص کی محبت سے بھرپور تھے۔ پچاس دن تک اس سے کلام نہ کرنا صرف اس لیے تھا کہ جماعتی نظم کا یہی تقاضا تھا۔

۳۰۸

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ قوم جو ہدایت پر تھی پھر اس کے بعد گمراہ ہو گئی تو وہ ضرور (باہمی) جھگڑوں میں مبتلا ہو گئی، پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (ذیل کی) آیت پڑھی مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ٥ (یہ مثال وہ تمہارے

سامنے محض کج بحثی کے لیے لائے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ) (ترمذی)

تشریح :۔ اس حدیث میں جو آیت بیان ہوئی ہے وہ سورۃ الزخرف کی آیت ۵۸ ہے۔ جھگڑالو لوگ کافروں کو کہا گیا ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی کا لازمی نتیجہ باہمی جھگڑے اور بے اتفاقی ہے۔ لہٰذا ملت اسلامیہ میں اتحاد قائم ہونے کا پائیدار ترین ذریعہ یہ ہے کہ مسلمانانِ عالم اسلام کو مضبوطی سے پکڑیں، اس کے کما حقہ وفادار اور چاہنے والے بنیں اور اپنی زندگی کو اس کے احکام کے مطابق ڈھالیں۔ جس تناسب سے لوگ دین کے وفادار اور اس کی تعلیمات پر عامل ہوں گے اسی تناسب سے ان میں اتفاق و محبت زیادہ ہوگی اور جیسے جیسے دین سے دور ہوتے جائیں گے باہمی اختلافات پیدا ہوتے جائیں گے۔ اور جھگڑے عام ہو جائیں گے۔

۳۰۹

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بال کی کھال نکالنے والے ہلاک ہوئے۔ یہ بات آپؐ نے تین دفعہ فرمائی۔ (مسلم)

تشریح :۔ دین کے معاملے میں بہت زیادہ موشگافیاں کرنی، سوال در سوال کرتے جانا اور بال کی کھال کھینچنا سخت ناپسندیدہ بات ہے۔ اس سے چھوٹے چھوٹے مسائل پر فرقے بننے شروع ہو جاتے ہیں اور یہ فرقے پھر آپس میں لاحاصل بحثیں کر کے اختلافات کو بڑھاتے اور ملت کو ٹکڑوں میں بانٹ کر بے اتفاقی پیدا کرتے ہیں۔ دین کو سیدھے سادھے طریقے سے لینا چاہیئے اور دین کے احکام پر عمل کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ جن لوگوں کے دماغ میں کجی ہوتی ہے وہ عمل کی طرف آنے کی بجائے اپنی قوت اور وقت موشگافیوں پر ضائع کرنا شروع کر دیتے

ہیں۔ اس کے برعکس جو ہدایت کے متلاشی ہوتے ہیں وہ دین کے احکام کو سمجھ کر اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالنے کی فکر کرتے ہیں۔ اول الذکر گروہ کی سرگرمیوں کا نتیجہ بحث و جدال اور آخر الذکر کی کوششوں کا مآل اتحاد ملت ہوتا ہے۔

۳۱۰

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ (کی میت) کو تابوت میں رکھ دیا گیا تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ وہ (ان کے لیے) دعائیں کر رہے تھے اور (ان کی) تعریف کر رہے تھے۔ اور اُن پر نماز پڑھ رہے تھے۔ قبل اس کے کہ جنازہ اٹھایا جاتا۔ اور میں بھی انہیں لوگوں میں تھا۔ پھر کسی شخص نے پیچھے سے میرا مونڈھا پکڑا تو میں ڈر گیا۔ میں اس کی طرف مڑا۔ دیکھا تو وہ حضرت علیؓ تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے لیے دعائے رحمت کی اور فرمایا کہ (اے امیر المؤمنین) آپ نے کوئی ایسا شخص پیچھے نہیں چھوڑا جس کے بارے میں میری یہ خواہش کہ میں اس جیسے اعمال لے کر خدا سے ملاقات کروں۔ اتنی ہو جتنی آپ کے بارے میں ہے۔ اور خدا کی قسم میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ آپ کو آپ کے دونوں ساتھیوں (یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ) کے ساتھ کرے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر فرماتے سنتا تھا کہ "میں آیا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ آئے" اور "میں داخل ہوا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ داخل ہوئے" اور "میں نکلا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ نکلے" اس لیے میں امید رکھتا ہوں یا (یوں فرمایا کہ) میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں کے ساتھ کرے گا۔ (مسلم)

تشریح :- مسلمانوں میں جو شمار فرقے پیدا ہوتے رہے ہیں ان میں دو اہم ترین فرقے شیعہ اور سُنّی ہیں۔ اوّل الذکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے حقدار حضرت علیؓ تھے

اس لیے حضرت علیؓ سے پہلے جو تین صحابیؓ جن میں حضرت عمرؓ بھی تھے یکے بعد دیگرے خلیفہ بنے وہ بات درست نہیں تھی۔ اس مسئلہ خلافت پر دونوں فرقوں میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ جو ملت کی بے اتفاقی اور بعض اوقات شدید پریشانیوں کا باعث بنتے رہے ہیں۔ یہ حدیث واضح کر رہی ہے کہ خود ان بزرگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کتنی عزت تھی۔ لہٰذا پیروؤں میں سے جو آپس میں لڑتے جھگڑتے اور ملت کو کمزور کرتے ہیں وہ بظاہر تو ان کی محبت کا دم بھرتے مگر درحقیقت ان کے طریقے کی مخالفت کرتے ہیں۔ دیانت داری سے کسی معاملے میں باہم تھوڑا بہت اختلاف ہو جانا ایک عام بات ہے مگر اس اختلاف کو اتنی ہوا دینا اور اس کے معاملے میں اتنی شدت اختیار کرنا کہ وہ ملت کے اتحاد کو ضرر پہنچائے سخت ناپسندیدہ امر ہے۔

کتاب ١٣

تزکیۂ نفس

باب ۹

تزکیۂ نفس کی ضرورت، اہمیّت اور تاکید!

عربی زبان میں لفظ تزکیہ کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ کسی شے کو صاف ستھرا بنایا جائے اور اس کو نشوونما دے کر پروان چڑھایا جائے اور اصطلاح میں تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو غلط رجحانات، میلانات اور اعمال سے ہٹا کر نیکی اور خدا ترسی کی راہ پر ڈالا جائے اس تعریف کی رو سے تزکیۂ نفس کی مہم قدرتی طور پر دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔

۱۔ اپنا محاسبہ کر کے دیکھنا کہ ہم میں کیا کیا برائیاں ہیں اور پھر انہیں دور کرنے کی کوشش کرنا۔

۲۔ اپنا محاسبہ کر کے دیکھنا کہ ہم میں کیا کیا اچھائیاں نہیں ہیں اور پھر انہیں اپنے اندر پیدا کرنے کی جدوجہد کرنا۔

واضح رہے کہ انسان ان اعمال کو ہمیشہ بے فائدہ اور لاحاصل سمجھتا ہے جن

کے فوائد اس کے ذہن نشین نہ ہوں۔ اس لیے تزکیۂ نفس کا خیال بھی صرف اُسی شخص کے دل میں آسکتا ہے جسے اچھی طرح پتہ چل چکا ہو کہ برائیاں میرے لیے ہلاکت خیز اور نیکیاں میرے لیے فائدہ مند ہیں۔ اس لیے انسان کے لیے پہلی ضروری بات تو یہی ہے کہ اسے قلبی یقین حاصل ہو جائے کہ خدا نے مجھے جن باتوں سے روکا ہے ان سے اسی لیے روکا ہے کہ وہ مجھے ہلاک کرنے والی ہیں اور جن کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ ہیں ہی ایسی کہ مجھے دنیوی اور اُخروی دونوں سعادتوں سے ہمکنار کرنے والی ہیں یعنی اسے اپنے خالق و مالک کی شفقت و محبت پر پورا سچا قلبی یقین ہو چکا ہو کہ وہ رؤوف و رحیم ہادی میرے ہی فائدے کی خاطر مجھے زہر کھانے سے رُکے رہنے اور آبِ حیات پینے کا حکم دے رہا ہے۔ تزکیۂ نفس کی مہم کا آغاز اس یقین کے ساتھ کیا جائے گا تو انشاء اللہ یہ انتہائی مشکل کام خدا کی مہربانی سے آسان ہو جائے گا کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ یہ کام انتہائی مشکل ہے جن برائیوں کے ہم عادی ہو چکے ہوں انہیں دور کرنا کہنے کو تو آسان ہے مگر اُسے عملاً کرنا ایک انتہائی دشوار مہم ہے۔ ایسے ہی جن اچھائیوں کا انسان عادی نہ ہو اپنے آپ کو ان کا عادی بنانا بھی کوئی کھیل نہیں ہے ان دونوں کاموں کے لئے بڑی ہمت اور حوصلے اور صبر و استقامت کی ضرورت ہے اور اس ضروری صبر و استقامت کو پیدا کرنے کے لیے لازمی ہے کہ دل و دماغ میں یہ چیز پوری طرح رچ بس جائے کہ ہم کبھی بھی تنہا نہیں ہوتے، ایک ذات ہے جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہوتی ہے اور ہر وقت ہمیں دیکھ رہی ہوتی ہے۔ سات پردوں میں چھپ کے بھی کوئی بُرائی کریں وہ ساتھ ہی رہتی ہے اور ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہی ہے۔ اہل دنیا کی نگاہوں سے دور بہت دور ہو کر بھی کوئی نیکی کریں اس کی نگاہ برابر اس پر پڑ رہی ہے یہ وہ ذات ہے جو ہر طرح کا بدلہ دینے پر قادر ہے اور یہ اتنی قدردان ہے کہ ضرور جزا دیتی ہے۔

بلاشبہ تزکیۂ نفس کی مہم بہت دشوار ہے، مگر جتنی دشوار ہے اتنی ہی ضروری بھی ہے کیونکہ آخرت دائمی ہے اور دنیا عارضی ہے مگر اس دائمی کی کامیابی اس عارضی

کے اعمال کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس عارضی کو گزارتے ہوئے ازحد محتاط ہونا پڑے گا تاکہ دائمی خراب نہ ہو۔ اور پھر چونکہ نیکی نام ہی ان اعمال کا ہے جو آخرت درست کرنے کے علاوہ دنیا میں بھی مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اور گناہ کہا ہی ان افعال کو گیا ہے جو آخرت خراب کرنے کے علاوہ دنیا میں بھی انجام کار ضرر ہی پہنچاتے ہیں۔ اس لیے جو شخص تزکیۂ نفس سے لاپرواہ رہے یا اس مہم کی مشکلات سے ڈر کر اسے سر کرنے کا خیال چھوڑ دے اس سے زیادہ زیاں پسند اور کوئی نہیں کیونکہ وہ اپنی کم ہمتی کے باعث اپنی آخرت اور دنیا دونوں کو بربادی کی نذر کر دینے پر تیار ہے۔ لہٰذا تزکیۂ نفس کے انسان کے لیے انتہائی مفید ہونے کے باعث اس کا تاکید سے حکم دیا گیا ہے۔

تزکیۂ نفس کی تاکید :

(۳۱۱)

حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ کون آدمی سب سے بہتر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو۔ اس نے عرض کیا کہ کون آدمی سب سے بُرا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس کی عمر لمبی ہو اور عمل بُرا ہو۔ (ترمذی)

تشریح: اچھائی کی تلقین کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ لوگوں کو واضح الفاظ میں کہا جائے کہ اے لوگو! یہ اور یہ اچھائی اختیار کرو اور اس برائی سے بچو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو مخاطب کر کے اچھائی کی خوبیاں موثر الفاظ میں بیان کر دی جائیں اور اسی طرح برائی کے نقصانات کو بھی اس طرح وضاحت سے بیان کر دیا جائے کہ سننے والوں کے دلوں میں خوف پیدا ہو۔ آگے یہ نہ کہا جائے کہ اول الذکر کو اختیار کرو اور آخر الذکر سے بچو بلکہ دونوں چیزوں کی صفات بیان کر کے پھر عمل کرنا سننے والوں

پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ دوسرا طریقہ بعض اوقات پہلے سے بھی زیادہ کامیاب ہوتا ہے کیونکہ اس میں یہ اشارہ بھی موجود ہوتا ہے کہ نیکی اختیار کر داور برائی سے بچو اور ساتھ ہی نیکی کے فوائد اور برائی کے نقصانات بیان ہو جانے کے باعث بات مؤثر بھی بہت ہو جاتی ہے اس حدیث میں حضورؐ کے اس فرمان میں کہ بہترین وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھا ہو۔ اور بدترین وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل بُرا ہو۔ یہ ہدایت صاف نظر آرہی ہے کہ بہترین بنو اور بدترین ہونے سے بچو۔

۳۱۲

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ (مسلم)

تشریح:۔ اگر انسان اس بات پر غور کرے کہ خدا نے اس دنیوی زندگی کے جو اوقات اُسے دیئے ہیں انہیں وہ زیادہ تر کن کاموں پر صرف کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی زندگی کا بہت سا حصہ اپنی ظاہری دل کشی کو قائم رکھنے اور مال اکٹھا کرنے پر صرف ہو جاتا ہے اور اپنے دل اور اپنے اعمال کی طرف توجہ دینے کی اسے بہت کم فرصت ملتی ہے۔ لہٰذا حضورؐ نے تنبیہہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخری دو چیزوں کو دیکھنا ہے پہلی دو چیزوں کو نہیں دیکھنا۔ مراد یہ ہے کہ اپنے دلوں کو غلط عقائد اور بُرے خیالات سے پاک کرو اور اچھے اعمال اختیار کرو۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ یہ نہیں دیکھیں گے کہ دنیا میں انسان کی ظاہری دل کشی کا کیا حال تھا اور اس کے پاس مال کتنا تھا بلکہ یہ دیکھیں گے کہ اس کے دل میں بُرے خیالات اور بُرے ارادے تھے یا اچھے اور اس کے اعمال اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والے تھے یا ناراض کرنے والے۔ یہ ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ وہ آخری امتحان جس میں کامیاب ہو جانے یا ناکام رہ جانے پر ہمیشہ کی خوش بختی

منحصر ہے اس کی تیاری کرتے ہوئے زیادہ تر زور ان سوالوں کو تیار کرنے پر لگا دیا جائے جو پوچھے نہیں جاتے اور جو لازماً پوچھے جاتے ہیں انہیں اتنی کم توجہ دی جائے گویا ان کا نصاب سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

(۲۱۳)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان بھی انسان کے دل میں خیال ڈالتا ہے اور فرشتہ بھی انسان کے دل میں خیال ڈالتا ہے۔ شیطان کا خیال ڈالنا یہ ہے کہ وہ برائی کا وعدہ کراتا ہے اور حق کو جھٹلانے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور فرشتے کا خیال ڈالنا یہ ہے کہ وہ بھلائی کا وعدہ کراتا ہے اور حق کی تصدیق کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ پس جو کوئی (اپنے دل میں) یہ پائے (یعنی فرشتے کے ڈالے ہوئے نیکی کے خیالات) تو وہ جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ لہٰذا اللہ کا شکر ادا کرے۔ اور جو کوئی (اپنے دل میں) دوسری بات پائے (یعنی شیطان کے وسوسے) تو وہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے) پھر حضورؐ نے (یہ آیت) پڑھی (اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ج آیت کے آخر تک۔ (ترمذی)

تشریح:۔ یہ آیت جو بیان ہوئی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۶۸ ہے اور اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے "شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرز عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بڑا جاننے والا ہے۔"

اس حدیث میں حضورؐ نے انسان کو تنبیہہ فرمائی ہے کہ کس طرح وہ شیطان کی زد پر بھی ہے مگر ساتھ ہی اسے نیکی کی طرف بلانے کا بندوبست بھی موجود ہے لہٰذا جب اس کے دل میں نیکی کا خیال آئے تو خدا کا شکر ادا کرے یعنی اسے خدا کی ایک

نعمت سمجھے اور اس کا قولی اور عملی شکر ادا کرے۔ نعمت کا عملی شکر ادا کرنا یہ ہے کہ اسے اس طرح استعمال کیا جائے جس طرح استعمال کیا جانا نعمت دینے والے کی رضا کا باعث ہو۔ لہٰذا نیک خیال کا عملی شکر ادا کرنا یہ ہے کہ اس نیک خیال پر عمل کیا جائے اور اپنے آپ کو نیک اعمال کا عادی بنایا جائے۔ ایسے ہی جب انسان کے دل میں کسی بُرائی کا خیال آئے تو جان لے کہ یہ شیطان نے پیدا کیا ہے اور خدا سے دعا کرے کہ وہ اُسے شیطان کے فتنے سے محفوظ رکھے اور پوری کوشش کرکے اس بُرے خیال کو دل سے نکال دے اور اس پر عمل نہ کرے۔ انسان کے اعمال اس کے دل کے ارادے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ دل میں نیک خیال ہونا نیک اعمال کا اور دل میں بُرے خیالات ہونے بُرے اعمال کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں:۔

برائیوں سے بچنا :

(۳۱۴)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر خیرات کرنا لازم ہے۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ اگر اس کے پاس خیرات کرنے کے لیے کچھ نہ ہو تو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے پھر اپنی ذات کو بھی فائدہ پہنچائے اور خیرات بھی کرے۔

صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ اگر وہ ایسا نہ کر سکے یا (یوں کہا کہ) اگر وہ ایسا نہ کرے تو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کسی حاجت مند مظلوم کی امداد کرے۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ اگر یہ بھی نہ کرے تو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پھر بھلائی کا حکم دے۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا کہ اگر یہ بھی نہ کرے تو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پھر بُرائی سے رُکا رہے کہ یہ اُس کے لیے

خیرات ہوگی۔ (بخاری)

تشریح :۔ یعنی برائی کا ارتکاب کرنے سے بچنا بذاتِ خود نیکی ہے اگر کوئی شخص بہت زیادہ نیکیاں نہ کر سکتا ہو مگر اپنے فرائض ادا کرے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہے تو انشاء اللہ اس کی نجات کے لیے کافی ہوگا۔ اس کے برعکس جو شخص بڑھ چڑھ کر نیکیاں کرے مگر ساتھ ہی گناہوں سے بھی باز نہ آئے تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا گناہوں کو سنکھیا سے تشبیہہ دی گئی ہے اگر ایک انسان بہت اعلیٰ قسم کی قوت بخش غذائیں کھاتا ہے مگر ساتھ ہی سنکھیا بھی کھاتا ہے تو وہ مر کر رہے گا۔ اس کے برعکس جو معمولی دال روٹی کھاتا ہے مگر سنکھیا نہیں کھاتا انشاء اللہ زندگی پائے گا یہی حال اس انسان کا ہوگا جو اگرچہ بہت زیادہ نیکیاں نہیں کرتا مگر فرائض ادا کر لیتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے۔

۳۱۵

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کو تعریف پسند نہیں۔ اسی لیے اس نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت والا بھی نہیں ہے اسی لیے اس نے (تمام) فحش باتوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔ (مسلم)

تشریح :۔ حدیث میں فحش باتوں کے لیے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے "فَوَاحِش" جس کا اردو ترجمہ "بے شرمی کے کام" "بے حیائی کے کام" کیا جاتا ہے۔ کلام پاک میں سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۱ میں فرمایا گیا ہے

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ (اور بے شرمی کی باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ)

تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ ۵۹۹ پر اس کی تشریح یوں کی گئی ہے۔
"فواحش کا اطلاق ان تمام افعال پر ہوتا ہے جن کی برائی بالکل واضح ہے۔ قرآن میں زنا، عمل قوم لوطؑ، برہنگی، جھوٹی تہمت اور باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کو فحش اعمال میں شمار کیا گیا ہے۔ حدیث میں چوری اور شراب نوشی اور بھیک مانگنے کو من جملہ فواحش کہا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے تمام شرمناک افعال بھی فواحش میں داخل ہیں۔"

۳۱۶

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ مومن کوئی ایسا کام کرے جسے خدا نے حرام کیا ہو۔ (بخاری)

۳۱۷

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں اپنی امت کے ان لوگوں کو جو قیامت کے دن ایسی نیکیاں لے کر آئیں گے جو تہامہ کے پہاڑوں کی طرح واضح اور نمایاں ہوں گی لیکن اللہ تعالیٰ انہیں اس غبار کی طرح کر دے گا جو اڑ جاتا ہے (اس پر) حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان کا حال ہم سے بیان کیجئے اور وضاحت سے بیان فرمائیے تاکہ ہم لاعلمی سے ان جیسے نہ ہو جائیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ تمہارے ہی بھائی بند ہوں گے۔ تمہاری ہی ذات (یا قوم) میں سے ہوں گے اور راتوں کو ایسے ہی عبادت کریں گے، جیسے تم کرتے ہو، لیکن وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ جب تنہا

ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے حرام کیے ہوئے کاموں کے کرنے کا موقع حاصل ہو گا۔ تو ان کا ارتکاب کر لیں گے۔ (ابن ماجہ)

تشریح :۔ اس حدیث میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں کے سامنے تو بہت زیادہ نیکیاں کرتے ہیں۔ مگر جب انہیں کوئی ایسا موقع ملتا ہے جب انہیں تسلی ہوتی ہے کہ ہمارے گناہوں کا لوگوں کو پتہ نہیں چلے گا تو پھر وہ گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ گویا ان کا نیکیاں کرنا اور گناہوں سے بچنا صرف لوگوں کو دکھانے کے سبب ہوتا ہے۔ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور خدا کے غضب سے بچنے کے لیے نہیں ہوتا۔ لہٰذا لوگوں کی نگاہوں میں تو ان کی نیکیاں تہامہ کے پہاڑوں کی طرح واضح اور نمایاں ہونگی مگر جب وہ خدا کے پاس جائیں گے تو غبار ہو کر رہ جائیں گی جو اڑ جاتا ہے اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ اس حدیث میں جس شے کی تلقین فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچنا اور نیکیاں اختیار کرنا صرف اسی صورت میں وزن رکھتا ہے کہ وہ صرف اللہ کی خاطر ہوں۔ انسانوں کے لیے پرہیزگاری اختیار کرنا دنیا میں تو شہرت دلا سکتا ہے مگر آخرت میں اس کا کوئی وزن نہیں ہو گا۔

۳۱۸

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے بشرطیکہ گناہ اور قطعی رحمی کی دعا نہ کرے (اور) بشرطیکہ جلدی نہ مچائے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ جلدی مچانا کیا ہے حضورؐ نے فرمایا کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے (بہت) دعا کی اور میں نے (بہت) دعا کی مگر مجھے وہ قبول ہوتی نظر نہیں آتی۔ پھر تھک کر بیٹھ جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے۔ (مسلم)

تشریح :۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ سے بچنے کے علاوہ اس بات سے بھی بچنا چاہیئے کہ گناہ کے لیے دعا کی جائے ۔ ایک واقعہ ہے کہ کوئی چور پکڑا گیا اور جب عدالت میں اس پر جرح ہوئی تو جو باتیں معلوم ہوئیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ جب وہ چوری کرنے کے لیے نکلا تو اس کی بیوی اپنا سر ننگا کر کے دعا کرنے بیٹھ گئی کہ "اے خدا میرا میاں چوری کر کے ساتھ خیر کے گھر آئے" چور کا خود یا اس کی بیوی کی دعا کرنا کہ جو چوری کی جانے لگی ہے اس میں کامیابی ہو گناہ کی دعا ہے ۔ ایسے ہی اپنے کسی رشتے دار کو نقصان پہنچنے کی دعا کرنا قطع رحمی کی دعا ہے ۔ گناہ کے لیے دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس گناہ کو کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہے اگر موقع مل گیا تو ضرور کر گزرے گا ۔

۳۱۹

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی جان ظلماً قتل کی جاتی ہے تو اس کے خون (کے گناہ) کا ایک حصہ آدمؑ کے پہلے بیٹے (قابیل) پر ضرور پڑتا ہے ۔ کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ جاری کیا تھا ۔ (بخاری)

تشریح :۔ گناہوں سے بچنے کے لئے یہ بھی ذہن نشین کئے رکھنا چاہیئے کہ جب انسان کوئی برا نمونہ قائم کرتا ہے تو پھر اس برے نمونے کے باعث آگے جتنے لوگ اس برائی کا ارتکاب کرتے جاتے ہیں ان کے گناہوں کا ایک ایک حصہ اس انسان کو ملتا رہتا ہے جس نے وہ برا نمونہ قائم کیا تھا ۔ اور چونکہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس برے نمونے کے اثرات کتنی دور تک جانے ہوتے ہیں ۔ اس لیے یہ اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا کہ اس آغاز کرنے والے کے لیے آخر کار کتنا عذاب جمع ہو جانا ہوتا ہے ۔ قابیل حضرت آدمؑ کا بیٹا تھا جس نے اپنے بھائی ہابیل کو بے گناہ قتل کر دیا تھا

لہٰذا جب تک دنیا قائم ہے جتنے قتل ہوتے رہیں گے ان کے گناہ کا ایک حصہ قابیل پر پڑتا رہے گا۔ کیونکہ اس نے سب سے پہلے قتل کا ارتکاب کر کے قتل کرنے کی رسم جاری کی تھی۔

نیکیاں اختیار کرنا :

۳۲۰

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ تم لوگوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نیکی خیرات ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح :۔ اللہ کی راہ میں خیرات کرنا بہت زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔ اب ہو سکتا ہے کہ کسی انسان کے پاس خیرات کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو تاہم اُسے نا امید یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جس قسم کی نیکی بھی وہ کر سکتا ہے کرے اُسے اسی طرح ثواب ملے گا جیسے خیرات کرنے سے ملتا ہے۔

۳۲۱

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی تم ہو اور (اگر) برائی (ہو جائے تو اس) کے بعد نیکی کر لیا کرو، وہ (نیکی) اس (برائی) کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔ (ترمذی)

تشریح :۔ ایک مسلمان کی کوشش تو یہی ہونی چاہیئے کہ وہ برائیوں سے بچے تاہم اگر بشریت کے تقاضے سے کوئی برائی ہو ہی جائے تو اسے چاہیئے کہ اب نیکی

کرنے کی سعی بھی کرے۔ حضورؐ کے فرمان کے مطابق یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی۔ آخرت کے حقائق کے متعلق جو کچھ ہمیں بتایا گیا ہے اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ انسان کی نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں گی۔ اور دیکھا جائے گا کہ کس چیز کا وزن زیادہ ہے پھر اگر نیکی کا وزن زیادہ ہوا تو انسان کامیاب ہوگا۔ اور اگر برائیوں کا زیادہ ہوا تو ناکام ہوگا لہٰذا اگر برائی ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ برائیوں کے پلڑے کا وزن پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ لہٰذا اب نیکی بھی کی جائے تاکہ نیکی کے پلڑے کا وزن بھی بڑھے۔

۳۲۲

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ نیکی میں سے کسی شے کو حقیر نہ سمجھو چاہے وہ اتنی ہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔ (مسلم)

تشریح: ایک مسلمان کو نیکی کے معاملے میں حریص ہونا چاہیئے۔ جو نیکی بھی اور جتنی بھی ہو سکے کر لینی چاہیئے۔ یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ یہ تو چھوٹی سی ہے اسے کیا کروں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسے کس وقت کون سی شے پسند آجائے گی جو انسان کی نجات کا باعث بن جائے گی۔ اب بظاہر یہ بات چھوٹی سی ہی ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے۔ کیونکہ نہ تو اس پر کچھ خرچ اٹھتا ہے نہ مشقت کرنی پڑتی ہے لیکن اگر موقع مل جائے تو یہ نیکی بھی کر لینی چاہیئے کیونکہ اگرچہ دیکھنے میں یہ چھوٹی ہے مگر جسے خندہ پیشانی سے ملا جائے اس کا دل بہت خوش ہوتا ہے۔

۳۲۳

قُرّۃ بن خالد بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حسنؒ (بصری) کا انتظار کر رہے تھے

انہوں نے ہمارے پاس آنے میں دیر لگائی یہاں تک کہ ان کے (مسجد سے) اٹھ جانے کا وقت قریب آگیا۔ پھر وہ آئے اور فرمایا کہ ہمیں ہمارے ان ہمسایوں نے بلا لیا تھا (اس لیے آنے میں دیر ہو گئی) پھر انہوں نے کہا کہ حضرت انس رضی بن مالک نے بیان کیا کہ ایک رات ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے یہاں تک کہ آدھی رات کا وقت آن پہنچا۔ پھر حضورؐ تشریف لائے اور ہمیں نماز پڑھائی پھر آپؐ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آگاہ رہو کہ (دوسرے) لوگوں نے نماز پڑھ لی اور سو گئے مگر تم لوگ جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے مسلسل نماز ہی میں رہے (اس حدیث کی بنا پر) حضرت حسن (بصریؒ) فرماتے ہیں کہ لوگ جب تک کسی نیکی کے کرنے کے منتظر رہتے ہیں وہ اس نیکی کا ثواب پاتے رہتے ہیں۔ (بخاری)

۳۲۴

خالد بن عمیر عدوی بیان کرتے ہیں کہ (صحابی رسولؐ) حضرت عتبہ رضی بن غزوان نے ہمیں خطبہ دیا۔ انہوں نے (پہلے) خدا کی حمد وثنا کی پھر فرمایا:

امابعد بے شک دنیا نے اپنے ختم ہونے کی خبر دے دی ہے۔ اور وہ منہ موڑ کر تیزی سے اپنے اختتام تک پہنچ رہی ہے۔ اور اس کا کچھ باقی نہیں رہا سوائے کچھ بچے کھچے حصے کے جیسے برتن میں کچھ بچا کھچا مشروب رہ جائے جسے اس کا مالک پی رہا ہو (یعنی دنیا کا بہت تھوڑا حصہ رہ گیا ہے اور اہل دنیا اس بچے کھچے حصے کو گزار رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اے لوگو) بے شک تم دنیا سے منتقل ہو کر ایک ایسے گھر کی طرف جانے والے ہو جسے زوال نہیں۔ پس جو اعمال صالحہ تمہارے پاس ہیں انہیں ساتھ لے کر جانا۔ کیونکہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ (دوزخ اتنی گہری ہے کہ) اسکے کنارے سے پتھر پھینکا جائے گا تو وہ ستر سال تک اس میں گرتا رہے

گا۔ مگر اس کی تہہ تک نہیں پہنچے گا اور خدا کی قسم کہ (اتنی گہری ہونے کے باوجود) یہ دوزخ بھری جائے گی (کیا تم لوگوں کو (اس بات پر) تعجب ہوتا ہے۔ حالانکہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ جنّت (اتنی وسیع ہے کہ اس) کے کناروں میں سے دو کناروں کے درمیان (کے فاصلے کو) طے کرنے کے لیے چالیس سال کی مسافت (درکار) ہے۔ اس کے باوجود اس پر ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ لوگوں کے اژدحام کے باعث بھری ہوئی ہوگی اور (ایک وقت تھا جب) میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سات ساتھیوں میں سے ساتواں تھا اور ہمارے لیے درختوں کے پتوں کے سوا کوئی کھانا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ (ان پتوں کی سختی اور گرمی کے باعث) ہماری باچھیں زخمی ہوگئی تھیں۔ (مفلسی کا یہ عالم تھا کہ) مجھے ایک چادر ملی تو میں نے اُسے پھاڑ کر (دو ٹکڑے کیا اور اسے) اپنے اور سعدؓ بن مالک کے درمیان تقسیم کر لیا۔ پس اس کے آدھے حصّے کا میں نے تہہ بند بنایا اور آدھے حصّے کا سعدؓ بن مالک نے۔ اور اب یہ صورت ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک بھی نہیں جو شہروں میں سے کسی شہر کا حاکم نہ ہو۔ اور میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھوں اور خدا کے نزدیک چھوٹا ہوں۔ (پھر فرمایا کہ) کوئی نبوّت بھی ایسی نہیں گزری جس کے اثرات دوسری طرح کے اثرات سے بدل نہ گئے ہوں یہاں تک کہ آخر کار اس کے بعد یہ ہوا کہ سلطنت قائم ہوگئی۔ عنقریب تمہیں تجربہ ہو جائے گا ان حاکموں کا جو ہمارے بعد آئیں گے۔ (مسلم)

تشریح:۔ صحابیِ رسولؐ حضرت عُتبہؓ بن غزوان نے اپنے اس خطاب میں بڑی دانائی کی باتیں بیان فرمائی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کا اب تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے اور لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ دنیا سے جاتے ہوئے اعمال صالحہ ساتھ لے کر جائیں اور مطلع کیا کہ دوزخ اور جنّت بے انتہا بڑی ہیں تاہم وہ بھری جائیں گی۔ یعنی برائیاں کرنے والوں کی بھی کوئی انتہا نہ ہوگی اور

اچھائیاں کرنے والوں کی بھی۔ پھر آپ نے بتایا کہ اسلام کے ابتدار ہیں ان لوگوں پر کیا کیا آزمائش آئیں مگر اب وہ اور انکے ساتھی شہروں کے حاکم بنے ہوئے ہیں۔ تاہم بیشک ان میں فخر و غرور اور احساس برتری پیدا نہیں کر رہی۔ بلکہ وہ اس بات سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھ لیں اور خدا کی نگاہ میں بڑے نہ ہوں۔ پھر انہوں نے بیان فرمایا کہ نبیوں کے پیرو آہستہ آہستہ ان کی تعلیمات سے ہٹتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ انبیا کے چھوڑے ہوئے نظام دنیاوی سلطنتوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ آخر میں انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ مسلمان بھی ایسا ہی کرینگے اور فرمایا کہ ہمارے بعد جو حاکم آئیں گے انہیں دیکھ کر تمہیں پتہ چل جائے گا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے۔ حضرت عتبہ رض بن غزوان کی یہ بات حرف بحرف ٹھیک نکلی اور واقعی بعد میں مسلمانوں کا نظام خلافت بھی بادشاہی اور سلطنت کی شکل اختیار کر گیا جس میں حکمرانی ورثہ بن گئی۔ شاہی خاندان قائم ہو گئے، بیت المال حکمرانوں کا ذاتی خزانہ بن گیا اور حاکم لوگ اللہ کے دین کی اشاعت کرنے اور رعایا کی خدمت کرنے کے بجائے اپنی سلطنتوں کو مضبوط کرنے، انہیں زیادہ سے زیادہ پھیلانے اور اپنی شان و شوکت کا اظہار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کہاں تو وہ حاکم تھے جو اس بات سے خدا کی پناہ مانگتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھیں اور کہاں پھر وہ حاکم آگئے جو اپنی بڑائی منوانے کے لیے بندگان خدا کا خون پانی کی طرح بہانے لگے۔

گناہوں سے دنیا بھی خراب ہوتی ہے:

۳۲۵

حضرت عبداللہ رض بن عمر رض بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہماری

طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اسے مہاجرین کے گروہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہوئے (تو بہت سی مصائب میں مبتلا ہو جاؤ گے) اور میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تم ان میں مبتلا ہو (وہ پانچ چیزیں یہ ہیں)

۱۔ جب کسی قوم میں فحاشی پھیل جاتی ہے اور وہ علانیہ اس کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ تو ان میں لازماً طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو ان کے گزشتہ آباء و اجداد میں نہیں پائی جاتی تھیں۔

۲۔ اور جب لوگ ناپ اور تول میں کمی کرتے ہیں تو انہیں قحط آ لیتا ہے اور سخت مصیبت پڑتی ہے اور (وقت کا) بادشاہ ان پر ظلم کرتا ہے۔

۳۔ اور جب لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے تو ان سے آسمان سے آنے والی بارش کو روک لیا جاتا ہے۔ اور اگر (دنیا میں) چوپائے نہ ہوتے تو بالکل پانی نہ پڑتا۔

۴۔ اور جب لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں تو اللہ اُن پر ایسے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے جو ان میں سے نہیں ہوتا اور وہ (یعنی غیر قوم سے تعلق رکھنے والے دشمن) اُن سے ان کے ہاتھوں کے مال کا ایک حصہ چھین لیتے ہیں۔

۵۔ اور جب کسی قوم کے حاکم خدا کی کتاب کی رو سے فیصلے نہیں کرتے اور اللہ نے جو اتارا ہوتا ہے اُسے اختیار نہیں کرتے تو خدا ان کے درمیان لڑائی ڈال دیتا ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح :۔ اس حدیث میں حضورؐ نے واضح فرمایا ہے کہ گناہ کرنے سے آخرت کی سزا تو ملنی ہی ہے خود اس دنیا میں بھی بسا اوقات ان کی سزا مل کر رہتی ہے کیونکہ جن اعمال سے منع فرمایا گیا ہے اُن سے اسی لیے منع فرمایا گیا ہے کہ وہ مضر تھے۔ چنانچہ جب کسی قوم میں کوئی گناہ عام ہو جاتا ہے تو پھر اس کے بُرے اثرات بھی زیادہ پھیل جاتے ہیں

اور آخر کار وہ بُرے اثرات اس قوم پر اُس گناہ کی مناسبت سے کوئی سخت سزا لانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

۳۲۶

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ
۱۔ عمر کو صرف نیکی ہی بڑھاتی ہے۔
۲۔ اور تقدیر کو صرف دعا ہی ٹالتی ہے۔
۳۔ اور بے شک انسان اس گناہ کے باعث جس کا اس نے ارتکاب کیا ہوتا ہے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

۳۲۷

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ (قوم ثمود کے علاقے) حجر پر سے گزرے تو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں فرمایا کہ جن لوگوں نے (خدا کی نافرمانی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا ان کے ٹھکانوں میں روتے ہوئے ہی داخل ہونا، اس ڈر کے مارے کہ کہیں تم پر بھی ویسی ہی مصیبت نہ آجائے جیسی ان پر آئی تھی۔ پھر آپؐ نے (اپنی سواری کو) ڈانٹ کر جلدی چلایا۔ یہاں تک حجر کو پیچھے چھوڑ گئے۔ (مسلم)

تشریح: حجر قوم ثمود کا مسکن تھا۔ یہ عرب کی پرانی قوموں میں سے ایک قوم تھی۔ جب اسلام آیا تو ابھی اس قوم کے قصے عربوں کے اشعار اور خطبوں میں بیان کئے جاتے تھے۔ اس قوم کا مسکن عرب کے شمال مغربی حصے میں بتایا جاتا ہے یہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر عالیشان گھر بناتے تھے۔ ان کی طرف اللہ کے نبی حضرت

صالحؑ بھیجے گئے تھے۔ ان لوگوں کے مطالبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے معجزے کے طور پر ان کے لیے ایک اونٹنی بھیجی مگر یہ لوگ اتنے شریر اور نافرمان تھے کہ اس معجزانہ طور پر آئی ہوئی اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ ان کی بداعمالیوں کے باعث ان پر سخت قسم کا عذاب آیا۔ جس نے آن کی آن میں پوری قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ جب ایک دفعہ حضورؐ صحابہؓ کے ساتھ سفر کرتے ہوئے اس علاقے حجر میں داخل ہوئے جہاں قوم ثمود کے کھنڈرات تھے تو مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ اس علاقے میں روتے ہوئے داخل ہونا۔ رونا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ انسان خدا کے آگے عاجزی کر رہا ہے، اس سے اپنے قصوروں کی معافی مانگ رہا ہے اور اس سے اس کی رحمت کی بھیک مانگ رہا ہے۔ حضورؐ نے ایک تو مسلمانوں کو روتے ہوئے داخل ہونے کی تلقین فرمائی اور دوسرے اپنی سواری کو تیز کر کے جلدی اس علاقے سے گزر گئے۔

۳۲۸

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے بتایا کہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (قوم) ثمود کی سرزمین حجر میں اترے اور اس کے کنویں سے پانی بھرا۔ اور اس پانی سے آٹا گوندھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اس کے کنوئیں سے جو پانی انہوں نے بھرا تھا اسے بہا دیں اور آٹا (جو اس پانی سے گوندھا گیا تھا اسے) اونٹوں کو کھلا دیں۔ اور انہیں حکم فرمایا کہ اس کنویں سے پانی بھریں جس پر (حضرت صالح علیہ السلام کی) اونٹنی پانی پینے آیا کرتی تھی۔ (بخاری)

تشریح:۔ اس کی تشریح کے لیے پہلے حدیث ۳۲۷ کی تشریح دیکھ لی جائے۔ جس اونٹنی کا یہاں ذکر ہے یہ وہی معجزے کے طور پر آئی ہوئی اونٹنی تھی یہ قوم جو اپنی بداعمالیوں کے باعث عذاب کا شکار ہوئی تھی حضورؐ نے ان

کے علاقے کے کنوئیں سے لیے ہوئے پانی کو بھی استعمال کرنے کی اجازت نہ دی۔

(۳۲۹)

ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھبرائے ہوئے نکلے اور آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا تھا آپؐ فرما رہے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ بربادی ہے عرب کے لیے اس شر سے جو قریب آ گئی ہے۔ آج یاجوج ماجوج کی سد (یعنی وہ دیوار جس نے انہیں روک رکھا ہے) اتنی کھل گئی ہے اور آپؐ نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے حلقہ بنایا (کہ اتنی) حضرت زینبؓ بنت جحش بتاتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں، جب فسق و فجور زیادہ ہو جائے گا (تو سب ہلاک ہو جائیں گے) (مسلم)

تشریح: کلام پاک میں سورۃ الکہف میں یاجوج ماجوج کا ذکر آتا ہے۔ یہ مفسد لوگ تھے جو آبادیوں پر حملے کر کے لوگوں کو بہت ستاتے تھے انہیں روکنے کے لیے ذوالقرنین نے ان کے آگے مضبوط دیوار بنا دی جس کے پیچھے یہ بند ہو گئے تھے۔ ذوالقرنین نے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جب میرے رب کا حکم آئے گا تو یہ پیوند خاک ہو جائے گی۔ اس کے پیوند خاک ہو جانے کا یہ مطلب ہے کہ یاجوج ماجوج پھر آزاد ہو کر تباہی مچائیں گے۔ حضورؐ نے اس حدیث میں جس دیوار کا ذکر فرمایا ہے وہ یہی دیوار ہے اور اس کے ذرا سے کھل جانے پر حضورؐ آئندہ کی تباہی کے خیال سے گھبرائے ہوئے تھے۔ جب حضرت زینبؓ نے عرض کیا کہ جب ہم میں نیک لوگ بھی ہیں تو کیا اس کے باوجود ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ جب فسق و فجور زیادہ ہو جائے گا تو ہلاکت آ جائے گی اگرچہ بیچ میں نیک لوگ بھی ہوں گے۔ اس سے ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی قوم

کے اکثر لوگوں کا فسق و فجور میں مبتلا ہو جانا ہلاکت لاتا ہے اور دوسرے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی قوم میں فسق و فجور زیادہ ہو جائے تو وہ عذاب کا شکار ہو جاتی ہے اگرچہ قوم کے اندر کم تعداد میں نیک لوگ بھی موجود ہوتے ہیں۔

نیکی کے دنیوی اور اُخروی فوائد

۳۳۰

زُہَیر بن حرب بیان کرتے ہیں کہ ہم سے جریر نے بیان کیا، جریر نے سُہَیل سے روایت کیا۔ سُہَیل نے اپنے باپ سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا (کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبّت کرتا ہے تو جبرئیلؑ کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں، پس تو بھی اس سے محبت رکھ۔ لہٰذا جبرئیلؑ بھی اس سے محبّت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ آسمان میں ندا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبّت رکھتا ہے، پس (اے آسمان والو) تم بھی اس سے محبت رکھو۔ پس آسمان والے بھی اس سے محبّت کرنے لگتے ہیں پھر اس شخص کے لیے زمین میں بھی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے (یعنی اہل زمین بھی اس سے محبّت کرنے لگتے ہیں) اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو جبرئیلؑ کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں سے نفرت کرتا ہوں، پس تو بھی اس سے نفرت کر۔ چنانچہ جبرئیلؑ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں پھر وہ آسمان والوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں شخص سے نفرت ہے پس تم لوگ بھی اس سے نفرت کرو۔ چنانچہ آسمان والے بھی اس سے نفرت کرنے لگتے

ہیں۔ پھر زمین میں بھی اس کے لیے نفرت رکھ دی جاتی ہے (یعنی اہل زمین بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں) (مسلم)

تشریح: حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتا ہے تو انجام کار اہل دنیا بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اللہ کسی سے نفرت کرتا ہے تو انجام کار اہل دنیا بھی اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ اب کلام پاک کی روشنی میں ذرا دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے:

سورۃ البقرہ آیت ۱۹۵ میں ارشاد ہوا ہے۔ "بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

" " ۲۲۲ " " " " "بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

" آل عمران " ۷۶ " " " " - "بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔"

" " " ۱۴۶ " " " " " - "اور خدا صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

" " " ۱۵۹ " " " " " - "بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

" المائدہ " ۴۲ " " " " " - "بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

" الصف " ۴ " " " " " - "بے شک اللہ محبت رکھتا ہے ان لوگوں سے جو اُس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک

سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور اس کی محبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہل دنیا بھی ان لوگوں سے محبت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ نیکی سے دنیا بھی درست ہو جانے کا ایک مظہر یہ ہے کہ اہل دنیا فطرتاً نیکی اختیار کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ نیکی اختیار کرنے والوں کا مقصود اہل دنیا کی محبت حاصل کرنا نہیں ہوتا کیونکہ اگر وہ اس مقصود کی خاطر نیکی کریں گے تو ان کی نیکی کے ریا بن جانے کا خطرہ ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔ ان کا مقصود تو خدا کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے مگر اس کا فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اہل دنیا کے نزدیک بھی محبوب ہو جاتے ہیں جیسے کہ مندرجہ بالا حدیث واضح کر رہی ہے۔

۳۳۱

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جو اچھے عمل کرتا ہے اور لوگ اس بات پر اس کی تعریف کرتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ (تعریف) مومن کے لیے فوری بشارت ہے (مسلم)

تشریح:۔ یعنی لوگوں کا اس کی تعریف کرنا نتیجہ ہے اس حقیقت کا کہ لوگ اُسے اچھا سمجھتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں اور لوگوں کا اس سے محبت رکھنا نتیجہ ہے اس حقیقت کا کہ اللہ اُس سے محبت رکھتا ہے جیسے کہ حدیث ۳۳۰ میں بیان ہوا ہے اور ایسے ہی لوگوں کا اس کی تعریف کرنا اور اس کے متعلق اچھی رائے رکھنا اس کے اللہ تعالیٰ کے ہاں بخشے جانے کا ذریعہ بنے گا۔ جیسے کہ حدیث ۳۲۲ سے واضح ہوتا ہے جہاں بیان ہوا ہے کہ جس مسلمان کے لیے چار یا تین یا دو مسلمان

اچھی گواہی دیں گے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

۲۳۲

ابوالاسود بیان کرتے ہیں کہ میں مدینۂ منورہ آیا اور وہاں ایک بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ان لوگوں کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو اس میت کی تعریف کی گئی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واجب ہو گئی پھر ایک اور جنازہ گزرا۔ اور اس میت کی بھی تعریف کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے (پھر) فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ پھر تیسرا (جنازہ) گزرا۔ تو اس میت کی مذمت کی گئی تو حضرت عمرؓ نے (پھر یہی) فرمایا کہ واجب ہو گئی۔ ابوالاسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آیا امیرالمومنین کیا شے واجب ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے ویسے ہی کہا ہے جیسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا (حضورؐ نے فرمایا تھا) کہ جس مسلمان کے لیے چار (مسلمان) اچھی گواہی دیں اللہ اُسے جنت میں داخل کر دے گا۔ جس پر ہم نے عرض کیا کہ اگر تین گواہی دیں تو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تین کے گواہی دینے پر بھی (اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا) ہم نے عرض کیا کہ اگر دو گواہی دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ دو کے گواہی دینے پر بھی (اللہ اُسے جنت میں داخل کرے گا) پھر ہم نے آپؐ سے ایک (کے گواہی دینے) کے بارے میں نہ پوچھا۔ (بخاری)

تشریح:۔ جن دو میتوں کی تعریف کی گئی تھی ان کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "واجب ہو گئی" اور تیسری جس کی مذمت کی گئی تھی اس کے بارے میں بھی یہی فرمایا کہ "واجب ہو گئی" بعض دوسری روایات سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ پہلی دو کے لیے جنت واجب ہو گئی اور تیسری کے لیے دوزخ واجب ہو گئی کیونکہ اہل دنیا کی اچھی رائے علامت ہے اس بات

کی کہ وہ شخص اچھا تھا اور اہل دنیا کی بُری رائے علامت ہے اس بات کی کہ وہ شخص بُرا تھا۔ اس لیے کہ انسان کی فطرت میں اچھائی کی محبت رکھی گئی ہے اور سوائے اس کے کہ اس کا دل بالکل ہی سیاہ ہو چکا ہو، وہ برائی کی راہ پر چلتے ہوئے بھی اچھائی کے لیے اپنے دل میں کشش ضرور محسوس کرتا ہے۔

۲۲۳

سہیل بن ابی صالح بیان کرتے ہیں کہ ہم عرفہ میں تھے کہ (بنوامیہ کے نیکوکار خلیفہ) حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز گزرے۔ وہ حج کے موقع پر آئے ہوئے تھے لوگ کھڑے ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز سے محبت کرتا ہے۔ میرے باپ نے کہا کہ وہ کیسے۔ میں نے کہا کہ اس لیے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے محبت ہے۔ میرے باپ نے کہا کہ تو اپنے باپ کو قربان کرے میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حدیث بیان کرتے سنا تھا۔ پھر انہوں نے (حضرت ابوہریرہؓ کی) اس حدیث کی مانند حدیث بیان کی جو جریر نے سہیل سے بیان کی تھی۔ (مسلم)

تشریح:۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بنوامیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے اور ننھیال کی طرف سے حضرت عمرؓ فاروق سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی نیکوکاری کے باعث مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی آپ پر جان دیتے تھے۔ آپ کا عہد بہت مختصر سا تھا۔ مگر جتنی محبت اور ہر دلعزیزی آپ کو حاصل ہوئی بہت کم لوگوں کو ہوئی ہو گی اور اس کی بنیاد صرف آپ کے نیک اعمال تھے۔ حدیث کے آخر میں جس حدیث کی طرف اشارہ ہوا ہے وہ وہی حدیث ہے جو یہاں نمبر ۲۲۰ کے تحت بیان ہوئی ہے۔

۳۳۴

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ قیامت کب ہو گی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تُو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ (میری تیاری) خدا اور خدا کے رسولؐ کی محبّت (ہے) حضورؐ نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے تُو نے محبت کی ہو گی۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اسلام کے بعد ہم جس بات پر سب سے زیادہ شدّت کے ساتھ خوش ہوئے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہی فرمان تھا کہ تو اسی کے ساتھ ہو گا جس سے تو نے محبت کی ہو گی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے تو اللہ سے محبّت ہے اور اس کے رسولؐ سے اور حضرت ابو بکرؓ سے اور حضرت عمرؓ سے اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں (قیامت کے دن) انہیں کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں نے اُن جیسے اعمال نہیں کئے۔ (مسلم)

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکو کاری نہ صرف نیکی کرنے والے کی دنیا اور آخرت کی خیر و برکت کا باعث ہوتی ہے بلکہ نیکوں سے محبت رکھنے والے بھی ان کی نیکی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ انسان کے لئے یہ خبر کہ قیامت کے دن وہ اسی کے ساتھ ہو گا جس سے اس نے محبت کی ہو گی ایک بہت بڑی خوشخبری اور انسانوں کے لیے نیک انجامی کی بشارت ہے۔ کیونکہ اوّل تو انسان طبعًا نیکوں سے محبّت رکھتا ہے اور دوسرے سے یہ اطلاع مل جانا کہ نیکوں سے محبت کر کے تم قیامت کے دن انہیں کے ساتھ ہو گے اسے اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ ارادتًا بھی ان سے محبّت کرے اور چونکہ انسان کی جبلت میں یہ شے موجود ہے کہ وہ نیکوں سے محبّت کرے اس لیے ارادتًا محبّت کرنا

بھی انشاءاللہ اس کے لیے مشکل نہ ہوگا۔

۳۳۵

حضرت انسؓ بن مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ کافر جب کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے عوض اُسے دنیا کا لقمہ دے دیا جاتا ہے اور مومن کی نیکیاں اللہ اس کی آخرت کے لیے جمع رکھتا ہے اور اس کی اطاعت کے باعث اسے دنیا میں (بھی) رزق عطا فرماتا ہے۔ (مسلم)

تشریح:- یعنی اگر کافر ایسے اعمال کرے جنہیں نیکیاں قرار دیا جاتا ہے مثلاً صلۂ رحمی، محتاجوں ضرورت مندوں کی امداد، دیانت و امانت، بیمار کی عیادت مہمان کی مہمان نوازی وغیرہ تو اسے ان اعمال کے عوض دنیا کے فائدے دے دیئے جاتے ہیں مگر آخرت میں اس کا حصّہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس مومن جب نیک اعمال کرے تو چونکہ اس کا مقصد خدا کی خوشنودی کا حصول ہوتا ہے اس کی نیکیوں کا اجر آخرت کے لیے جمع رکھا جاتا ہے اور ساتھ ہی عموماً اسے دنیا کے فائدے بھی دے دیئے جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعمال کو نیکیاں کہا ہے وہ دنیا میں بھی فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً دیانت دار تاجر کی تجارت چمک اٹھے گی۔ حلال کمائی کھا کر پلے ہوئے بچے نیک اور لائق ہوں گے۔ جس مال کی زکوٰۃ ادا ہوگی اس کی خیر و برکت بڑھے گی۔

۳۳۶

ابو خالد الوالبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، اور (ساتھ ہی ابو خالد الوالبی یہ بھی) کہتے ہیں کہ میں یہی جانتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہؓ رسولِ خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے تو میری بندگی کے لیے فارغ ہو جا میں تیرا دل تونگری سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی دور کر دوں گا اور اگر تو ایسے نہیں کرے گا تو میں تیرے دل کو دھندوں سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی دور نہیں کروں گا۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ بندگی کا وسیع مفہوم یہ ہے کہ انسان جو بندہ ہے زندگی میں جو کام بھی کرے اس سے اس کا مقصود اپنے معبود یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ہو۔ ایک مومن کا زندگی گزارنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ ہر کام کرتے ہوئے خدا کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اگر نماز اس لیے پڑھتا ہے کہ خدا خوش ہو تو روزی کماتے ہوئے یا کوئی اور ایسا کام کرتے ہوئے بھی جو چاہے بظاہر دنیاوی کام ہی ہو، اس کے پیش نظر یہی رہتا ہے کہ اسے اس طریقے سے انجام دوں کہ خدا کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور اس کی ناراضی سے محفوظ رہوں جو شخص پوری زندگی اسی طرح گزارے گا وہ ہر طرف سے فارغ ہو کر خدا کی بندگی میں لگ گیا اگرچہ وہ ان تمام کاموں کو بھی کر رہا ہے جنہیں عام طور پر دنیاوی کام کہا جاتا ہے۔ مثلاً بیوی بچوں کو کما کر کھلاتا ہے۔ اہل خانہ کے حقوق ادا کرتا ہے۔ کھاتا پیتا اور آرام کرتا ہے متعلقین کی خوشی غمی میں شرکت کرتا ہے اور دوسرے معاشرتی فرائض سرانجام دیتا ہے وغیرہ، مگر چونکہ ہر کام سے اس کی نیت اپنے خدا کو خوش کرنا ہے اس لیے وہ خدا کی بندگی کے لیے فارغ ہے ایسے انسان کے لیے یہ خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو تونگری سے بھر دے گا۔ اور اس کی محتاجی دور کر دے گا۔ مگر جو انسان خدا کی خوشنودی کی طلب میں مصروف رہنے کے بجائے اپنی دنیاوی ضروریات کی فکروں میں سرگرداں رہتا ہے اس کے دھندے کبھی ختم ہی نہیں ہوتے۔ ایک چیز ملتی ہے تو دوسری کی طلب شروع ہو جاتی ہے۔ دوسری ملتی ہے تو تیسری کی تلاش شروع ہو جاتی ہے، غرضیکہ بہت کچھ حاصل ہو تو بھی احتیاج کبھی ختم نہیں ہوتی۔ لہٰذا محتاجی بھی ختم نہیں ہوتی۔ کیونکہ محتاجی تو احتیاج ہونے کا نام ہے اس کے

برعکس خدا کی خوشنودی کے طلب گار کے دل میں زیادہ حرص ہی نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہے اسی پر قانع اور خوش ہے۔ بہت زیادہ کی احتیاج نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہ محتاج بھی نہیں ہوتا۔ یہ تونگری سے بھرا ہوا مطمئن اور قانع دل اور نت نئی احتیاجات سے محفوظ زندگی دنیا وی لحاظ سے بھی بہت بڑا انعام ہے کیونکہ ایسا انسان دنیا پرست انسان کی نسبت بہت زیادہ خوش اور پرسکون رہتا ہے۔

۳۳۷

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس سے (نیک) عمل کراتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اس سے کیسے عمل کراتا ہے یا رسول اللہ؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے موت سے پہلے نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ خدا کی طرف سے نیک اعمال کی توفیق حاصل ہو جانا دولت ایمان کے بعد سب سے بڑی دولت ہے کیونکہ یہ توفیق زندگی میں ذریعۂ سکون بنتی ہے اور آخرت میں ذریعہ کامیابی۔ یہ نہیں کہ نیک اعمال کرنے والوں کی زندگی میں دکھ نہیں آتے وہ تو بشر کی زندگی میں آتے ہی ہیں تاہم جو انسان اپنی دائمی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے اور ہمیشہ کا آرام حاصل کرنے کے لیے اعمالِ نیک میں مصروف رہتا ہے اُسے اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ زندگی کے عارضی دکھوں کو لے کر بیٹھا روتا جھینکتا رہے۔ بلا شبہ وہ بشر ہے جب وہ غم کا شکار ہوتا ہے تو اس کا دل غمزدہ ہوتا ہے، اس کی آنکھ آنسو بہاتی ہے مگر وہ اپنی زبان سے وہ باتیں نہیں نکالتا جو خدا کو ناراض کرنے وا

ہوں اور صبر کا اجر جانتے کے باعث صبر کرتا ہے جس کے باعث وہ بہت حدتک بے قراری سے بچا رہتا ہے اور طبعی غم سہہ لینے کے بعد پھر انہیں کاموں میں مصروف ہو جاتا ہے جو ہمیشہ کے غم سے نجات دینے والے ہیں۔

بڑے بڑے گناہ :

ویسے تو گناہ چھوٹا ہو یا بڑا بہرحال گناہ ہے کیونکہ اس میں خدا کی نافرمانی ہے تاہم بعض گناہ ایسے ہی جنہیں کبیرہ گناہ کہا گیا ہے۔ مثلاً شرک، بدکاری، چوری جھوٹی گواہی دینا، بغیر کسی شرعی عذر کے والدین کی نافرمانی کرنا، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، جہاد کے دن پشت پھیر کر بھاگ جانا بے گناہوں پر تہمتیں لگانا، جھوٹ بولنا، یہ اور بعض اور گناہ ایسے ہیں جنہیں بڑے بڑے گناہ شمار کیا گیا ہے۔ ذیل کی احادیث میں ان بڑے بڑے گناہوں میں سے کچھ بڑے گناہوں کا حال بیان ہوا ہے۔

۳۳۸

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبائر کے متعلق فرمایا کہ وہ (یہ) ہیں: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اور والدین کی نافرمانی کرنا اور (ناحق) قتل کرنا اور جھوٹی بات کرنا (یا جھوٹی گواہی دینا) (مسلم)

۳۳۹

حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (بیٹھے) تھے کہ حضورؐ نے تین دفعہ فرمایا کہ کیا میں تمہیں بڑے بڑے گناہوں

ہیں سے بھی سب سے بڑے گناہ نہ بتا دوں ؟ (وہ یہ ہیں) اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا یا (آپؐ نے فرمایا کہ) جھوٹی بات کرنا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ پھر آپؐ (اٹھ کر) بیٹھ گئے اور اس بات کو مسلسل دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (جی میں) کہا کہ کاش کہ آپؐ (اب) خاموش ہو جائیں۔ (اور اپنے آپ کو زیادہ نہ تھکائیں) (مسلم)

۳۴۰

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ وہ کیا ہیں رحضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، اور جادو اور کسی جان کو قتل کرنا سوائے اس کے کہ اسے حق کے ساتھ قتل کیا جائے اور یتیم کا مال کھانا اور سود کھانا اور جہاد کے دن پشت پھیر کر بھاگ جانا اور پاکدامن، بھولی بھالی، مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔ (مسلم)

۳۴۱

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بدکاری کرتا ہے وہ بدکاری کرتے وقت مومن نہیں ہوتا۔ اور جو شراب پیتا ہے وہ جب شراب پی رہا ہوتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور چور جب چوری کر رہا ہوتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث

بن ہشام نے مجھے بتایا کہ ابوبکر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث انہیں بتایا کرتے تھے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ ابوبکر ان (زبین) باتوں کے ساتھ یہ بھی ملایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص کسی کی قیمتی شئے کو لوٹتا ہے اس طرح کہ لوگوں کی آنکھیں اسے ایسا کرتے دیکھ رہی ہوتی ہیں، تو جس وقت وہ اس شئے کو لوٹ رہا ہوتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ (بخاری)

۳۴۲

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ جو مسلمان اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور میں خدا کا رسولؐ ہوں اس کا خون (بہانا) جائز نہیں، سوائے تین شخصوں کے (جو ایسے ہیں کہ یہ گواہی دینے کے باوجود ان کی جان لی جائے گی، (ایک) وہ جس نے اسلام کو چھوڑ دیا اور اسلامی جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ (یعنی مرتد ہوگیا، (دوسرے) شادی شدہ بدکار (تیسرے) وہ جس نے کسی کی جان لی ہو۔ (النسائی)

۳۴۳

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑے بڑے گناہوں میں یہ بھی ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (بھلا) کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں، ایک آدمی دوسرے آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ تو وہ (جواباً) اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ کسی کی ماں کو گالی

دیتا ہے تو وہ (جواباً) اس کی ماں کو گالی دیتا ہے (تو پھر اس طرح اس نے گویا خود ہی اپنے والدین کو گالی دی) (مسلم)

۳۴۴

(یہاں ایک خاص بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ وہ یہ کہ بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کرنے سے یہ مراد نہیں کہ بڑے گناہوں سے تو بچا جائے اور چھوٹے بلاشک کر لیے جائیں۔ کیونکہ گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا بہرحال گناہ ہے اور ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس سے بچنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ چھوٹے گناہ اس لحاظ سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کہ انسان انہیں چھوٹے سمجھ کر زیادہ احتیاط نہیں کرتا اور پھر چھوٹے گناہ کرتے کرتے جھجک دور ہو جاتی ہے تو عجب نہیں کہ بڑے گناہوں کا بھی ارتکاب ہونا شروع ہو جائے۔ اگر چھوٹے گناہوں ہی کے معاملے میں احتیاط کی جائے گی تو انشاء اللہ انسان کو بڑے گناہوں سے زیادہ حفاظت حاصل رہے گی۔ واضح رہے کہ چھوٹے چھوٹے گناہ کرنے سے بھی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ البتہ وہ خرابی اتنی شدید نہیں ہوتی جتنی بڑے گناہوں کی ہوتی ہے مثلاً آپ کسی بے گناہ کو تھپڑ مار دیں یا کسی بے گناہ کو قتل کر دیں دونوں صورتوں میں آپ نے ایک بے گناہ کو تکلیف پہنچائی لہٰذا گناہ تو دونوں ہی ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ کسی بے گناہ کے تھپڑ کھا لینے سے معاشرے میں وہ غم و اندوہ اور وہ تباہ کن اثرات پیدا نہیں ہوں گے جو کسی بے گناہ کے قتل ہو جانے سے ہوں گے۔ لہٰذا قدرتی طور پر ان دونوں گناہوں کو ایک درجے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ پہلا دوسرے کی نسبت چھوٹا ہے اور دوسرا پہلے کی نسبت بہت بڑا ہے تاہم ایک مومن کے شایان شان یہی ہے کہ چھوٹے گناہوں سے بچنے کی بھی پوری کوشش کرے صحابہ کرام چھوٹے گناہوں کے معاملے میں بھی بہت محتاط ہوتے تھے جیسے کہ ذیل

کی حدیث سے ظاہر ہے)

حضرت انس رضؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ تم لوگ ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نگاہوں میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں (یعنی بالکل معمولی گناہ ہیں) لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم انہیں ہلاک کر دینے والی چیزوں میں شمار کیا کرتے تھے (یعنی انہیں بہت ہی بڑے گناہ سمجھا کرتے تھے) (بخاری)

۳۴۵

حضرت عائشہ رضؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم ان گناہوں سے بچتی رہو جنہیں حقیر جانا جاتا ہے کیونکہ اللہ کے ہاں ان پر بھی باز پرس ہو گی۔ (ابن ماجہ)

مشتبہ امور سے بچنا:

مشتبہ امور سے مراد وہ کام ہیں جن کے بارے میں فیصلہ نہ کیا جا سکے کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز یا وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں یقین سے نہ کہا جا سکے کہ یہ حلال ہیں یا حرام۔ ایسے کاموں یا ایسی چیزوں وغیرہ کے بارے میں احتیاط اسی میں ہے کہ انسان حتی الامکان ان سے بچنے کی کوشش کرے کیونکہ اگر وہ ناجائز نہیں تو احتیاط کی بنا پر ان سے بچنے میں حرج نہیں لیکن اگر وہ ناجائز ہیں تو ان سے پرہیز نہ کرنا گناہ کا باعث بن جائے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ جس طرح صغیرہ (یعنی چھوٹے) گناہ کرتے رہنے سے انسان کبیرہ (یعنی بڑے) گناہوں میں مبتلا ہو جانے کے خطرے میں پڑ جاتا ہے اسی طرح شبہے والے امور سے پرہیز نہ کرنے سے اس بات کا خدشہ ہے کہ انسان مشتبہ اعمال کرتے کرتے حرام ہی کا ارتکاب نہ کرنا شروع کر دے۔

۳۴۶

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ حلال (بھی) واضح ہے اور حرام (بھی) واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ شبہے والی باتیں ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جس شخص نے شبہے والی چیزوں سے پرہیز کی اس نے اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لیا۔ اور جو شخص مشتبہ باتوں میں پڑ گیا (یعنی وہ کام کر لیے جن کے جائز ہونے کے بارے میں شبہ ہے) تو اس کی مثال اس چرواہے جیسی ہے جو کسی کی مخصوص چراگاہ کے آس پاس جانور چراتا ہے۔ قریب ہے کہ وہ اس کے اندر آ جائے۔ یاد رکھو کہ ہر بادشاہ کے لیے ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے اور سن رکھو کہ اللہ کی مخصوص چراگاہ اس کی زمین میں اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ آگاہ رہو کہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔ (بخاری)

تشریح:۔ پرانے زمانے میں بادشاہوں وغیرہ کی اپنی مخصوص چراگاہیں ہوتی تھیں جن میں صرف ان کے اپنے جانور ہی چر سکتے تھے کسی اور کے جانوروں کا ان کے اندر آنا ممنوع ہوتا تھا۔ اس حدیث میں حضورؐ نے تمام حرام چیزوں کو اللہ کی چراگاہ قرار دیا ہے اور جن چیزوں کے بارے میں شبہ ہے کہ آیا وہ حرام ہیں یا نہیں انہیں اس چراگاہ کے آس پاس کا حصہ قرار دیا ہے۔ اب اگر کوئی چرواہا کسی بادشاہ کی مخصوص چراگاہ کے اردگرد جانور چرائے گا تو خطرہ ہے کہ کسی وقت وہ اس چراگاہ کے اندر بھی آ جائے گا۔ اس کے لیے احتیاط اسی میں ہے کہ وہ اس مخصوص چراگاہ سے دور اپنے جانور چرائے۔ بالکل اس کے آس پاس کے حصے میں نہ چرائے۔ ایسے ہی انسان اگر اپنا دین اور اپنی عزت بچانے کا خواہش مند ہے۔

تو اسے نہ صرف حرام چیزوں سے بچنا چاہیئے بلکہ ان سے بھی بچنا چاہیئے جن کے حرام یا حلال ہونے کے بارے میں شبہہ ہے ورنہ مشتبہہ کام کرتے کرتے وہ حرام کا ارتکاب بھی کر گزرے گا۔ حدیث کے آخر میں حضورؐ نے دل کی اہمیت واضح فرمائی ہے نیک رہنے کے لیے ضروری ہے کہ دل نیکی پسند ہو۔ اگر دل میں خدا کا خوف اور خدا کی محبت اور آخرت کی کامیابی کی طلب اور اسلام کی سچائی پر یقین محکم اور اعمال نیک کی سچی خواہش ہوگی تو انسان کے وہ سب اعمال درست ہو جائیں گے جو وہ اپنے جسم کے مختلف اعضاء سے کام لے کر کرتا ہے لیکن اگر دل ہی میں خرابی ہوگی تو سارا جسم وہی کام کرے گا جو خرابی والے کام ہوں گے لہٰذا اپنے نفس کا تزکیہ کرنے کے لیے دل کی طرف خصوصی دھیان دینا ہوگا کہ وہ درست ہو۔

۳۴۷

حضرت عطیہ سعدیؓ جو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ میں سے تھے بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بندہ پرہیزگار ہونے کے درجے کو نہیں پہنچتا جب تک وہ نقصان دینے والی چیزوں (یعنی گنہگار بنانے والے اعمال) کے ڈر کے مارے ان چیزوں کو بھی نہ چھوڑ دے جن میں کوئی نقصان نہیں۔ (ترمذی)

تشریح: یعنی جب تک وہ اتنا محتاط نہ ہو جائے کہ جن کاموں کے بارے میں ذرا سا خطرہ بھی پیدا ہو جائے کہ اگر ان کو کیا تو کہیں کسی ناجائز کام کی طرف توجہ نہ ہو جائے تو وہ انہیں چھوڑ دے۔

۳۴۸

حضرت نواسؓ بن سمعان انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ

وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹک پیدا کرے اور تو اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگوں کو اس کا پتہ چلے۔ (مسلم)

تشریح:۔ یعنی جس چیز یا عمل کے بارے میں دل میں کھٹک ہو کہ خدا معلوم یہ ٹھیک ہے یا غلط، حلال ہے یا حرام، اور جس کے بارے میں انسان کی یہ خواہش ہو کہ یہ لوگوں کی نگاہ سے چھپا رہے اس کے بارے میں احتیاط کا رویہ یہی ہے کہ اسے چھوڑ ہی دیا جائے۔

(۳۴۹)

حضرت حسنؓ بن علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے (یہ بات) یاد رکھی کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کر جو تجھے شک میں نہ ڈالے۔ کیونکہ سچائی (میں دل کا) اطمینان اور تسلی ہے اور جھوٹ (سے دل میں) شک واضطراب (رہتا) ہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ لہٰذا جس چیز سے دل کو اطمینان اور تسلی رہے اور شکوک و شبہات پیدا نہ ہوں اس کے متعلق سمجھ لیا جائے کہ یہ درست ہے لہٰذا اسے اختیار کر لیا جائے اور جو بات دل میں شک و اضطراب پیدا کرے اسے غلط سمجھ کر چھوڑ دیا جائے۔

باب ۱۰

تزکیۂ نفس کے ذرائع

تزکیۂ نفس کرنے کے لیے، یعنی اپنی خرابیاں دور کرنے اور اپنے آپ کو اچھائیوں سے آراستہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے انسان اپنا محاسبہ کرکے دیکھے کہ میرے اندر کون کون سے نقائص ہیں اور میں کن کن خوبیوں سے تہی دامن ہوں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ عموماً اپنے نقائص نظر نہیں آیا کرتے اور عموماً اپنے اندر وہ خوبیاں دکھائی دینے لگتی ہیں جو کہیں دُور دُور بھی موجود نہیں ہوتیں تاہم جو انسان اس درجے تک پہنچ جائے کہ اُسے اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہو جائے توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کی نگاہ بھی اتنی تیز ہو جائے گی کہ اُسے اپنے نقائص نظر آنے شروع ہو جائیں گے اور اس میں اتنی حقیقت پسندی بھی پیدا ہو جائے گی کہ جو خوبیاں اس میں نہیں ہیں وہ اسے نظر نہ آئیں۔

اپنے نفس کو برائیوں سے پاک اور اچھائیوں سے آراستہ کرنے کی جدوجہد کے سلسلے میں جن منازل سے گزرنا ہوتا ہے وہ مختصراً حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اپنے گناہوں پر شرمندہ و نادم ہونا۔
۲۔ سچے دل سے توبہ کرنا کہ آئندہ ان بُرے اعمال سے پرہیز کریں گے۔
۳۔ جو گناہ ہو چکے ہوں ان کے لیے استغفار کرنا۔
۴۔ برائیاں دور کرنے اور نیک عادات اختیار کرنے کے لیے اپنے نفس پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور نفس کے ساتھ جہاد کرنا۔
۵۔ تزکیہ نفس کی مہم میں امداد حاصل کرنے اور اسے آسان بنانے کے لیے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔
۶۔ دل کو بار بار یاد دلانا کہ وہ کون سے عقائد و اعمال ہیں جنہیں اختیار کرنے والوں کو مومن کہا گیا ہے۔
۷۔ اللہ سے دعا کرنا کہ وہ اپنی رحمت کاملہ سے کام لیتے ہوئے ہمیں ہمارے اس مقصد میں کامیابی بخشے اور اس مشکل مہم کو سر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ذیل میں ایک ایک کر کے ان منازل سے تعلق رکھنے والی احادیث پیش کی جارہی ہیں۔

ندامت :

اصلاح کا پہلا قدم ندامت اور شرمندگی ہے۔ کیونکہ جب تک انسان اپنے بُرے اعمال پر نادم نہ ہوگا وہ اپنی اصلاح نہیں کر سکے گا۔ ندامت دل کا وہ افسوس اور پشیمانی ہے جو کسی گناہ کا ارتکاب کر لینے کے بعد پیدا ہوتی ہے جس میں یہ حسرت غالب ہوتی ہے کہ کاش کہ ہم نے یہ فعل نہ کیا ہوتا۔ جس انسان کے دل کی حالت یہ ہو کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد وہ ندامت کی اذیت سے دوچار ہو جائے اس کی اصلاح کا امکان موجود ہوتا ہے مگر جو شخص ڈھٹائی کے اس درجے تک جا پہنچے کہ گناہ ہوتے جائیں مگر اس کا دل ذرا بھی پشیمان نہ ہو اس کی اصلاح کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ الا ماشاء اللہ

(۳۵۰)

حضرت عقبہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ نجات کیسے ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اپنی زبان پر قابو رکھ، اور چاہیئے کہ تمہارا گھر تم پر کشادہ ہو اور اپنی غلطیوں پر رویا کر۔ (ترمذی)

تشریح:۔ جن گناہوں کا ارتکاب کیا جاچکا ہے ان پر نادم ہوکر رونا انسان کو اس بات کے لیے تیار کرتا ہے کہ وہ آئندہ ایسے عمل نہ کرے جن کے باعث پھر رونا پڑ جائے۔

توبہ:

توبہ کا مطلب ہے "لوٹ آنا"۔ انسان جب گناہ کا ارتکاب کرکے پشیمان ہوتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ ایسے نہیں کروں گا تو گویا وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے اور جب وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی ناراضی دور کرکے رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

(۳۵۱)

حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرلینے والا ایسا ہی ہے جیسے وہ جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ انسان زندگی میں جو کچھ بھی اچھے یا برے اعمال کرتا ہے وہ ساتھ ساتھ لکھے جاتے ہیں اور اس طرح اس کی زندگی کے اعمال کا ریکارڈ تیار ہوتا جاتا ہے

جسے شریعت کی اصطلاح میں اعمالنامہ کہا جاتا ہے۔ یہ اعمالنامہ قیامت کے دن اسے دے دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لے کہ وہ زندگی میں کیا کچھ کر کے آیا ہے جس برے عمل کے بعد انسان نادم ہو کر توبہ کر لے اور خدا تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے اسے اس اعمالنامے سے مٹا دیا جاتا ہے۔ اعمالنامے سے مٹ جانے کے بعد چونکہ اب وہ انسان کے لیے عذاب کا باعث نہیں بنے گا اس لیے گویا وہ کیا ہی نہیں گیا۔ اور اس گناہ کا ارتکاب کرنے والے کی وہی حیثیت ہو جائے گی جو اس انسان کی ہے جس نے وہ گناہ کیا ہی نہیں۔ خواجہ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ "جس گناہ کے بعد فوراً خدا کا خوف اور توبہ میسر آ جائے اسے گناہ نہ گن۔" ایسے ہی بخاری کتاب المحاربین، باب اثم الزناۃ الخ میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جب انسان کوئی کبیرہ گناہ کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا لیکن اگر اس کے بعد سچے دل سے توبہ کر لے تو اس کا ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ بدکاری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جب وہ چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جب وہ (شراب) پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جب وہ (کسی کو) قتل کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا۔ حضرت عکرمہؓ بیان کرتے ہیں کہ (اس پر) میں نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے پوچھا کہ (ان صورتوں میں) ایمان اس سے کس طرح کھینچ لیا جاتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اس طرح اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسری میں ڈال کر پھر نکالا (اور پھر فرمایا کہ) پھر اگر وہ شخص توبہ کر لے تو ایمان اس طرح اس کی طرف لوٹ آتا ہے اور پھر اپنی انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالا۔

۳۵۲

حضرت ابو بردہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت اغر رضؓ کو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے تھے حضرت ابن عمرؓ سے یہ حدیث بیان کرتے سُنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو، اللہ کے حضور میں توبہ کیا کرو۔ بے شک میں دن میں سَو بار اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔

(مسلم)

تشریح :۔ حضورؐ اللہ کے برگزیدہ نبی اور معصوم تھے ان کے باوجود روز سو بار توبہ کرتے تھے تو پھر ہم عام گنہگار انسان کس شمار میں ہیں کہ توبہ سے غفلت برتیں۔ حضورؐ امت کے لیے نمونہ تھے۔ امکان ہے کہ حضورؐ کا اس طرح دن میں سَو بار توبہ کرنا اس لیے بھی ہو کہ امت توبہ کرنا سیکھے۔ ایک عام انسان کو تو پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ صبح و شام کتنے گناہ کرتا رہتا ہے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہو تبھی توبہ کی جائے بلکہ توبہ تو کرتے رہنا چاہیئے تاکہ جو گناہ اس طرح ہو جاتے ہیں کہ انسان کو اپنی غفلت کے باعث پتہ بھی نہیں چلتا کہ کب کیسے اور کتنے کیسے وہ ساتھ ساتھ دھلتے رہیں۔ باقی رہا کوئی ایسا گناہ جو نظر آ رہا ہو تو اس کے بعد تو لازماً توبہ کرنی چاہیئے۔

۳۵۳

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے سورج کے مغرب کی طرف سے طلوع ہونے (یعنی قیامت) سے پہلے پہلے توبہ کر لی اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (مسلم)

تشریح :۔ انسان بشر ہے اور اس کے ساتھ ایک مستقل دشمن لگا ہوا ہے جو ہر دم اُسے بہکانے کے لیے مستعد رہتا ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ انسان ایک گناہ سے توبہ کرے مگر تقاضائے بشریت شیطان کے کہے میں آکر دوبارہ اس کا اعادہ کرے۔ اگر ایسے ہو جائے تو اسے ناامید نہیں ہو جانا چاہیئے کہ اب تو میری توبہ قبول ہی نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے گناہوں سے بہت زیادہ ہے چاہے انسان سے کتنی ہی بار قصور کیوں نہ ہو جائے توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ ایسے ہی اگر انسان کو ایسے وقت میں ہوش آئے جب وہ بے انتہا اور انتہائی سنگین گناہ کر چکا ہو تو بھی اسے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ میرے گناہ تو اتنے زیادہ اور اتنے بڑے بڑے ہیں کہ اب خدا مجھے معاف کرے گا ہی نہیں بلکہ اسے خدا کی رحمت پر بھروسہ کرتے ہوئے توبہ کر لینی چاہیئے توبہ کا دروازہ تو اسی وقت بند ہوتا ہے جب اپنی موت سامنے نظر آنے لگے یا جب قیامت نظر آنے لگے۔ یہ جو سورج کے مغرب کی طرف سے طلوع ہونے کا ذکر کیا گیا ہے یہ قیامت کی ایک علامت ہے۔ اس سے پہلے پہلے توبہ کی جا سکتی ہے چاہے انسان کے گناہ حدّ و شمار سے باہر ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انسان جس وقت توبہ کرے اس وقت سچے دل سے کرے، واقعی اپنے کیئے پر نادم ہو اور پختہ عہد کرے کہ اس گناہ کا اعادہ نہیں کرے گا۔ حضرت علیؓ نے ایک دفعہ ایک بدّو کو دیکھا کہ جلدی جلدی توبہ و استغفار کے الفاظ ادا کر رہا ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ تو کذّابین کی توبہ ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ پھر صحیح توبہ کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ چھ چیزیں ہیں

۱۔ جو کچھ ہو چکا ہے اس پر نادم ہو۔

۲۔ اپنے جن فرائض سے غفلت برتی ہے انہیں ادا کر۔

۳۔ جن کا حق مارا ہے اس کو واپس کر۔

۴۔ جس کو تکلیف پہنچائی ہے اس سے معافی مانگ۔

۵۔ آئندہ کے لیے عزم کر لے کہ اس گناہ کا اعادہ نہ کرے گا۔

۶۔ اور اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے جس طرح تُو نے اب تک اسے معصیت کا خوگر بنائے رکھا اور اُسے طاعت کی تلخی کا مزا چکھا جس طرح اب تک تو اسے معصیتوں کی مٹھاس کا مزا چکھاتا رہا ہے۔

واضح رہے کہ توبہ کرتے وقت عزم کی کیفیت یہی ہونی چاہیئے کہ انسان اپنے کیے پر سخت شرمسار ہو۔ اپنے گناہ کی تلافی کرنے پر پوری طرح آمادہ ہو اور آئندہ کے لیے اس گناہ کو نہ کرنے کا پورا عہد کیے ہو تاہم اگر تقاضائے بشریت دوبارہ غلطی ہو جائے تو خدا کی رحمت سے ناامید ہو جانا مومن کا کام نہیں۔ توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ از سرِ نو توبہ کر کے گناہوں سے بچنے کا عزم کر لے۔ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جانے والوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ شاید ان کا وہ گناہ جس کی بڑائی کے باعث وہ خدا کی رحمت سے ناامید ہو رہے ہیں اتنا بڑا گناہ نہ ہو جتنا بڑا یہ گناہ ہو کہ وہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو گئے۔ جیسے کہ شیطان اس کی رحمت سے مایوس ہو گیا تھا۔ شیطان کا ایک نام "ابلیس" ہے جس کا مطلب ہے "انتہائی مایوس" اس حدیث کا مضمون نیچے کی حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔ اسے بھی دیکھ لیا جائے۔

(۳۵۴)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا کہ ایک بندے نے کوئی گناہ کیا پھر نادم ہوا اور عرض کیا کہ اے خدا میرا گناہ بخش دے۔ اس پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے ایک گناہ کیا۔ پھر اس نے (یہ بھی) جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف (بھی) کرتا ہے اور گناہ پہ گرفت (بھی) کرتا ہے۔ اس بندے نے

پھر دوبارہ گناہ کیا اور (پھر نادم ہوا اور اسی طرح) کہا کہ اے میرے رب میرا گناہ بخش دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (بھی اسی طرح) فرمایا کہ میرے بندے نے ایک گناہ کیا اور اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف (بھی) کرتا ہے اور اس پر گرفت (بھی) کرتا ہے۔ اس شخص نے پھر گناہ کیا اور پھر کہا کہ اے میرے رب میرا گناہ بخش دے، اللہ تعالیٰ نے پھر (ویسے ہی) فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بخشتا (بھی) ہے اور اس پر گرفت (بھی) کرتا ہے۔ (اے میرے بندے) تو جو چاہے کر میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ (اس حدیث کے ایک راوی) عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ حضورؐ نے "تو جو چاہے کر" تیسری مرتبہ کے بعد فرمایا تھا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔ (مسلم)

تشریح: اس حدیث کی تشریح کے لیے پہلے حدیث ۲۵۲ اور اس کی تشریح کو اچھی طرح دیکھ لیا جائے۔ واضح رہے کہ اس میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "(اے میرے بندے) تو جو چاہے کر، میں نے تجھے بخش دیا ہے" اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلطی کرنے سے بچنا چاہیئے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان گناہ اور توبہ کو کھیل بنا لے۔ اور یہ سمجھ لے کہ چونکہ میرا رب بخشنے والا ہے۔ اس لیے میں جو گناہ چاہوں کر لوں، بعد میں توبہ کر کے معافی مانگ لوں گا۔ تو وہ مجھے معاف کر ہی دے گا۔ کیونکہ اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ اسے گرفت کرنے کا بھی پورا حق حاصل ہے۔ یہاں جو فرمایا گیا ہے کہ "جو چاہے کر" اس سے مراد انسان کو اپنی رحمت کاملہ کا پورا یقین دلانا ہے نہ کہ انسان کو گناہ کرنے کی کھلی چھٹی دینا۔ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کا پورا یقین ہونا اس لیے ضروری ہے کہ بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے

دلوں میں خدا کا خوف موجود ہوتا ہے ان سے اگر کوئی غلطی ہو جائے اور بار بار ہو تو شیطان انہیں اسی ڈگر پر لانے کی کوشش کرتا ہے کہ اب تو تم اتنے گنہگار ہو گئے ہو کہ کسی صورت تمہاری بخشش نہیں ہوگی۔ ایسے انسانوں کو مایوسی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں معلوم ہو کہ خدا کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں ہم جو کچھ بھی کریں اگر سچے دل سے نادم ہو کر توبہ کریں گے تو وہ ہمیں بخش دے گا۔ "جو چاہے کر" سے یہ مفہوم لینا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو گناہ کرنے کی اجازت بخش رہا ہے اسی انسان کا کام ہو سکتا ہے جس کے دل میں خدا کا خوف اور اپنے انجام کا ڈر نہ ہو اور ساتھ ہی وہ نادان بھی ہو۔ بلاشبہ توبہ تریاق ہے کیونکہ جس طرح تریاق سانپ کے کاٹنے کے زہر کے اثر کو زائل کر دیتا ہے اسی طرح توبہ بھی گناہ کے اثر کو زائل کر دیتی ہے تاہم توبہ کا حق حاصل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اس پر بھروسہ کرکے ارادتاً گناہ کرنے شروع کر دے کیونکہ اگر کسی شخص کے پاس تریاق ہو تو وہ اس پر بھروسہ کرکے سانپ کے منہ میں ہاتھ کبھی نہیں دیتا۔

۳۵۵

حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ جو ایک خشک، بے آب و گیاہ، ہلاکت خیز سرزمین میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی اونٹنی ہو جس پر اس کا کھانا اور پانی ہو۔ پھر وہ سو جائے اور جب جاگے تو وہ اونٹنی کہیں جا چکی ہو۔ وہ اسے تلاش کرتا رہے یہاں تک کہ اسے پیاس تنگ آنے پھر وہ اپنے آپ سے کہے کہ اسی جگہ لوٹ جاتا ہوں جہاں پہلے تھا اور سو جاتا ہوں یہاں تک کہ مر جاؤں۔ چنانچہ وہ

(وہیں واپس آجائے۔ جہاں پہلے سویا تھا اور لیٹ کر) اپنا سر اپنی کلائی پر رکھ لے (اور سو جائے) تاکہ مر جائے۔ پھر جب جاگے تو دیکھے کہ اس کی سواری اس کے پاس (کھڑی) ہے اور اس کا زادِ راہ اور اس کا کھانا اور اس کا پانی (سب کچھ اسی طرح) اس پر (لدا) ہے۔ جتنی خوشی اس شخص کو اپنی سواری اور اپنا زادِ راہ پاکر ہوتی ہے اس سے زیادہ خوشی خدا کو مومن بندے کے توبہ کرنے پر ہوتی ہے۔ (مسلم)

تشریح:۔ توبہ پر اللہ تعالیٰ کے اتنے زیادہ خوش ہونے کا علم ہو جانے سے انسان مایوسی کے چکر سے نکل آتا ہے اور اس کے دل کو انتہائی اطمینان ہو جاتا ہے کہ زندگی میں جو غلطیاں بھی ہو چکی ہیں بہر حال ایک ایسے غفور رحیم آقا کا غلام ہوں جو نہ صرف یہ کہ قصور معاف کرتا ہے بلکہ معافی مانگنے پر بے انتہا مسرور بھی ہوتا ہے۔ بار بار غلطیاں ہو جانے کے باوجود انسان کا خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا اور از سرِ نو ایک پاک زندگی گزارنے کا عزم کر لینا شیطان کی بہت بڑی شکست ہے۔ خواجہ حسن بصری رح فرماتے ہیں کہ جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا کے ساتھ اس کی قربت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۳۵۶)

(سورۃ المُطَفِّفِیْنَ کی آیت ۱۴ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کو جھٹلانے والوں کی قلبی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ جس کا ترجمہ ہے کہ "ہرگز نہیں بلکہ دراصل ان لوگوں کے دلوں پر ان کے بُرے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے" اس آیت میں جو لفظ "رَانَ" استعمال ہوا ہے جس کا مطلب ہے "زنگ چڑھ جانا" اس کی وضا

حضورؐ کی ذیل کی حدیث میں بیان فرمائی گئی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح کوئی گناہ کرنے سے دل پر داغ لگ جاتا ہے۔ پھر توبہ کرنے سے اس کی صفائی ہو جاتی ہے لیکن اگر توبہ نہ کی جائے اور گناہ کا اعادہ کیا جاتا رہے تو وہ داغ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ تمام دل پر چھا جاتا ہے اور دل کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ جس طرح لوہے پر زنگ لگ جائے تو وہ بدنما ہو جاتا ہے اور اس پر کوئی شے اثر نہیں کرتی اسی طرح گناہ کرتے رہنے کے باعث دل کالا ہو جاتا ہے تو اس کی صفائی اور حسن غارت ہو جاتا ہے اور اس پر کوئی اچھی بات اثر نہیں کرتی الاّ ما شاء اللہ)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بنا دیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ (اس گناہ کو) چھوڑ دیتا ہے اور استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اس کے دل کی صفائی کر دی جاتی ہے (اور وہ نقطہ مٹ جاتا ہے) اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس نقطے کو بڑھا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ (آخر رفتہ رفتہ) وہ نقطہ اس کے تمام دل پر چھا جاتا ہے اور یہی وہ "رَانَ" ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں) ذکر کیا ہے کہ کَلَّا بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ٥ (ہرگز نہیں بلکہ دراصل ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے)۔ (ترمذی)

استغفار :

استغفار کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگنا جب ہم اعمالِ بد کا ارتکاب کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ ہم سے ناراض ہو جاتا ہے اور ہم اس عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں جو ان برے اعمال کی سزا کے طور پر ملتا ہوتا ہے۔ استغفار کرنے کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور تضرع

وزاری کی جائے کہ جو گناہ ہم کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے کام لیتے ہوئے انہیں نظرانداز کرے اور ہمیں ان کی سزا نہ دے اور اپنی ناراضی دور کر کے ہم سے راضی ہو جائے۔

۳۵۷

حضرت عبداللہؓ بن بُسر بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مبارک باد ہے اس کو جو اپنے نامۂ اعمال میں استغفار بہت پائے (یعنی بہت زیادہ استغفار کرتا ہو) (ابن ماجہ)

۳۵۸

حضرت اَغَر مُزنیؓ نے جو (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے) صحابی تھے بیان کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل پر (کبھی کبھی انوار الٰہی سے) پردہ سا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میں دن میں خدا سے سَو دفعہ استغفار کرتا ہوں۔ (مسلم)

تشریح:۔ ذکر الٰہی کی تین شکلیں بتائی جاتی ہیں قلبی ذکر یعنی دل سے خدا کو یاد کرنا، قولی ذکر یعنی زبان سے خدا کو یاد کرنا اور عملی ذکر جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی عملاً تعمیل کی جائے۔ جب انسان اللہ کے کسی حکم کی بنا پر کوئی عمل کر رہا ہو اور اس میں مصروف ہو تو اس کا امکان ہے کہ اس دوران میں قولی ذکر اور قلبی ذکر میں کمی ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص جہاد کی سرگرمیوں میں مصروف ہے یا خدا کے دین کی خدمت کے لیے کوئی کتاب وغیرہ لکھ رہا ہے تو اگرچہ وہ یہ کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے

یے کر رہا ہے لہٰذا علی ذکر کر رہا ہے تاہم ہو سکتا ہے جہاد کی مصروفیت کے دوران توجہ کے اس طرف زیادہ مرکوز ہو جانے کے باعث قولی ذکر اور قلبی ذکر میں کچھ کمی آ جائے۔ اس حدیث کی تشریح کے سلسلے میں بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ میرے دل پر پردہ سا ہو جاتا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ امت کے فکر، جہاد کی تیاری اور ایسے ہی دوسرے دینی کاموں میں بہت مصروف ہو جانے کے باعث بعض اوقات حضورؐ کا قولی اور قلبی ذکر کم ہو جاتا تھا۔ اس کو آپؐ نے دل پر پردہ ہو جانا فرمایا اور بتایا کہ اس کے باعث آپؐ دن میں سو سو بار استغفار کرتے تھے۔

۳۵۹

حضرت شدادؓ بن اوس بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں سردار استغفار نہ بتا دوں۔ (وہ یہ ہے)

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَعْتَرِفُ بِذُنُوْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔

(اے خدا تو میرا ربّ ہے، کوئی عبادت کے قابل نہیں سوائے تیرے، تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں۔ جو کچھ میں نے کیا ہے اس کی شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں جو انعام تو نے مجھ پر فرمایا ہے اس کا میں اقرار کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ پس تو مجھے میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے

سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو بخشنے والا ہو)
(یہ استغفار بتا کر حضورؐ نے فرمایا کہ) تم میں سے جو شخص بھی اسے شام کے وقت پڑھے گا پھر صبح ہونے سے پہلے اُسے موت آ جائے گی تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ اور جو کوئی اُسے صبح کے وقت پڑھے گا اور شام ہونے سے پہلے اُسے موت آ جائے گی اس کے لیے (بھی) جنت واجب ہو جائے گی۔ (ترمذی)

۳۶۰

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص استغفار (کرنے) کو لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کا ہر غم دور کرے گا۔ اور اُسے ہر تکلیف سے نجات دے گا اور اُسے ایسی جگہ سے روزی دے گا جس طرف اس کا گمان بھی نہ گیا ہو گا۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے رہنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس انسان کو اپنے گناہوں کا اعتراف ہے اور اللہ تعالیٰ کے اپنے رب اور غفورٌ رحیم ہونے پر پورا ایمان ہے۔ اور اس کی رحمت و شفقت پر کامل بھروسہ ہے۔ یہ عاجزی یہ ایمان اور یہ توکل خدا کو پسند ہے اور جو شخص ان صفات کو اپناتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کی امداد حاصل رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی امداد اس کی مشکلات کو دور کرتی، مشکلات کے احساس کو کم کرتی خوش حالی عطا فرماتی اور قناعت کی دولت سے نوازتی ہے۔

۳۶۱

علی بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؓ

کے پاس سواری کے لیے ایک چوپایہ لایا گیا۔ جب آپؓ نے رکاب میں پاؤں رکھا تو کہا۔ بسم اللہ۔ پھر جب اس کی پشت پر بیٹھ گئے تو کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ پھر کہا سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

(میں پاکی بیان کرتا ہوں اس کی جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کیا اور ہم تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے تھے اور بے شک ہم اپنے ربّ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) پھر تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا، تین بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا (اور یہ پڑھا)

سُبْحَانَکَ اِنِّیْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ۔

(میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، بے شک میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا پس مجھے بخش دے۔ بے شک کوئی نہیں جو گناہوں کو بخشے سوائے تیرے)

پھر آپ ہنس پڑے۔ پس میں نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین، آپ کس بات پر ہنسے۔ بولے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے ایسے ہی کیا جیسے میں نے کیا ہے۔ اور پھر آپؐ ہنس پڑے میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپؐ کس بات پر ہنسے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ بے شک تمہارا رب اپنے بندے سے تعجب کے ساتھ خوش ہوتا ہے۔ جب بندہ یہ کہتا ہے کہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَیْرُکَ۔

(اے میرے ربّ میرے گناہ بخش دے۔ بے شک کوئی نہیں جو گناہوں کو بخشے سوائے تیرے)۔ (ترمذی)

۳۶۲

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ زبان درازی کرتا تھا۔ (ویسے) وہ گھر والوں کے سوا اور کسی سے زبان درازی نہیں کرتے تھے۔۔ (وہ

بیان کرتے ہیں کہ) میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم استغفار کیوں نہیں کرتے (اور تلقین فرمائی کہ) تم ہر روز ستّر مرتبہ استغفار کیا کرو۔ (ابن ماجہ)

تشریح:۔ حضورؐ نے جس سیاق و سباق میں یہ بات فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے حضرت حذیفہؓ کو بدزبانی کی عادت دور کرنے کا علاج بتایا ہے۔ کوئی خطا کرنے کے بعد میں نادم ہونے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے سے اس بات کا احساس گہرا ہوتا ہے کہ ہم نے خطا کی ہے اور اس چیز کا بار بار احساس ہونا انسان کو اس غلط راہ سے ہٹانے میں مددگار ہوتا ہے ظاہر ہے کہ دن میں ستّر بار اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کرنے سے انشاء اللہ خطا کرنے کا احساس بار بار گہرا ہو گا جس سے انشاء اللہ یہ عادت دور جائے گی۔

۳۶۳

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار کرتے پھر (یہ دعا) پڑھتے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (النسائی)

تشریح:۔ اس دعا کا ترجمہ یہ ہے "اے خدا تو پاک اور محفوظ ہے ہر عیب اور ہر آفت اور فنا سے اور ہماری سلامتی بھی تجھی سے ہے۔ بڑی برکت والا ہے تو اے بزرگی اور عزت والے۔" حضورؐ خدا کے برگزیدہ نبی اور معصوم ہونے کے باوجود استغفار بہت کرتے تھے۔ ابن ماجہ ابواب الذکر، باب الاستغفار میں دو حدیثیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک میں حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دن میں ستّر بار اللہ سے استغفار کرتا اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ اور دوسری میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ مراد یہی ہے کہ بہت زیادہ استغفار کرتا اور بہت زیادہ توبہ کرتا ہوں۔ مسلم میں ایک حدیث بیان ہوئی ہے جس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ولید راوی نے امام اوزاعی رح سے پوچھا کہ حضورؐ استغفار کیسے کرتے تھے وہ بولے کہ حضورؐ یوں کہتے تھے کہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ (یعنی میں خدا سے بخشش مانگتا ہوں)۔

ضبطِ نفس :

تزکیۂ نفس کا اہم ترین مرحلہ ہی ضبط نفس ہے ضبط نفس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے دل اور دل میں پیدا ہونے والی خواہشات اور ان خواہشات کو پورا کرنے والے اعضاء و جوارح سب پر قابو حاصل ہو۔ ہر انسان کی یہ کیفیت ہے کہ بعض عادات پختہ ہو چکی ہیں اور بعض اعمال کی سرے سے عادت ہی نہیں اب جو عادات پختہ ہو چکی ہیں ان میں اچھی عادات بھی ہیں اور بُری بھی اور جن اعمال کی سرے سے عادت ہی نہیں ہے ان میں بھی پسندیدہ اعمال بھی ہیں اور ناپسندیدہ بھی۔ ایسے ہی بسا اوقات انسان کسی ایسی برائی سے دوچار ہو جاتا ہے جس کی اسے عادت تو نہیں ہوتی مگر وہ اس کے لئے ایسی پرکشش ہو جاتی ہے کہ وہ اس کا ارتکاب کر گزرتا ہے۔ تزکیۂ نفس کا تقاضا یہ ہے کہ پختہ عادات میں سے انہیں چھانٹ لیا جائے جو بُری ہیں اور انہیں دور کرنے کی جدوجہد کی جائے اور جن اعمال کی عادت نہیں اُن میں سے وہ چن لیے جائیں جو اچھے ہیں اور انہیں اختیار کرنے کی سعی کی جائے اور اپنے ایمان، عقیدہ، آخرت اور ارادے میں اتنی طاقت پیدا کی جائے کہ وہ برائی کی کشش کا مقابلہ کر کے برائی کی خواہش کو زیر کرے۔ اور اپنے دامن کو برائی سے بچالے — یہ سب کام بہت مشکل ہیں۔ پختہ عادات کو دور کرنا اور نئی عادات کو اختیار کرنا اور برائی کی کشش کو

زیر کر کے برائی سے بچ نکلنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان ضبطِ نفس سے کام نہ لے یعنی جب تک اُسے اپنے نفس پر اتنا قابو نہ ہو کہ وہ اُسے اپنی مرضی کے مطابق چلا سکے۔ اپنے آپ کو برائی سے روک لینا اور نیکی کی راہ پر چلانا ہی وہ شے ہے جس کو حضورؐ نے "نفس کے خلاف جہاد کرنا" فرمایا ہے۔

۳۶۴

حضرت فضالہ رضؓ بن عبید بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو مر جاتا ہے اس کے عمل پر مُہر لگا دی جاتی ہے (یعنی مرجانے کے باعث اب نہ وہ اور عمل کرے گا نہ ثواب پائے گا) سوائے اس شخص کے جو اس حالت میں مرا کہ وہ اللہ کی راہ میں دشمن کی تاک میں بیٹھا تھا، اس کا عمل قیامت کے دن تک اس کے لیے بڑھتا رہتا ہے (یعنی باوجود اس کے کہ وہ دنیا سے رخصت ہو چکا ہوتا ہے۔ اسے اس طرح برابر ثواب ملتا رہتا ہے گویا وہ عمل کیے چلا جا رہا ہے) اور ایسا شخص قبر کے فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے اور (حضرت فضالہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ) میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے سُنا کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث کی تشریح کے لیے اوپر والا نوٹ پڑھ لیا جائے۔

۳۶۵

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال دی ہے کہ ایک سیدھا راستہ ہے،

راستے کے دونوں طرف ایک ایک دیوار ہے۔ دونوں دیواروں میں دروازے ہیں۔ دروازے کھلے ہیں اور ان پر پردے پڑے ہیں اور راستے کے سرے پر ایک بلانے والا بُلا رہا ہے اور اس بلانے والے کے اوپر ایک (اور) بلانے والا بُلا رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (پھر آگے اس مثال کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ) راستے کے دونوں طرف جو دروازے ہیں (جن پر پردے پڑے ہیں) وہ خدا کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں (جن میں داخل ہونے کی اجازت نہیں) پس کوئی شخص خدا کی حدود میں داخل ہو کر پردے نہ کھولے (بلکہ حدود کی اس طرف یعنی بیچ والی سیدھی راہ پر چلتا رہے) اور جو اس پہلے بلانے والے کے اوپر بلا رہا ہے وہ انسان کے رب کا واعظ ہے (جو انسان کو سیدھی راہ پر چلتے رہنے اور حدود سے بچنے کی نصیحت کر رہا ہے) (ترمذی)

تشریح :۔ اس حدیث میں جس سیدھی راہ کا ذکر ہے یہ وہ راہ ہے جو اللہ کے پیغمبروں نے بتائی۔ جو اس راہ پر چلتا رہے گا وہ اپنی منزل تک جا پہنچے گا یعنی خدا کی خوشنودی اور ہمیشہ رہنے والی بہشت کو پالے گا۔ اس سیدھی راہ کے دونوں طرف جو دروازے ہیں جو کھلے ہیں اور ان پر پردے پڑے ہیں ان سے مراد وہ عقائد و اعمال ہیں جنہیں گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ہر انسان جب چاہے کوئی گناہ کر سکتا ہے کیونکہ یہ دروازے کھلے ہیں بند نہیں مگر ان پر پردے پڑے ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اگرچہ گناہ کے دروازے کھلے ہیں مگر انسان کے لیے نجات اسی میں ہے کہ ان پردوں کو کھول کر ان دروازوں میں داخل نہ ہو ورنہ سیدھی راہ سے بھٹک کر کہیں سے کہیں جا نکلے گا اور اپنی منزل یعنی خدا کی خوشنودی اور ہمیشہ کی بہشت تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر بے انتہا رحیم ہے اس لیے اس نے انسان کو ہدایت بھی بہم پہنچائی ہے۔ جو انبیاء کے ذریعے آئی اور خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں میں محفوظ ہوئی اور آخر کار

اپنی صحیح ترین اور مکمل ترین شکل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ قرآن پاک میں محفوظ ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم اور ضمیر بھی عطا فرمایا جو انسان کے صحیح اور غلط میں تمیز کر لینے میں ایک حد تک مددگار ہوتا ہے۔ اب جو انسان اپنے آپ کو پاک کرنا چاہے اور ہمیشہ کی کامیابی حاصل کرنے کا خواہشمند ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس سیدھی راہ پر چلتا جائے نہ پردے کھولے نہ خدا کی باندھی ہوئی حدوں سے باہر جانے کی کوشش کرے، اور خدا کے واعظ کی پکار پر لبیک کہتا اپنی منزل کی طرف گامزن رہے۔

۳۶۶

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ شہوتوں سے ڈھانپی گئی ہے (کہ جو شخص شہوتوں میں پڑ جائے گا وہ دوزخ میں جا پہنچے گا) اور جنت مشقتوں میں چھپی ہوتی ہے (کہ مشقتوں میں سے گزر کر ہی جنت میں پہنچا جا سکتا ہے) (بخاری)

تشریح:۔ ان مشقتوں میں سے ایک مشقت یہ بھی ہے کہ انسان اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے اور اسے قابو میں لانے کی کوشش کرے تاکہ نفس اُسے کھینچ کر گناہوں کی طرف نہ لے جا سکے۔ جو کوششیں نفس کو زیر کرنے میں آسانی پیدا کرتی ہیں ان میں ایک اہم کوشش یہ ہے کہ اپنے عقیدۂ آخرت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کیا جائے۔ چاہے انسان کوئی اچھا کام کرے یا اس سے کسی برائی کا ارتکاب ہو جائے، ہر صورت میں یہ غور کرنا چاہیئے کہ عالم بالا پر اس کا کیا ردعمل ہو رہا ہے۔ خدائے ذوالجلال اور اس کے فرمانبردار اور اطاعت شعار فرشتے اسے کس نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ کیا اسے تعریفیہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں یا اس پر اظہار ناپسندیدگی کر رہے ہیں، یا انہیں اس عمل سے گھن آ رہی ہے

یا وہ اس پر ٹیننش میں آرہے ہیں اگر انسان اپنے آپ کو عادت ڈال لے کہ جو عمل بھی کرے اس کے بارے میں یہ ضرور سوچ لے کہ جہاں ہیں نے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں میرے اس عمل کے بارے میں کیا رائے قائم کی جارہی ہے تو عجب نہیں کہ ضبطِ نفس کی مہم اس کیلئے نسبتاً آسان ہو جائے۔ یہ جو ہم بڑی آسانی سے نفس کے غلام بن جاتے ہیں اس کی اہم وجہ یہی ہے کہ ہم آخرت خصوصاً آخرت کے دوام پر کما حقہ، غور نہیں کرتے۔ یہ غور و فکر کا فقدان ہمیں غفلت کا شکار بنا دیتا ہے اور غفلت ہمیں گناہوں اور خطاؤں کی طرف لے جاتی ہے۔

نیک صحبت :

۳۶۷

حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھے اور بُرے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے مشک اٹھانے والا اور بھٹی دھونکنے والا۔ مشک اٹھانے والا یا تو تجھے (مشک) دے دے گا۔ یا تو اس سے مُشک خرید لے گا۔ یا پھر (کم از کم) تو اس کی عمدہ خوشبو تو حاصل کر ہی لے گا۔ اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلائے گا۔ یا (کم از کم) تجھے اس کی بدبُو تو پہنچے گی ہی۔ (بخاری)

تشریح :۔ نیک صحبت کے لازماً اچھے اثرات پیدا کرنے کی اس سے بہتر مثال شاید ہی بیان کی گئی ہو۔ کستوری کی خوشبو خود بخود ہی اردگرد پھیلتی اور لوگوں کے مشامِ جان کو معطر کرتی رہتی ہے۔ چاہے اردگرد کے لوگوں نے اس خوشبو کو سونگھنے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ایسے ہی نیک صحبت لازماً اپنا اچھا اثر ڈالتی ہے۔ چاہے نیک صحبت میں بیٹھنے والے لوگ اچھا اثر لینے کا قصد رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ اپنے نفس کا تزکیہ کرنے کی راہ میں جو مشکلات آتی ہیں نیک صحبت ان میں آسانی پیدا کرتی ہے آسانی

اس طرح کہ اچھوں کی صحبت میں بیٹھنے سے انسان کے دل میں غیر ارادی طور پر اچھائی کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور جس شے کے لیے دل میں محبت پیدا ہو جائے وہ اگر مشکل بھی ہو گی تو مشکل لگے گی نہیں۔ دوسرے یہ کہ اچھے ساتھی حاصل ہو جانے کے باعث انسان اپنے دل میں بڑی قوت محسوس کرنے لگتا ہے۔ اگر انسان اپنے احباب اور ملنے جلنے والوں کا حلقہ ایسا چنے جس میں نیکو کار لوگ ہوں اور خاص طور پر التزام سے ان کے ساتھ میل ملاقات قائم رکھے تو ان نیک خیال اور نیک عمل لوگوں کے اچھے اثرات پڑتے رہنے کے باعث انسان غیر ارادی طور پر برائیوں سے دور تر اور اچھائیوں سے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔

۳۶۸

حضرت سمرہؓ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مشرک کی صحبت اختیار کی اور اس کے ساتھ رہا تو وہ اسی کی مانند ہے۔
(ابوداؤد)

تشریح:۔ مشرک کی صحبت میں رہنے والے کو اس لیے اس کے مانند فرمایا گیا ہے کہ اوّل تو اس کا مومنوں کی صحبت کو چھوڑ کر مشرک کی صحبت اختیار کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ شرک کے خلاف اس کے دل میں وہ نفرت اور حقارت نہیں جو ایک مومن کے دل میں ہونی چاہیئے اور اس کے دل میں شرک کی شناعت کا پورا احساس بھی نہیں ہے۔ اور دوسرے مشرک کی صحبت میں رہنے کے باعث وہ اس کے عقائد و اعمال کا اثر بھی لے رہا ہو گا اور عجب نہیں کہ اثر لیتے لیتے ایک دن ٹھیک اسی کی مانند ہو جائے۔

کتاب ۱۴

دعوتِ دین

باب ۱۱

دعوتِ دین کی ضرورت، تاکید اور فضیلت

(۳۶۹)

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی حدود پر قائم رہنے والے اور ان کو توڑ دینے والے کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے قرعہ اندازی کر کے ایک کشتی کے حصے آپس میں بانٹ لیے۔ ان میں سے بعض کو اوپر کا حصہ ملا اور دوسروں کو نیچے کا۔ جو لوگ کشتی کے نیچے کے حصے میں تھے انہیں جب پانی لینا ہوتا تو وہ اوپر والوں کے پاس سے گزرتے (انھوں نے سوچا کہ ہمارے بار بار اُوپر جانے سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی ہے) پس وہ کہنے لگے کہ اگر ہم اپنے حصے میں شگاف کر لیں اور (شگاف کے ذریعے پانی لے لیا کریں اور بار بار اوپر جا کر) اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں (تو اچھا ہے) اب اگر اوپر والے انہیں (ایسا کرنے سے نہ روکیں گے اور انہیں) چھوڑ دیں گے کہ اپنا (یہ خطرناک) ارادہ پورا کر لیں، تو (شگاف کے ذریعے

کشتی میں پانی بھر آئے گا اور اسے ڈبو دے گا اور) پھر سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اوپر والے ان کا ہاتھ پکڑ لیں گے (اور انہیں شگاف کرنے سے روک لیں گے) تو (خود بھی) بچ جائیں گے اور (باقی) سب بھی نجات پائیں گے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث سے دعوتِ دین کی اہمیت اور ضرورت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کفر، شرک اور بداعمالیوں کو اپنانے والے درحقیقت اس دنیا کی بربادی کا بندوبست کر رہے ہوتے ہیں جیسے کہ کشتی کے نیچے کے حصے میں رہنے والے باشندے میں سوراخ کر کے کشتی کو ڈبونے کا بندوبست کر رہے تھے۔ اب اگر حق کو پہچاننے والے لوگ غلط عقائد رکھنے والے اور برائیوں میں مبتلا انسانوں کو برائیوں سے روکنے اور راہِ راست کی طرف لانے کی کوشش نہیں کریں گے تو پھر ان کے غلط عقائد اور بُرے اعمال کے باعث جب دنیا میں مختلف اقسام کے فساد پھیلیں گے اور علاقے تباہ ہوں گے تو اس سے صرف وہی لوگ مبتلائے مصیبت نہیں ہوں گے جنہوں نے برائیاں کی تھیں بلکہ وہ صحیح عقائد رکھنے والے اور نیکوکار لوگ بھی تباہ ہوں گے جنہوں نے اگرچہ برائیوں کا ارتکاب نہیں کیا تھا تاہم وہ انہیں پھلتے پھولتے دیکھتے رہے اور انہیں روکنے کی کوشش نہ کی۔ چنانچہ ان حق پسندوں کے لیے بچنے کی صورت بھی یہی ہے کہ وہ بُروں کو برائیاں کرنے سے روکنے اور انہیں راہِ راست کی طرف لانے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس طرح وہ صرف ان بُروں ہی کو بربادی سے نہیں بچائیں گے بلکہ اپنے آپ کو بھی ہلاکت سے محفوظ کرنے کا بندوبست کر لیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کا آغاز ایک نبی سے کیا تھا۔ چنانچہ انسان جب اس کرۂ ارض میں داخل ہوا تو وہ نیکی پر قائم تھا۔ مگر چونکہ اس کے اندر نیکی اور بدی دونوں کو اختیار کرنے کی صلاحیت موجود تھی اور وہ روح اور مادے کا مرکب ہونے کے علاوہ مادی ماحول میں گھرا ہوا تھا لہٰذا جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا

وہ برائی سے بھی متاثر ہوتا چلا گیا اور بسا اوقات برائی کی انتہا پر جا پہنچا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اُسے بے آسرا اور بے لگام نہیں چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ اس کی ہدایت کا بندوبست بھی برابر جاری رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی اُسے ہدایت دینے کے لیے برابر آتے رہے یہاں تک کہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب اس ہدایت کو مکمل کر کے ایک محفوظ کتاب کی شکل میں اس تک پہنچا دیا گیا تو پھر انبیاء کا آنا بند ہو گیا اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والی امت مسلمہ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ آئندہ قیامت تک کے لیے وہ اللہ کی مخلوق کو اللہ کا وہ پیغام پہنچاتی رہے جو اس نے قرآن پاک میں محفوظ کر رکھا ہے اب یہ امت مسلمہ اگر اس فریضے کو سرانجام دیتی رہے گی تو دوسروں کو بھی تباہی سے بچاتی رہے گی ۔ اور خود اپنی نجات اور بربادی سے بچنے کا بندوبست بھی کرتی رہے گی ۔ اور اگر اس فریضے سے غفلت برتے گی تو نہ صرف یہ کہ دوسرے ہی تباہ ہوں گے بلکہ اس کشتی کے اوپر کے حصے میں رہنے والوں کی طرح یہ خود بھی غرقاب ہوگی ۔

گزشتہ چودہ سو سال کی تاریخ پر نگاہ ڈال کر دیکھ لیجئے کہ جس جس دور میں اور جہاں جہاں مسلمانوں نے خود دین پر عمل کیا اور غیر مسلموں کو دین کی دعوت دیتے رہے ان ادوار میں اور ان علاقوں میں مسلمانوں نے صرف آخرت ہی کے لیے ثواب اکٹھا نہ کیا بلکہ دنیوی لحاظ سے بھی سیاسی، معاشی، معاشرتی، ہر قسم کی اہمیت حاصل کر لی ۔ لوگ غلط طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی کشورکشائیاں اور ان کی سلطنت کا مختلف براعظموں میں پھیل جانا ان کی جنگی قابلیت اور بہادری کے باعث تھا حالانکہ ان کی فاتحانہ قوت کا اصل ضامن ان کا مومنانہ کردار اور ان کا جذبۂ تبلیغ تھا۔ پھر بعد کے زمانوں میں جب ان کے کردار میں کمزوری آ گئی اور ان کا جذبۂ تبلیغ سرد پڑ گیا اور ان کا اخلاقی اور دینی اثر ختم ہو گیا تو پھر انہوں نے سیاسی، معاشی اور معاشرتی میدان میں بھی

مار کھانا شروع کر دیا اور پھر نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ جن لوگوں کا فرض منصبی یہ ٹھہرا تھا کہ وہ دوسروں پر اثر ڈالیں اور انہیں راہ حق کی طرف لائیں۔ وہ دوسروں کا اثر قبول کرنے اور خود ہی راہِ حق سے بھٹکنے لگے۔

دعوتِ دین کا مطلب صرف یہی نہیں کہ غیر مسلموں کو اسلام کی طرف بلایا جائے بلکہ خود مسلمان کہلانے والے بھی اس بات کے محتاج ہیں کہ انہیں سمجھایا جائے کہ جس دین سے تعلق رکھنے کا تم دعویٰ کرتے ہو اس کا علم بھی حاصل کرو اور اس علم پر عمل بھی کرو۔ لہٰذا دعوتِ دین خارجی بھی ہوتی ہے اور داخلی بھی۔ خارجی سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلموں میں اسلام پھیلایا جائے۔ اور داخلی کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کہلانے والوں کو صحیح معنوں میں مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔ جہاں تک اس کرۂ ارض میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کا تعلق ہے دونوں کا نتیجہ ایک جیسا ہوتا ہے کیونکہ جس طرح غیر مسلموں کو دعوتِ دین دینے سے اسلام پھیلتا ہے اسی طرح مسلمانوں کا مومنانہ کردار غیر مسلموں کے دل میں کشش پیدا کر کے انہیں دائرہ اسلام کے اندر لانے کا ذریعہ بنتا ہے۔

واضح رہے کہ کوئی شے فی نفسہٖ کتنی ہی مفید اور اچھی کیوں نہ ہو اسے دنیا میں پھیلانے کے لیے ہمیشہ اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ دنیا والوں سے اس کا تعارف کرایا جائے۔ یہ تجارت کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے کہ سامان تجارت کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو اس کی گرم بازاری کے لیے ہوشیار اور فرض شناس ایجنٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایسے ہی ان خریداروں کی بھی جو گواہی دیں کہ انہوں نے اسے برت کر مفید پایا ہے۔ بسا اوقات ایسے ہوتا ہے کہ اچھی اشیاء ایجنٹوں کے سست اور فرض ناشناس ہونے کے باعث سرد بازاری کا شکار ہو جاتی ہیں اور نسبتاً گھٹیا درجے کی چیزوں کی طرف اس لیے مانگ بڑھ جاتی ہے کہ ان کے ایجنٹ ہوشیار، چست و چالاک اور فعّال ہوتے ہیں۔ لہٰذا دین اسلام بھی اگرچہ وہ بہترین نظام ہے جو انسانیت کو دیا گیا ہے مگر ہم اپنی آنکھوں سے

دیکھ رہے ہیں کہ اہلِ دنیا کی غالب اکثریت نہ صرف یہ کہ اس بہترین نظام سے غافل دوسری دوسری طرز ہائے زندگی کو اپنائے ہوئے ہے بلکہ اس بہترین نظام کی دشمن بنی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ جس امتِ مسلمہ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی تھی کہ وہ اہلِ دنیا کو اس نظام سے واقف کرائے اور اس کے احکام کو برت کر انہیں عملاً اس کی خوبیوں کا مظاہرہ کرائے وہ ایک مدت سے مجرمانہ قسم کی فرض ناشناسی کا شکار ہے اور اس فرض ناشناسی کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ دنیوی لحاظ سے بھی اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ جگہ جگہ غیر مسلموں کی چیرہ دستی کا شکار بنے رہنے پر مجبور ہو گئی ہے۔ کیا یہ ستم ظریفی کی انتہا نہیں کہ دنیا کے جن حصوں میں مسلمان صدیوں حکومتیں کرتے رہے وہاں وہ آج اقلیتیں ہونے کے باعث غیر مسلم حکومتوں اور غیر مسلم اکثریت کے مظالم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ آخر کس شئے نے انہیں اقلیتیں بننے کے درجے پر گرا دیا ہے؟ — اسی جرم نے کہ انہوں نے اپنے دورِ عروج میں غیر مسلموں میں اسلام پھیلانے کی کماحقہٗ کوشش نہ کی۔ ورنہ آج وہ ان علاقوں میں اکثریتیں ہونے کے باعث حکمران ہوتے۔

مختصر یہ کہ آخرت کی دائمی کامیابی کا معاملہ ہو یا دنیا کی عارضی زندگی کے امن و سکون اور عزت و وقار کا دعوتِ دین کی طرف کماحقہٗ متوجہ رہنا مسلمانوں کے لیے سبب نجات اور سرچشمۂ قوت ہے۔ اس سرچشمۂ قوت سے غافل ہو جانا دنیوی کمزوری اور بے کسی اور اخروی عذاب کا سبب ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب مسلمان دنیا میں دوسروں کے ذہنی یا سیاسی غلام ہو جاتے ہیں تو پھر وہ اپنے "آقاؤں" کے غلط عقائد اور برے اعمال اختیار کر کے اپنی آخرت بھی برباد کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو دین کی دعوت دیتے رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

دعوتِ دین کی تاکید :

۳۷۰

حضرت حذیفہؓ بن یمان بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیؐ علیہ وسلمؐ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور بدی سے روکتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تمہارے اوپر اپنے ہاں سے عذاب اور سزا نازل فرمائے پھر تم اس سے دعا کرو تو وہ تمہاری دعا (بھی) قبول نہ کرے۔ (ترمذی)

تشریح :۔ بدی کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر اسے روکنے کی کوشش نہ کی جائے تو وہ پھیلتی چلی جاتی ہے۔ اگر کسی معاشرے میں لوگ برے کام کرنا شروع کر دیں تو اگرچہ آغاز میں وہ بالکل قلیل تعداد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر روک ٹوک نہ ہوگی تو جلد ہی ان کی تعداد بڑھنا شروع ہو جائے گی۔ اور جیسے جیسے ان کی تعداد بڑھے گی برائی کے اثرات زیادہ تیزی سے پھیلنے شروع ہو جائیں گے۔ پھر جب معاشرے میں بگاڑ عام ہو جائے گا تو وہ لازماً کسی عذاب کا شکار ہو کر رہے گا۔ اور یہ عذاب بھی پھر عام ہوگا۔ جو بزدل اور اچھوں سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس حدیث کی تشریح میں بتایا گیا ہے کہ لوگوں کا نیکی پھیلانے اور برائی کو روکنے کی کوشش نہ کرنا عذاب کو لازم کر دیتا ہے۔ یعنی جس معاشرے کے افراد میں یہ صفت ہوگی کہ وہ نیکی پھیلانے اور برائی کو روکنے کی کوشش نہ کرتے ہوں گے اس معاشرے پر عذاب لازماً آئے گا۔ اور جس معاشرے میں نیکی کو پھیلانے اور برائی کو روکنے کی کوشش جاری رہے گی وہ معاشرہ لازماً عذاب سے محفوظ رہے گا۔ اگر کوئی قوم نیکی پھیلانے اور برائی کو روکنے کی کوشش تو نہیں

کرے گی اور خدا سے دعا کرے گی کہ وہ عذاب سے بچ جائے تو یہ دعا قبول نہیں ہو گی۔ کیونکہ نیکی پھیلانے اور برائی کو روکنے سے لاپرواہی برتنا اور عذاب کا آنا دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ایسے نہیں ہوتا کہ پہلی شے ہو اور دوسری نہ ہو۔

۳۷۱

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص کسی قوم میں برے کام کرتا ہو اور قوم والے اس بات پر قدرت رکھتے ہوں کہ اسے (ان گناہوں سے) روکیں مگر اسے نہ روکتے ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے مرنے سے پہلے پہلے انہیں عذاب پہنچائے گا۔ (ابوداؤد)

تشریح :۔ اس حدیث کی تشریح کے لیے حدیث ۳۷۰ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

۳۷۲

قیس بن ابی حازم نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ اے لوگو تم یہ آیت پڑھتے رہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ

(یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر رہو اور تم اس آیت سے غلط مفہوم لیتے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود راہ راست پر رہے، اگر کوئی اور غلط راہ پر چل رہا ہے تو اسے روکنے کی ضرورت نہیں)

حالانکہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ ظالم کو (ظلم کرتے) دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں (یعنی اسے ظلم کرنے سے نہ روکیں) تو قریب ہے کہ اللہ اپنے عذابِ عام میں ان (نہ روکنے والوں) کو بھی لپیٹ لے۔
(ترمذی)

تشریح:۔ اس حدیث میں جو آیت بیان ہوئی ہے وہ سورۃ المائدہ کی آیت ۱۰۵ ہے۔ تفہیم القرآن میں اس کی تشریح کرتے ہوئے بیان ہوا ہے "یعنی بجائے اس کے کہ آدمی ہر وقت یہ دیکھتا رہے کہ فلاں کیا کر رہا ہے اور فلاں کے عقیدے میں کیا خرابی ہے اور فلاں کے اعمال میں کیا برائی ہے اسے یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے، لیکن اس آیت کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ آدمی بس اپنی نجات کی فکر کرے، دوسروں کی اصلاح کی فکر نہ کرے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس غلط فہمی کی تردید کرتے ہوئے اپنے ایک خطبے میں فرماتے ہیں کہ لوگو، تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کی غلط تاویل کرتے ہو۔ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ برائی کو دیکھیں اور اس کو بدلنے کی کوشش نہ کریں، ظالم کو ظلم کرتے ہوئے پائیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو بعید نہیں کہ اللہ اپنے عذاب میں سب کو لپیٹ لے۔ خدا کی قسم تم کو لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو ورنہ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تم میں سب سے بدتر ہوں گے۔ اور وہ تم کو سخت تکلیفیں پہنچائیں گے۔ پھر تمہارے نیک لوگ خدا سے دعائیں مانگیں گے مگر وہ قبول نہ ہوں گی۔"

(۳۷۳)

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے

لیے ہماری (ان) مجالس کے بغیر چارہ نہیں، ہم وہاں باتیں کرتے ہیں۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم نے ضرور ہی بیٹھنا ہے تو پھر راستے کو اس کا حق دیا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ راستے کا حق کیا ہے یا رسولؐ اللہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ (راستے کا حق یہ ہے کہ) نگاہ نیچی رکھی جائے، (کسی کو) اذیت دینے سے پرہیز کی جائے، سلام کا جواب دیا جائے اور نیکی کا حکم دیا جائے اور بُرائی سے روکا جائے۔ (ابوداؤد)

۳۷۴

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی۔ جب اُس آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو پتنگے اور وہ جانور جو آگ پر آتے ہیں اُس میں گرنے لگے۔ وہ شخص انہیں روکنے لگا مگر وہ (کسی صورت نہ رکتے تھے اور) اُسے مغلوب کیے لیتے تھے اور اوندھے منہ آگ میں گرے جاتے تھے (اور) آپؐ نے فرمایا کہ میری اور تمہاری بھی یہی مثال ہے۔ میں تمہاری کمریں پکڑ کر تمہیں آگ سے روک رہا ہوں (اور کہتا ہوں) کہ جہنم کے پاس سے چلے آؤ، جہنم کے پاس سے چلے آؤ مگر تم مجھے مغلوب کیے لیتے ہو اور آگ میں گھسے جاتے ہو۔ (مسلم)

تشریح:۔ دنیا میں انسان جب ان اعمال کا ارتکاب کرتا ہے جنہیں خدا نے گناہ قرار دیا ہے تو وہ درحقیقت آگ میں کود رہا ہوتا ہے کیونکہ ان بُرے اعمال کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان دنیا میں بھی مصائب کی آگ میں جلے اور آخرت میں بھی جہنم کی آگ کا مستحق ہو۔ خدا کے انبیاء جب لوگوں کو گناہ کرنے سے روکتے ہیں تو وہ درحقیقت ان کی کمریں پکڑ پکڑ کر انہیں آگ میں کودجانے سے روک رہے ہوتے ہیں مگر انسان اتنا نادان واقع ہوا ہے

کہ وہ ان سچے خیر خواہوں کی انتہائی ہمدردانہ وعظ و تلقین پر کان نہیں لگاتا اور گناہ کیے جاتا ہے۔ گویا آگ میں کودے جاتا ہے۔ اس حدیث میں حضورؐ نے خود اپنے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ آپؐ کیسے جسم و جان کی تمام قوتوں سے کام لیتے ہوئے دعوتِ دین کی کوشش فرماتے تھے تاکہ لوگ بُرے انجام سے بچ جائیں مگر حضورؐ کی دعوت پر دھیان نہ دینے والے گویا اس بات پر مُصر تھے کہ وہ آگ میں کُود کر ہی دم لیں گے۔

(۲۷۵)

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے (ایران کے حکمران) کسریٰ اور (روم کے حکمران) قیصر اور (حبشہ کے حکمران) نجاشی اور ہر مغرور و سرکش حکمران کو خط لکھے جن میں انہیں اللہ کی طرف بلایا (پھر حضرت انسؓ نے صراحت کرتے ہوئے فرمایا کہ) یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی نماز جنازہ حضورؐ نے پڑھی تھی (بلکہ دوسرا نجاشی تھا) (ترمذی)

تشریح :- اس زمانے میں ایران کا ہر حکمران کسریٰ، روم کا ہر حکمران قیصر اور حبشہ کا ہر حکمران نجاشی کہلاتا تھا۔ حدیث میں جو اصل بات بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے صرف عرب کے اندر اور عام لوگوں ہی کو دعوتِ دین نہیں دی تھی بلکہ عرب کے باہر مختلف علاقوں کے حکمرانوں کو بھی خطوط بھیج کر خدا کا دین اختیار کرنے کی طرف بلایا تھا۔ کسی قوم کے حکمران یا رہنما کو متاثر کرنے کا نتیجہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کے عوام بھی متاثر ہوجاتے ہیں۔ عربی زبان کی ایک مقولہ ہے "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقے پر چلا کرتے ہیں۔ لہٰذا جب کسی قوم کے حکمران اور بڑے لوگ کسی طریقے کو اختیار کر لیتے ہیں تو پھر وہ طریقہ اس کے عوام میں بھی مقبول ہونا شروع

ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے روم کے قیصر کو جو نامہ بھیجا تھا اس میں یہ الفاظ بھی تھے۔ "اسلام لے آ، تو سلامت رہے گا اور اللہ تجھے دگنا اجر دے گا۔ اور اگر تو نہ مانا تو اہلِ مُلک کا گناہ تجھ پر ہو گا" اجر کے دگنا ہو جانے کی صورت یہی ہوتی ہے کہ ایک تو انسان کو اس کے اپنے ایمان لانے کا اجر ملتا ہے اور دوسرے جو لوگ اُسے دیکھ کر یا اس کے سمجھانے سے اسلام لاتے ہیں ان کے اجر میں سے بھی اسے حصہ ملتا ہے۔ ایسے ہی جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہوئے ایمان نہیں لاتے ان کے گناہ میں بھی وہ برابر کا شریک ہوتا ہے۔

۳۷۶

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار پڑ گیا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کرنے کے لیے اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا کہ تو اسلام قبول کر لے۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس ہی تھا۔ باپ نے اُسے کہا کہ تو ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر۔ اس پر وہ لڑکا اسلام لے آیا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے باہر نکلے کہ اُس خدا کی تعریف ہے جس نے اُسے آگ سے بچا لیا۔ (بخاری)

۳۷۷

(عربوں کے ہاں رواج تھا کہ جب عام لوگوں سے کوئی خاص بات کرنی ہوتی تو کسی بلند جگہ کے اوپر چڑھ کر لوگوں کو پکارا جاتا۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو پھر انہیں وہ بات بتا دی جاتی۔ لہٰذا جب حضورؐ کو حکم دیا گیا کہ اپنے قریبی رشتے داروں

کو ڈرائیے تو آپ بھی صفا پہاڑ کے اوپر تشریف لے گئے اور قبیلہ قریش کی مختلف شاخوں کو پکارنے لگے تاکہ انہیں بتائیں کہ اگر تم لوگ کفر و شرک چھوڑ کر خدائے واحد پر ایمان نہ لائے تو تم شدید عذاب کے مستحق ہو جاؤ گے۔ یہ حضورؐ کی نبوت کے ابتدائی زمانے کا واقعہ ہے۔ ذیل کی حدیث میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے)

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب (یہ آیت) نازل ہوئی۔
وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ) تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم صفا (پہاڑ) پر چڑھ گئے اور (قبیلہ قریش کی مختلف) شاخوں کو پکارنے لگے۔ اے بنو فہر، اے بنو عدی (وغیرہ) یہاں تک کہ وہ سب لوگ جمع ہو گئے اور جو شخص خود نہ نکل سکا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تاکہ دیکھے کہ کیا بات ہے۔ اور (حضورؐ کا چچا) ابولہب اور (سب) قریش بھی آ گئے۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میں تم لوگوں کو یہ خبر دوں کہ (پیچھے پہاڑ کی دوسری طرف) وادی میں ایک بڑا لشکر تم پر حملہ کرنے کے ارادے سے کھڑا ہے تو کیا تم میری بات کو سچ جانو گے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں! ہمیں تو آپ کا یہی تجربہ ہے کہ آپ سچ ہی بولتے ہیں۔ (اس پر) آپؐ نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں ڈراتا ہوں کہ (اگر تم اپنے کفر و شرک سے باز نہ آئے تو) تم پر ایک بڑا بھاری عذاب آنے والا ہے (جب ابولہب نے یہ بات سُنی تو اُسے غصہ آ گیا کہ بھلا یہ بھی کوئی بات تھی جس کے لیے سب لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا) چنانچہ ابولہب (گستاخانہ) بول اٹھا کہ (نعوذ باللہ) تیری تباہی ہو سارا دن، کیا تو نے اسی بات کے لیے ہمیں اکٹھا کیا تھا۔ اس پر (یہ سورہ) نازل ہوئی۔
تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۔
(ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ۔ اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا) (بخاری)

تشریح :- حدیث سے ایک تو اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کے سچا ہونے کے کافر بھی اتنے معترف تھے کہ جب حضورؐ نے فرمایا کہ اگر میں تم لوگوں کو خبر دوں کہ وادی میں ایک بڑا لشکر تم پر حملہ کرنے کے لیے کھڑا ہے تو کیا تم میری بات کو سچ مانو گے تو انہوں نے کہا کہ جی ہاں ہمیں تو آپؐ کا یہی تجربہ ہے کہ آپؐ سچ ہی بولتے ہیں اس کے بعد حضورؐ نے انہیں سمجھایا کہ اگر تم یہ کفر و شرک نہیں چھوڑ دو گے تو تم پر ایک بڑا بھاری عذاب آنے والا ہے اس پر ابولہب نے جو گستاخی کی وہ اس لیے کی کہ اس کافر نے حضورؐ کی بات کو بہت معمولی سمجھا اور غصے کا اظہار کیا کہ اتنی معمولی بات کے لیے عوام کو اس طرح اکٹھا کیوں کیا گیا ہے۔ ابولہب کے دل میں کفر اس طرح جڑ پکڑے ہوئے تھا کہ وہ آخر دم تک ایمان نہ لایا تھا اور کفر ہی کی حالت میں مر گیا تھا۔ اپنے کفر کے باعث وہ دعوتِ دین کی اہمیت کو سمجھنے کا بالکل اہل نہ تھا۔ جو گستاخی اس نے کی تھی اس کے باعث سورۃ اللھب نازل ہوئی جو کلام پاک کے آخری پارے میں ہے۔ اس سورت میں ابولہب اور اس کی کافر بیوی کے بُرے انجام کی اطلاع دی گئی ہے۔ حدیث کے شروع میں جو آیت بیان ہوئی ہے وہ سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۴ ہے۔ ذیل کی حدیث میں بھی اسی واقعے کا ذکر ہے۔

۳۷۸

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۝ (اور اے نبیؐ اپنے قریب ترین رشتے داروں کو ڈرائیں) تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (قبیلہ) قریش کو بلایا تو وہ جمع ہو گئے پھر حضورؐ نے انہیں عمومی طور پر ڈرایا اور (پھر خاص خاص گھرانوں کے نام لے لے کر انہیں) خصوصی طور پر ڈرایا اور فرمایا اے بنو کعب بن لوئی اپنے آپ کو دوزخ سے

بچاؤ، اے بنو مرّہ بن کعب اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنو عبد شمس اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنو عبد مناف اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنو ہاشم اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنو عبدالمطّلب اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، اے (میری بیٹی) فاطمہؓ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ، میں اللہ کے مقابلے میں تم لوگوں کے کسی کام نہیں آسکتا۔ ہاں تم لوگوں کے ساتھ ایک رشتے داری ہے، اس کی نمی میں تمہیں پہنچاتا رہوں گا۔ (یعنی صلۂ رحمی کرتا رہوں گا) (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث کے لیے حدیث ۳۷۷ کی تشریح بھی دیکھی جائے۔ یہاں جن خاندانوں کا ذکر ہے یہ قبیلۂ قریش ہی سے تعلق رکھنے والے مختلف خاندان تھے۔ قریش بہت بڑا قبیلہ تھا اور آگے اس کی کئی شاخیں تھیں۔ حضورؐ کا خاندان بنو ہاشم بھی اسی قبیلے کی ایک شاخ تھا۔ حضورؐ نے ان سب کو کفر و شرک کے انجام سے ڈرایا اور اپنی پیاری بیٹی فاطمۃ الزہراؓ کو بھی یہی فرمایا کہ ایمان اور اعمالِ نیک کے ذریعے اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ اور واضح فرمایا کہ صرف میرے رشتے دار ہونے کے باعث تم خدا کے حضور میں بخش نہیں دیئے جاؤ گے بلکہ تمہاری بخشش کا ذریعہ خدا پر ایمان لانا ہے نہ کہ میرے رشتے دار ہونا۔ میں رشتے دار ہونے کے باعث تم لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک تو کرتا رہوں گا مگر تم لوگوں کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ وہ تو تمہارا ایمان ہی بچائے گا۔

۳۷۹

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی کسی امت میں مبعوث فرمایا اس کی امت میں اس کے دلی دوست اور اصحاب ہوتے تھے جو اس کی سنّت

پر کار بند رہتے تھے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے۔ پھر ان (ابتدائی) لوگوں کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوتے ہیں جو کہتے ہیں وہ جو (خود) کرتے نہیں اور کرتے ہیں ایسے کام جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا ہوتا۔ پس جس شخص نے ان لوگوں کے خلاف ہاتھ سے جہاد کیا وہ بھی مومن اور جس شخص نے ان کے خلاف زبان سے جہاد کیا وہ (بھی) مومن اور جس شخص نے ان کے خلاف دل سے جہاد کیا (یعنی ان کے طرز عمل کو دل میں بُرا جانا) وہ (بھی) مومن اور اس کے علاوہ رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں (یعنی جس نے نہ عملاً ان کا مقابلہ کیا، نہ زبان سے ان کے خلاف جدوجہد کی نہ دل ہی میں ان کے بُرے کاموں کو بُرا جانا تو اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں) (مسلم)

تشریح: ہر نبی کو ماننے والے ایک مدت گزرنے کے بعد اپنے نبی کی تعلیمات سے ہٹ جاتے ہیں۔ پھر ان کی یہ صورت ہو جاتی ہے کہ دوسروں کو تو اچھی باتوں کی تلقین کرتے ہیں مگر خود ان پر عمل نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے اعمال شروع کر دیتے ہیں جن سے انہیں منع کیا گیا ہوتا ہے۔ جب اس طرح بگاڑ پیدا ہو جائے تو اصلاح اسی صورت ہو سکتی ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کر کے حالات کو درست کرنے کی کوشش کی جائے۔ ایسی صورت میں سب سے زیادہ فضیلت والی بات تو یہ ہے کہ ان بدعمل لوگوں کے خلاف عملاً جہاد کیا جائے اگر ایسے نہ ہو سکے تو زبان ہی سے ان کی برائیوں کو بُرا کہہ کر اصلاح کی کوشش کی جائے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم ان کے بُرے اعمال کو دل میں ضرور بُرا سمجھا جائے۔ لیکن جو لوگ نہ ان بدعمل لوگوں کے خلاف عملاً جہاد کریں نہ زبان سے ان کے اعمال کو بُرا قرار دے کر حالات کو درست کرنے کی کوشش کریں اور نہ دل ہی میں ان کے اعمال کو بُرا سمجھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب برائی دیکھی جائے تو استطاعت کے مطابق اس کے خلاف جدوجہد ضرور کی جائے۔ کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم دل ہی میں

برائی کو بُرا سمجھا جاتا رہے ورنہ دل ایمان سے خالی ہو جائے گا۔

حق گوئی :

حق بات کو برملا کہہ دینا اور نہ کسی زبردست کی سزا سے خوف کھانا اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرنا بھی دعوتِ دین ہی کی ایک شکل ہے۔ کیونکہ اگر اس سے کسی زور آور کے ناراض ہو جانے اور تکلیف پہنچانے کا خدشہ ہے تو دوسری طرف اس کا بھی امکان موجود ہے کہ کوئی عقل سلیم اور نصیحت پسند دل رکھنے والا حق کو سن کر حق کا پیرو ہو جائے۔

۳۸۰

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل جہاد یہ ہے کہ انسان ظالم بادشاہ کے آگے انصاف کی بات کہہ دے۔ (ابن ماجہ)

۳۸۱

حضرت ابو سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے آپ کو حقیر نہ کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، ہم میں سے کوئی اپنے آپ کو حقیر کیسے کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ (اس طرح کہ) وہ اللہ کے ایک حکم کو دیکھتا ہے (کہ اس کی توہین کی جا رہی ہے یا اس کی تعمیل کرنے سے گریز کیا جا رہا ہے اور حکم ایسا ہے) جس کے بارے میں اس پر اللہ کا یہ حق ہے کہ وہ کوئی بات کرے، لیکن وہ (خاموش رہتا ہے اور) اس

کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ پس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا۔ کہ تجھے اس اور اس معاملے میں بولنے سے کس شئے نے روکا تھا۔ تو وہ عرض کرے گا کہ لوگوں کے خوف نے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے مجھ ہی سے ڈرنا چاہیئے تھا۔ (ابن ماجہ)

تشریح :۔ مراد یہ ہے کہ جب انسان دیکھے کہ اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہے تو اسے اس پر بولنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ خرابی ہوتے ہوئے دیکھے گا مگر اس لیے نہیں بولے گا کہ لوگ ناراض ہوں گے یا تکلیف پہنچائیں گے تو وہ اپنے آپ کو حقیر کرلے گا۔ کیونکہ امت مسلمہ کا فریضہ یہ ہے کہ حق کو پھیلائے اگر کوئی مسلمان کوئی خرابی دیکھے مگر صرف لوگوں کے ڈر کے باعث چپ رہے تو اس نے اپنے آپ کو اپنے عزت والے مقام سے نیچے گرا دیا۔ اور حقیر ہو گیا۔ باقی رہا لوگوں کا ڈر تو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ اس بات کا حق دار ہے کہ اس سے ڈرا جائے کیونکہ راحت یا تکلیف پہنچانے کے جو اختیارات اُسے حاصل ہیں وہ کسی انسان کو حاصل نہیں ہیں تو پھر بے اختیار سے ڈر کر اسے کیوں ناراض کیا جائے جو ہر طرح کے اختیارات کا مالک ہے۔

۳۸۲

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے خطبہ دے رہے تھے تو جو کچھ آپؐ نے فرمایا اس میں یہ بھی تھا کہ آگاہ رہو، کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت وہ حق بات کہنے سے نہ روکے جس کو وہ جانتا ہو۔ (اس حدیث کے ایک راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث بیان کرکے) حضرت ابوسعیدؓ رو پڑے اور فرمایا کہ خدا کی قسم ہم نے تو بہت سی چیزیں دیکھیں (جو حق کے خلاف تھیں اور جن پر بولنا چاہیئے تھا) مگر ہم (لوگوں سے) ڈر گئے

(اور نہ بولے) (ابن ماجہ)

۳۸۳

حضرت عُبَیدَہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس بات پر کہ ہم (امیر کا حکم) سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے تنگی میں بھی آسانی میں بھی، خوشی کی حالت میں بھی ناخوشی کی حالت میں بھی اور اس صورت میں بھی جب دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے گی۔ اور (ہم نے اس بات پر بھی بیعت کی کہ) ہم اس شخص کی سرداری میں جو اس کا اہل ہو گا جھگڑا نہیں کریں گے اور (ہم نے اس بات پر بھی بیعت کی کہ) ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (مسلم)

دعوتِ دین کی فضیلت:

جہاں تک اس زندگی کی بے ثباتی کا تعلق ہے کافر بھی اس سے منکر نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ موت کوئی ڈھکی چھپی شے نہیں۔ ہر انسان آئے دن اپنے ہی جیسے انسانوں کو دنیا سے منہ موڑ کر جاتے دیکھتا ہے۔ اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ جانے والا اپنی اسی شکل میں کبھی واپس نہیں آیا۔ اختلاف اگر ہے تو اس بات میں کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے۔ تو اس معاملے میں بھی حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے پیغمبر آئے وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ موت کے بعد ایک ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے جس کا کوئی دوسرا کنارہ نہیں۔ لہٰذا انسانیت کی سب سے بڑی خیر خواہی یہی ہے کہ اُسے اس عارضی زندگی کو گزارنے کے وہ اصول اور قاعدے سکھا دیئے جائیں جن سے اس کی وہ دائمی زندگی کامیاب ہو جائے۔

دعوتِ دین کا مقصد چونکہ انسانیت کی ہی خیر خواہی ہے اس لیے اس عمل کی بے پناہ فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ بخاری، کتاب الانبیاء کی ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضورؐ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ:

"میری باتیں دوسرے لوگوں تک پہنچاؤ، چاہے ایک آیت ہی ہو"

پھر اس بات کی بھی شدت سے تاکید کی گئی ہے کہ یہ کام نہایت ذمہ داری اور احتیاط سے کیا جائے اور جو کچھ لوگوں تک پہنچایا جائے اس کی صحت کا حتی الامکان پوری طرح دھیان رکھا جائے۔ مندرجہ بالا حدیث ہی میں حضورؐ کا یہ فرمان بھی ملتا ہے کہ "جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ بولا (یعنی غلط ملط یا تحقیق کئے بغیر محض سنی سنائی) باتیں میری طرف منسوب کر کے لوگوں تک پہنچا دیں)، تو اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔" باقی رہے وہ لوگ جو دل کے سچے جذبے کے ساتھ صحت کا دھیان رکھتے ہوئے دین کے احکام لوگوں تک پہنچائیں اور انہیں دین کی دعوت دیں ان کی فضیلت پر ذیل کی احادیث گواہ ہیں۔

۳۸۴

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے (کسی کو) ہدایت کی طرف بلایا اُسے اتنا ہی اجر ملے گا جتنا ان لوگوں کو ملے گا جو اس کا کہا مان کر ہدایت کو اختیار کریں گے۔ بغیر اس کے کہ ان (ہدایت اختیار کرنے والوں) کے اجروں میں سے کچھ کم کیا جائے۔ اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا اُسے اتنا ہی گناہ ہو گا جتنا ان لوگوں کو ہو گا جو اس کا کہا مان کر اس گمراہی کو اختیار کریں گے۔ بغیر اس کے کہ ان (گمراہی اختیار کرنے والوں) کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔ (ابوداؤد)

(۳۸۵)

حضرت سہلؓ بن سعد نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں فرمایا کہ کل میں اس شخص کو پرچم دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح ہو جائے گی۔ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پس رات بھر لوگ اسی انتظار میں رہے کہ (دیکھیں کل) ان میں سے کس کو پرچم عطا کیا جاتا ہے۔ صبح سب لوگ پرچم (ملنے) کے امیدوار تھے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ علیؓ کہاں ہیں۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ اُن کی آنکھیں دکھ رہی ہیں آپؐ نے (انہیں طلب کر کے) ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور ان کے لئے دعا کی تو وہ اس طرح اچھے ہو گئے گویا انہیں کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔ پھر آپؐ نے انہیں پرچم عنایت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں ان لوگوں سے لڑوں گا یہاں تک کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اچھی طرح اطمینان سے جا (نرمی اور بردباری کے ساتھ) یہاں تک کہ جب تو ان کے میدان میں اتر آئے (یعنی ان کے مقابل ہو جائے) تو پھر انہیں اسلام کی دعوت دینا اور (خدا کی جانب سے) جو کچھ ان پر واجب ہے اس کی انہیں اطلاع دینا، کیونکہ خدا کی قسم اگر اللہ تیرے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ تیرے پاس سُرخ اونٹوں کا گلہ ہو۔ (بخاری)

تشریح:۔ جہاد سے اصل مقصود خدا کا کلمہ بلند کرنا اور خدا کا دین پھیلانا ہے۔ لہٰذا ہر قوم کو پہلے اسلام کی دعوت دی جائے گی۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں گے تو پھر ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی جائے گی۔ لہٰذا حضورؐ

نے حضرت علیؓ کو اسی بات کی تلقین فرمائی کہ پہلے ان لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرنا۔ یہ جو حضورؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ تیرے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ تیرے پاس سُرخ اونٹوں کا ایک گلّہ ہو تو اس سے حضورؐ کی مراد یہ فرمانا تھا کہ تیرے پاس کثیر دولت ہو۔ کیونکہ سُرخ اونٹ عربوں کے ہاں بڑا قیمتی مال سمجھے جاتے تھے۔

۳۸۶

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمؑ کا بیٹا جو باتیں کرتا ہے وہ اس کے لیے وبال ثابت ہوں گی، فائدے کا باعث نہیں ہوں گی، سوائے اس کے کہ نیکی کا حکم دیا جائے برائی سے روکا جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔ (ابن ماجہ)

۳۸۷

حضرت ابو مسعود انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میری سواری ہلاک ہو گئی ہے آپؐ مجھے سواری عنایت کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس تو سواری نہیں ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اُسے وہ شخص بتا سکتا ہوں جو اسے سواری دے دے گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نیکی کی طرف رہنمائی کی اس کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا نیکی کرنے والے کے لیے ہے۔ (مسلم)

تشریح:۔ اب جو شخص کسی کو دین کی دعوت دیتا ہے وہ اس کی ایک نیکی کی طرف نہیں بلکہ حد و شمار سے زیادہ نیکیوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ جب وہ شخص دین کو قبول کرے گا تو تمام نیکیوں کے دروازے اس کے لیے کھل جائیں گے۔ لہذا دعوت دین دینے والا کتنے اجر کا مستحق ہوگا اس کا اندازہ صرف اللہ رب العلمین ہی لگا سکتا ہے۔

باب ۱۲

حکمتِ تبلیغ

حکمتِ تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں تک دین اس طریقے سے پہنچایا جائے جو دانائی پر مبنی ہو۔ دین کی دعوت دیتے ہوئے اس بات کا دھیان رکھنا چاہیئے کہ یہ دعوت حتی الامکان اتنی سمجھ داری اور عمدگی سے دی جائے کہ سننے والا زیادہ سے زیادہ متاثر ہو۔ اگرچہ یہ حقیقت اپنی جگہ ناقابل تردید ہے کہ کسی شخص کو ہدایت دے دینا انسان کے بس کی بات نہیں ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے حاصل ہوتی ہے تاہم دعوت دین دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ اپنی بات کو اچھی طرح پیش کرے تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ موثر ثابت ہو سکے۔ ذیل کی احادیث کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ اپنی دعوت کو موثر بنانے کے لیے کچھ باتوں کا دھیان رکھنا انشاء اللہ بہت مفید ثابت ہو گا مثلاً:

۱۔ دین کی دعوت دیتے ہوئے ڈرانے اور خوش خبری دینے کے درمیان توازن رکھنا چاہیئے، ہر وقت ڈراتے ہی نہیں رہنا چاہیئے۔

۲۔ لوگوں کو ہر وقت وعظ نہیں کرتے رہنا چاہیئے بلکہ وقفے دے دے کر نصیحت کرنی چاہیئے تاکہ لوگ اُکتا نہ جائیں۔

۳۔ موقع محل دیکھ کر بات کی جانی چاہیے۔ جس وقت کوئی شخص کسی کام یا بات میں اتنا مصروف ہو کہ اس نے نصیحت کرنے والے کی بات سننی ہی نہ ہو اس وقت اسے دعوت نہ دی جائے۔ بلکہ اس وقت دی جائے جب اس کے بات سننے کا امکان ہو۔

۴۔ لوگوں کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی سے بات کرنی چاہیئے اور محبت سے سمجھانا چاہیئے۔

۵۔ بات کو مناسب طریقے سے دہرایا جائے تاکہ اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔

۶۔ جس سے بات کی جائے اس کی عقل اور سمجھ کے مطابق کی جائے۔ کسی شخص سے اس انداز سے یا ایسی بات نہ کی جائے جو اس کی سمجھ سے بالا ہو۔ خصوصاً جب مجمع میں بولا جائے تو نہایت احتیاط سے بات کی جائے اور حتی الامکان اپنے الفاظ پر غور کر لیا جائے کہ ان سے کوئی سننے والا غلط مفہوم تو نہیں نکال لے گا۔

۷۔ لوگوں کو خطاب کرنا ہو یا نماز پڑھانی ہو انہیں تھکا دینے سے پرہیز کرنی چاہیئے۔ گفتگو جب بہت لمبی ہو جائے تو اس کا اثر زائل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور نماز لمبی ہو جائے تو حضوریٔ قلب کا قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۳۸۸)

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ سنایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن میں اس بات

کو بہت پسند کرتا ہوں کہ آپ ہمیں روز وعظ سنایا کریں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ایسا کرنے سے مجھے صرف یہ بات روکتی ہے کہ میں اس شے کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم مجھ سے اکتا جاؤ۔ میں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے اسی طرح تمہارا خیال رکھتا ہوں جیسے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ہمارا خیال رکھا کرتے تھے۔ اس خوف کے باعث کہ کہیں ہم اکتا نہ جائیں۔ (بخاری)

تشریح :۔ خیال رکھنے سے مراد یہ ہے کہ میں اس معاملے میں تمہاری نگہبانی کرتا ہوں کہ کہیں تم مجھ سے یا جو کچھ میں کہتا ہوں اس سے اکتا نہ جاؤ اگر نصیحت کو بہت طول دیا جائے یا موقع بے موقع نصیحت کی جائے یا وقفہ دیئے بغیر روز روز نصیحت کی جائے تو اس بات کا خدشہ ہے کہ سننے والا اکتا جائے گا۔ اور بات کا اثر نہیں لے گا۔

۳۸۹

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ لوگوں کو ہر جمعہ کو (ہفتے میں) ایک بار وعظ و تلقین کیا کرو۔ اگر اس سے زیادہ چاہو تو دو بار اور بہت کرنا ہو تو تین بار اور لوگوں کو (بار بار وعظ و تلقین کرکے) اس قرآن سے تھکا نہ دینا اور میں تمہیں ایسا کرتے نہ پاؤں کہ تم لوگوں کے پاس آؤ جب وہ اپنی کسی بات میں مصروف ہوں اور ان کی بات کاٹ کر انہیں وعظ و تلقین کرنے لگو اور نتیجہ یہ ہو کہ وہ تنگی محسوس کریں۔ بلکہ خاموش رہا کرو اور جب وہ تمہیں کہیں اور (سننے کی) خواہش کریں تو انہیں وعظ کرو اور دعا میں قافیہ آرائی کرنے سے بچنا کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کو دیکھا کہ وہ ایسے ہی کیا کرتے تھے یعنی (دعا میں قافیہ آرائی کرنے سے)

بچا کرتے تھے۔ (بخاری)

تشریح:۔ حضرت ابن عباسؓ کی مراد یہی ہے کہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے سمجھ داری سے کام لیا جائے۔ بہت زیادہ نصیحت کرنا یا موقع بے موقع نصیحت شروع کر دینا نصیحت کے اثر کو ضائع کرنا ہے۔ موقع محل کو پہچان کر ایسے وقت نصیحت کریں جب سننے والوں کے اثر لینے کی توقع کی جاسکتی ہو۔ یہ جو آپؐ نے فرمایا کہ جب لوگ سننے کی خواہش کریں تب انہیں نصیحت کرو اس سے یہ مراد نہیں کہ جو نصیحت کرنے کی درخواست نہ کریں انہیں نصیحت نہ کی جائے کیونکہ بہت سے لوگ جو خرابیوں میں مبتلا ہوتے ہیں وہ تو کبھی بھی نہیں چاہتے کہ انہیں نصیحت کی جائے۔ حالانکہ نصیحت کی زیادہ ضرورت انہی کو ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا مطلب یہ ہے کہ موقع محل کو پہچانے بغیر نادانوں کی طرح اندھا دھند نصیحت کرتے چلے جانا درست نہیں، جس کو نصیحت کرنی ہو اس کی مزاج، طبع، مخصوص حالات، میلانات وغیرہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے مناسب وقت میں نصیحت کی جائے تاکہ وہ اثر انداز ہو۔ کوئی شخص خدا کی نافرمانی میں کتنا ہی دور کیوں نہ نکل چکا ہو جس وقت اس کی قلبی کیفیت یا صورت حالات ایسی ہو کہ توقع کی جاسکتی ہو کہ وہ بات کو دھیان سے سنے گا تو گویا وہ زبان حال سے سننے کی خواہش کر رہا ہوتا ہے۔ اسے نصیحت کی جائے۔ اس کے برعکس اگر آپ کسی شخص کو ایسی حالت میں دیکھیں کہ وہ اپنے کسی ضروری کام میں حد سے زیادہ مصروف ہے۔ یا طیش کے اس درجے پر پہنچا ہوا ہے کہ نہ کچھ دیکھ سکتا ہے نہ سن سکتا ہے یا خوشی اور فخر کے اس مقام پر ہے جہاں انسان چیونٹیاں نظر آنے لگتے ہیں یا کسی محرومی کا احساس اسے بغاوت کے کناروں پر کھینچ لایا ہوا ہے تو ایسے انسان کو زبردستی پکڑ کر اس کے کان میں نصیحت انڈیلنا شروع کر دینا نصیحت کو ضائع کرنے والی بات ہے۔ انتظار کریں کہ اس کی یہ اندھا بہرا کر دینے والی حالت بدل جائے اور وہ

بہتر حالت میں آجائے تو پھر اُسے دین کی دعوت دیں۔ دعا میں قافیہ آرائی کرنے سے بچنے سے بھی مراد یہ ہے کہ دُعا کرتے ہوئے پر تکلف زبان استعمال نہ کی جائے کیونکہ دعا میں عاجزی، تفرع و زاری اور خشوع و خضوع کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ آراستہ زبان اور شاندار الفاظ کی۔

۳۹۰

حضرت انسؓ بیان کرتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (لوگوں پر دین کے معاملے میں) آسانی کرو اور سختی نہ کرو اور انہیں خوش خبری (بھی) سنایا کرو۔ اور (ہر وقت ڈرا ڈرا کر) انہیں (دین سے) متنفر نہ کرو۔

(بخاری)

تشریح:۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دین کے معاملے میں صرف خدا کے قہر اور جہنم کے عذاب کے ڈراووں ہی پر سارا زور صرف کر دیتے ہیں حالانکہ قرآن مجید پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے قہر سے ڈرایا ہے وہاں اپنی رحمت کی امید بھی دلائی ہے۔ جہاں کہیں جہنم کا ذکر کیا ہے عموماً ساتھ ہی جنت کی نعمتوں کی اطلاع بھی فرما دی ہے۔ لہٰذا لوگوں کو دینی احکام پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے صرف ڈرانے ہی پر سارا زور نہیں صرف کر دینا چاہیئے کہ لوگ ڈر کر دین سے بھاگ ہی جائیں بلکہ انہیں اچھے انجام کی خوشخبری بھی دینی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اسکے قہر پر غالب آنے کی خوش آئند خبر سے بھی مطلع کرنا چاہیئے۔ ایسے ہی دین کے معاملے میں بہت سختی کرنا اور دین کو ایک مشکل چیز بنا کر پیش کرنا بھی غلط طرزِ عمل ہے۔ انتہا پرستی اور شدت پسندی کوئی قابل تعریف شے نہیں۔ انسان طبعاً آسانی کو پسند کرتا ہے۔ لہذا کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ نہ تو دین کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے

اور نہ اُسے ایک حد درجے مشکل اور شاق گزرنے والی شے بنا کر پیش کیا جائے بلکہ خدا اور خدا کے رسولؐ کی لگائی ہوئی پابندیوں کا پورا احترام کرتے ہوئے حتی الامکان دین کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا لوگوں کو آسان لگے اور وہ اسے ایک کٹھن مہم سمجھ کر اور اس پر عمل کرنے سے مایوس ہو کر اس سے دور بھاگ جانے کی طرف مائل نہ ہوں۔

۳۹۱

حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ لوگوں میں سے کسی شخص کو چھینک آگئی تو میں نے کہا یَرْحَمُكَ اللهُ (یعنی خدا تم پر رحم فرمائے) اس پر لوگ مجھے گھورنے لگے۔ میں نے کہا تمہاری ماں تمہیں گم کرے تمہیں کیا ہوا ہے کہ میری طرف (یوں) دیکھ رہے ہو۔ اس پر وہ اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ لوگ مجھے چپ کرانا چاہتے ہیں (تو مجھے غصہ تو آیا) مگر میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کرلی تو میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، میں نے نہ آپؐ سے پہلے اور نہ آپؐ کے بعد کوئی معلم دیکھا جو آپؐ سے زیادہ اچھی طرح تعلیم دیتا ہو۔ پس خدا کی قسم نہ آپؐ نے مجھے جھڑکا نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا۔ بلکہ فرمایا کہ (دیکھو) اس نماز میں انسانی کلام میں سے کچھ کہنا درست نہیں۔ اس میں تو صرف خدا کی پاکی بیان کی جاتی ہے۔ اس کی بڑائی بیان کی جاتی ہے اور قرآن پڑھا جاتا ہے (حضورؐ نے یہی الفاظ فرمائے یا جو آپؐ نے فرمایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (مسلم)

تشریح :۔ یہ حدیث آگے بھی چلتی ہے مگر یہاں اس کا صرف اتنا حصہ ہی لیا گیا ہے جس کا حکمتِ تبلیغ سے تعلق ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں

نے حضورؐ سے بہتر تعلیم دینے والا کوئی معلم نہ دیکھا۔ کیونکہ حضورؐ نے انہیں نرمی سے بات سمجھائی اور سختی سے کام نہ لیا۔ حدیث کے آخر میں بیان ہوا ہے جو آپؐ نے فرمایا "یہ وہی بات ہے" جو اس سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کی گفتگو کو نقل کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے اگر شک پڑ جاتا کہ حضورؐ نے یہ الفاظ استعمال کئے تھے یا کوئی اور کہے تھے تو بیان کر دیتے کہ آپؐ نے یہ فرمایا تھا یا کچھ اور فرمایا تھا۔ اس سے بظاہر مراد یہی معلوم ہوتی ہے کہ حضورؐ نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم یہی تھا جو ہم نے بیان کیا ہے مگر آپؐ کے الفاظ یہ تھے یا کچھ اور تھے۔

۳۹۲

ابوسلام بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم نے بتایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات کرتے تو اسے تین دفعہ دہراتے (تاکہ بخوبی سمجھ میں آجائے) (ابوداؤد)

۳۹۳

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ لوگوں سے وہی بات بیان کرو جسے وہ سمجھ سکیں۔ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ خدا اور اس کے رسولؐ کو جھٹلایا جائے۔ (بخاری)

تشریح:۔ مراد یہ ہے کہ تبلیغ دین کرتے ہوئے جب لوگوں سے ایسی باتیں کی جائیں گی جو ان کی سمجھ سے بالا ہوں گی تو وہ جہالت کے باعث انہیں ماننے سے انکار کریں گے اور وہ باتیں جب خدا اور خدا کے رسولؐ کے بارے میں ہوں گی تو ان کا انکار کرکے گویا وہ خدا اور خدا کے رسولؐ کو نعوذ باللہ جھٹلانے

کے گناہ کے مرتکب ہو جائیں گے۔ اس لیے جس انسان سے بھی بات کی جائے اس کی عقل کے مطابق کی جائے، خصوصاً جب انسان نے کسی مجمع کے سامنے بات کرنی ہو تو بہت ہی زیادہ احتیاط سے بات کرنی چاہیے کیونکہ اس میں بے علم، نادان اور شرارت پسند ہر طرح کے آدمی ہوں گے۔ ایسے نہ ہو کہ وہ کسی بات کا مفہوم صحیح طور پر نہ سمجھ سکیں، پھر جو غلط سلط سمجھیں اُسے اڑا کر کہیں سے کہیں لے جائیں اور اس طرح خود گمراہ ہونے کے علاوہ دوسروں کو بھی گمراہ کریں۔

۳۹۴

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مُعاذؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، پھر (گھر) آتے تو اپنی قوم (کے لوگوں) کو نماز پڑھاتے۔ ایک رات انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی اور پھر اپنی قوم کے پاس آکر انہیں نماز پڑھانے لگے اور (قیام میں) سورۃ البقرہ شروع کر دی (جو چالیس رکوعوں پر مشتمل ہے) اس پر ایک شخص نے منہ موڑا، سلام پھیری اور تنہا نماز پڑھ کر چل دیا۔ لوگوں نے اُسے کہا کہ اسے فلاں کیا تو منافق ہو گیا ہے (تو نے نماز کیوں توڑی اور جماعت سے علیحدہ ہو کر تنہا نماز کیوں پڑھی) وہ کہنے لگا کہ نہیں، خدا کی قسم (میں منافق نہیں ہوں مگر) میں ضرور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں گا، اور ضرور آپؐ کو ساری بات بتاؤں گا لہٰذا وہ حضورؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ہم اونٹوں والے ہیں، سارا دن کام کرتے ہیں۔ ان مُعاذؓ نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آکر سورۃ البقرہ شروع کر دی (اور ان کا ایسا کرنا ہم جیسے مشقت کرنے والے لوگوں کے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔ لہٰذا میں نے تنہا نماز پڑھ لی) اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مُعاذؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے مُعاذؓ، کیا تو اتنی

لمبی لمبی نمازیں پڑھا کر) فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ سورت پڑھ لیا کر، یہ پڑھ لیا کر (یعنی آپؐ نے چھوٹی سورتیں بتائیں کہ یہ پڑھ لیا کرو اور اتنی لمبی نماز نہ پڑھایا کرو کہ لوگ اکتا جائیں) (مسلم)

تالیفِ قلب :

تالیفِ قلب سے مراد ہے دوسرے کے دل میں دین اور دینداروں کی الفت پیدا کرنا یعنی جسے دائرۂ اسلام میں داخل کرنا یا اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی طرف لانا مقصود ہو اس کے ساتھ اس طرح ہمدردی اور محبت کا سلوک کیا جائے اور اس کے بگڑے کام بنانے کی کوشش کی جائے اور حتی الامکان اس کی مادی امداد کی جائے کہ اس کے دل میں محبت پیدا ہو جائے اور وہ سوچنے لگے کہ جس طریقۂ زندگی نے ایسے اچھے لوگ پیدا کئے ہیں وہ ضرور بہت اچھا ہوگا۔ حضورؐ کے حالاتِ زندگی پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ لوگوں کی تالیفِ قلب فرمایا کرتے تھے۔

۳۹۵

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بکریاں مانگیں جو (اتنی زیادہ تھیں کہ) دو پہاڑوں کے درمیان پھیلی ہوئی تھیں تو حضورؐ نے وہ سب اُسے عطا فرما دیں۔ وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میری قوم اسلام لے آؤ۔ خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اتنا عطا کرتے ہیں کہ (پھر) مفلسی کا خطرہ نہیں رہتا۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایسے بھی ہوتا تھا) کہ ایک شخص محض دنیا حاصل کرنے کے ارادے سے مسلمان ہوتا، پھر اسلام قبول کر لینے کے بعد اسلام اُسے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے زیادہ عزیز ہو جاتا۔ (مسلم)

تشریح :۔ مراد یہ ہے کہ کبھی یوں بھی ہوتا کہ کوئی شخص اس خیال سے مسلمان ہوتا کہ مسلمان ہونے سے دنیوی فائدہ حاصل ہوگا۔ مگر جب وہ مسلمان ہوجاتا تو حضورؐ کی صحبت میں بیٹھتا، آپؐ کی تعلیمات سے فیض حاصل کرتا، مسلمانوں کے اعلیٰ پلے کے کردار سے متاثر ہوتا، یہ سب باتیں اس کے دل پر اثر ڈالتی رہتیں اور آخر کار وہ دین سے شدید طور پر محبت کرنے لگتا اور سچے دل سے مسلمان ہو جاتا۔

۳۹۶

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والا جہاد کیا پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ نکلے اور (یہ سب لوگ) حنین (کے علاقے) میں لڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی اور مسلمانوں کی امداد فرمائی (اور فتح ہوئی) اس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن اُمیہ کو (جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے) سَو اونٹ دیئے، پھر سَو دیئے۔ پھر سَو دیئے۔

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ مجھے سعید بن مسیّب نے بتایا کہ صفوان کہتا تھا کہ خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا کیا جو کچھ کہ کیا اور (صورت یہ تھی کہ) مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ بغض حضورؐ کے ساتھ تھا۔ لیکن آپؐ مجھے عطا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آپؐ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہوگئے۔ (مسلم)

تشریح :۔ یعنی اسلام لانے سے پہلے بغض تھا۔ پھر اسلام لانے کے بعد جب حضورؐ ان کی تالیف قلب فرماتے رہے تو آخر کار حضورؐ انہیں سب انسانوں سے زیادہ محبوب ہوگئے۔

اپنے عمل سے تبلیغ :

دین کی دعوت دینے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ انسان دوسروں کو زبان سے دین کی دعوت دے اور دوسرا یہ ہے کہ انسان خود دین کے احکام پر عمل پیرا رہے اور دوسرے اس کے کردار کو دیکھ کر متاثر ہوں اور اس کے دین کو قبول کریں واضح رہے کہ لوگوں کی اکثریت دوسرے مذاہب کی مقدس کتابیں کھول کھول کر نہیں پڑھتے بلکہ مختلف مذاہب پر ایمان رکھنے والوں کے کردار کو دیکھتے ہیں ۔ اگر وہ کردار پسندیدہ ہوں تو دیکھنے والے ان مذاہب کو بھی اچھا سمجھنے لگتے ہیں جنہوں نے ایسے اچھے انسان پیدا کئے اور اگر یہ کردار ناپسندیدہ ہوں تو پھر دیکھنے والوں کے دلوں میں ان مذاہب کی طرف بہت کم میلان پیدا ہوتا ہے چاہے ان مذاہب کے بے کردار پیرو انہیں اپنے اپنے مذاہب کی طرف لانے کے لیے کتنے ہی جتن کیوں نہ کریں ۔ لہٰذا اپنے کردار کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا جس سے لوگوں کے سامنے اچھے نمونے قائم ہوں تزکیۂ نفس کے علاوہ دعوتِ دین کی ایک شکل بھی ہے ۔

(۳۹۷)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنی ہوش میں اپنے ماں باپ کو دین کی پیروی کرتے ہی دیکھا اور ہم پر کوئی دن نہیں گزرتا تھا جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دن کے دونوں کناروں پر (یعنی) صبح و شام ہمارے ہاں تشریف نہ لاتے ہوں ، پھر حضرت ابوبکرؓ کو خیال آیا تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنائی ، اس میں وہ نماز پڑھا کرتے اور قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے تو مشرکوں کی عورتیں اور لڑکے ان کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے

پڑھنے) سے خوش ہوتے تھے اور ان کی طرف دیکھا کرتے تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ ایک ایسے شخص تھے جو بہت رویا کرتے تھے۔ جب وہ قرآن کی تلاوت کرتے تو انہیں اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہتا (اور رونے لگتے) اس شے نے قریش کے ان اشراف کو ڈرا دیا تھا جو مشرکوں میں سے تھے۔ (بخاری)

تشریح :۔ مشرک کس بات سے ڈرے؟ — اسی سے کہ ان کی عورتیں اور لڑکے حضرت ابوبکرؓ کی تلاوت سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل نہ ہو جائیں ظاہر ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ تلاوت کرتے تھے اور روتے تھے تو ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ دوسروں کو متاثر کریں بلکہ وہ تو خوفِ خدا، حبِ الٰہی، آخرت کے ڈر، دین کی محبت اور قرآن سے شدید طور پر متاثر ہونے کے باعث روتے تھے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کا خشوع وخضوع اور شدت تاثر ان کے ارادے کے بغیر ہی دوسروں پر اثر انداز ہو جاتے تھے۔ ایسے ہی جو انسان اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کا چلتا پھرتا نمونہ بنائے گا وہ زبان حال سے ہر وقت ارد گرد کے لوگوں کو دعوتِ دین دے رہا ہوگا۔ اور لوگ اس کی وعظ ونصیحت سننے بغیر ہی دین سے متاثر ہوتے رہیں گے۔

۳۹۸۰

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم دن کے اول حصے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپؐ کے پاس ایک جماعت آئی۔ وہ ننگے پاؤں، ننگے بدن تھے، سفید سیاہ دھاریوں والی اون کی چادروں کی کفنیاں یا عبائیں گلوں میں ڈالے ہوئے تھے اور تلواریں گلوں میں لٹکائے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر قبیلہ مُضَر سے تعلق رکھتے تھے بلکہ سب کے سب قبیلہ مضر ہی سے تھے۔ ان کے فقر وفاقہ کی حالت دیکھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا۔ آپؐ اندر

گئے، پھر باہر تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا تو انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی پھر (لوگوں کو) خطبہ دیا اور (سورۃ النساء کی پہلی آیت کو)

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ ....

آیت کے آخری الفاظ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ۝ تک پڑھا۔

(جس کا مطلب ہے۔ لوگو اپنے ربّ سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے)

اور آپؐ نے وہ آیت (بھی) پڑھی جو سورۃ الحشر میں (آیت نمبر ۱۸) ہے۔

اِتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج

(یعنی اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ یہ آیات پڑھ کر حضورؐ نے تلقین فرمائی کہ) صدقہ دے انسان اپنے دینار سے، اپنے درہم سے، اپنے کپڑے سے، اپنے گیہوں کے صاع سے، اپنے کھجور کے صاع سے (اور آپؐ نے) یہاں تک فرمایا کہ (صدقہ دے انسان) چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے۔ پھر انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلی لے کر آیا (جو اتنی بھاری تھی کہ قریب تھا کہ اس کی ہتھیلی اسے اٹھانے سے عاجز ہو جائے۔ بلکہ وہ عاجز ہو چکی تھی) پھر تو لوگوں نے پے در پے خیرات دینی شروع کر دی یہاں تک کہ میں نے کھانے اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے۔ گویا کہ اس پر سونا چڑھا ہوا ہے۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ شروع کیا اُسے اپنے شروع کئے ہوئے اچھے طریقے کا اجر بھی ملے

گا اور جو لوگ اس کے بعد اس اچھے طریقے پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ملے گا بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اپنے اجر میں سے کچھ کم کیا جائے اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقے کا آغاز کیا تو اس کو اس برے طریقے کا گناہ بھی ہوگا اور اس کے بعد (اس کی دیکھا دیکھی) جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی ہوگا۔ بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے گناہ میں سے کچھ کم کیا جائے۔ (مسلم)

تشریح:۔ واضح رہے کہ جو انصاری وہ بھاری تھیلی لے کر آئے تھے انہوں نے منہ سے کسی سے یہ نہیں کہا تھا کہ لوگو تم بھی خیرات کرو۔ مگر ان کا اچھا نمونہ دیکھ کر لوگ خیرات کرنے پر پل پڑے اور کھانے اور کپڑوں کے دو ڈھیر لگ گئے جس پر حضورؐ نے واضح فرمایا کہ کس طرح اچھا یا برا طریقہ شروع کرنے والا ان طریقوں پر عمل کرنے والوں کی جزا اور سزا میں شریک رہتا ہے۔ کیونکہ جنہوں نے اچھا یا برا نمونہ قائم کیا ہے انہوں نے گویا لوگوں کو اچھائی یا برائی کا عملی درس دیا ہے۔

طالبانِ حق توجہ کے زیادہ مستحق ہیں:

ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مکہ معظمہ کے چند بڑے سردار بیٹھے ہوئے تھے اور حضورؐ ان کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ فرما رہے تھے۔ اتنے میں ابن ام مکتومؓ نامی ایک نابینا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپؐ سے اسلام کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہا۔ حضورؐ کو ان کی یہ مداخلت ناگوار گزری کیونکہ حضورؐ کا خیال تھا کہ میں اس وقت جن لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں ان میں سے کوئی ایک آدمی بھی ہدایت پالے تو وہ اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر اسلام کی تقویت کا بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔ بخلاف اس کے ابن ام مکتومؓ اپنی معذوری کے باعث اسلام کے لئے اتنے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس لیے انہیں اس وقت گفتگو میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ انہوں نے جو کچھ پوچھنا ہو وہ بعد میں بھی پوچھ سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ

نے اس طرزِ عمل پر گرفت فرمائی اور وہ آیات نازل کیں جو قرآن کے آخری پارے میں سورۃ عبس کے شروع میں ہیں ان آیات کو نازل کرنے سے مراد یہ واضح کرنا تھا کہ داعی کی زیادہ توجہ کا مستحق وہ شخص ہے جو حق کی طلب میں خود چل کر حق معلوم کرنے کے لیے آیا ہے چاہے وہ معذور اور کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برعکس جو لوگ حق کے طالب نہیں ہیں اور انہیں پکڑ پکڑ کر حق سے واقف کرانے کی کوشش کی جاتی ہے وہ اپنے تمام اثر و رسوخ کے باوجود پہلے لوگوں کے مقابلے میں کم توجہ کے مستحق ہیں کیونکہ دین کی دعوت دینے کا اصل مقصد بندگانِ خدا کی اصلاح ہے۔ لہٰذا جو شخص خود حق کی طلب میں نکلتا ہے اس کا طرزِ عمل واضح کر رہا ہے کہ وہ اصلاح کو قبول کرے گا۔ اس کے برعکس جسے کوشش کر کے لایا جا رہا ہے اور سعی کر کے حق سے واقف کرایا جا رہا ہے اس کا طرزِ عمل صاف بتا رہا ہے کہ وہ خود حق کا متلاشی نہیں اور عجب نہیں کہ کوششوں کے باوجود بھی حق کو قبول نہ کرے۔ یہ دونوں شخص ایک درجے کے نہیں ہو سکتے۔ بے شک داعی اپنے امکان کی حد تک دوسرے کی اصلاح کی بھی کوشش کرے تاہم اس کی توجہ کا زیادہ مستحق وہ پہلا شخص ہے جو خود حق کی تلاش میں نکلا ہے۔

۳۹۹

حضرت عُروہ (بن زبیرؓ) بیان کرتے ہیں کہ (سورۃ) عَبَسَ وَتَوَلّٰی حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئی تھی وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنے قریب جگہ دیجئے اور (اس وقت) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بڑے بڑے مشرک سرداروں میں سے کوئی شخص بیٹھا ہوا تھا (اور آپؐ اسے دین اسلام کی طرف لانے کی کوشش فرما رہے تھے۔ لہٰذا) آپؐ حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اور اسی (مشرک سردار) کی طرف توجہ دے رہے تھے اور اُسے فرما رہے تھے کہ اے ابو فلاں، جو کچھ میں کہہ

رہا ہوں کیا تم اس میں کوئی حرج کی بات پاتے ہو۔ اور وہ کہتا تھا کہ نہیں قسم ہے بتوں کی (یا قربانیوں کے خونوں کی) کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں میں اس میں کوئی حرج کی بات نہیں پاتا۔ پس (حضورؐ کے اس طرح حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم کی طرف توجہ نہ کرنے اور مشرک سرداروں کی طرف متوجہ رہنے پر یہ سورت) نازل ہوئی۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی (پیغمبر ترش رو ہوا اور بے رخی برتی اس بات پر کہ ایک اندھا اس کے پاس آگیا) (موطا)

تشریح: اس حدیث کی تشریح کے لیے اس سے اوپر لکھا ہوا نوٹ پڑھ لیا جائے۔ حضرت ابن ام مکتومؓ کے مقابلے میں حضورؐ جس مشرک سردار سے بات کر رہے تھے اور اسے اسلام کی دعوت دے رہے تھے وہ آپؐ کی بات میں کوئی حرج نہ پانے کا اعلان کرتے ہوئے بھی ساتھ بتوں کی یا قربانیوں کے خونوں کی قسم کھا رہا تھا اس کے برعکس حضرت ابن ام مکتومؓ حق کی تلاش میں خود چل کر آئے تھے اور حق سے واقف ہونا چاہتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں حضورؐ کی زیادہ توجہ کا مستحق قرار فرمایا۔

کتاب ۱۵

جہاد فی سبیل اللہ

باب ۱۳

جہاد کی ضرورت، تاکید اور فضیلت !

اسلام میں عقیدۂ آخرت ان بنیادی عقائد میں سے ہے جن میں سے کسی ایک کا بھی انکار کر کے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس عقیدۂ آخرت کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان یہ دنیوی زندگی گزارتے ہوئے سیدھی راہ پر گامزن رہے گا تو اس کی موت کے بعد والی زندگی، مسرت، خوشی، سکھ، آرام اور عزت والی زندگی ہو گی اور یہ دنیوی زندگی بھی بہتر طریقے سے کٹے گی۔ اور اگر وہ یہ عارضی زندگی گزارتے ہوئے ٹیڑھی راہوں پر چلتا رہے گا تو وہ موت کے بعد والی دائمی زندگی میں غم و الم، دکھ درد، بے چینی و بے قراری اور ذلت و رسوائی کا شکار ہو گا اور یہ عارضی زندگی بھی خراب ہو گی۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بے انتہا شفیق ہے اس لیے اس نے انسان پر یہ کٹھن ذمہ داری نہیں ڈالی کہ وہ خود ہی دھکے کھا کھا معلوم کرے کہ سیدھی راہ کون سی ہے اور ٹیڑھی

ی، بلکہ اس نے آغاز ہی سے انبیاء کا سلسلہ شروع کر دیا تھا جو اس لیے بھیجے جاتے تھے کہ انسان کو سیدھی راہ سے روشناس کرتے رہیں اور ٹیڑھی راہوں کی پہچان سکھاتے رہیں۔ اور تلقین کرتے رہیں کہ انسان اس راہ کو اختیار کرے جس سے اسے ہمیشہ کی کامیاب زندگی نصیب ہو جائے اور دنیا میں بھی اسے عزت اور سکون قلب حاصل ہو۔ پھر انسان کو اس حقیقت سے بھی مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو سیدھی راہ آخرت کی زندگی کو کامیاب بناتی ہے وہ انجام کار اس دنیوی زندگی کی کامیابی کی بھی ضمانت ثابت ہوتی ہے۔ یہی سیدھی راہ ہے جسے ہم "دین" یا "اسلام" کہتے ہیں جو آج سے چودہ سو برس پہلے، نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں، اپنی مکمل شکل میں انسانوں تک پہنچا دیا گیا تھا۔ جہاد فی سبیل اللہ درحقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے جسم و جان، مال و دولت اور جملہ اسباب و وسائل اور صلاحیتوں سے کام لے کر انتہائی جدوجہد کرے کہ خدا کا یہ دین جس میں انسان کی دنیوی اور آخروی کامیابی مضمر ہے زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچ جائے اور زیادہ سے زیادہ انسان اسے اختیار کر کے دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔

دین کو سربلند کرنے کی یہ جدوجہد زبان سے بھی کی جاتی ہے، قلم سے بھی، مال سے بھی اور ضرورت ہو تو تلوار سے بھی، لہذا جہاد کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً جہاد بالقول، جہاد بالقلم، جہاد بالمال، جہاد بالسیف وغیرہ، جہاد بالقول یہ ہے کہ انسان دوسرے لوگوں کو زبان سے سمجھائے بجھائے، انہیں خدا کی راہ کی طرف بلائے اور اس راہ کے بے پناہ فوائد ان کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرے۔ جہاد بالقلم یہ ہے کہ اپنی تحریروں کے ذریعے خدا کی مخلوق کو خدا کے احکام سے واقف کرایا جائے اور ان کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔ جہاد بالمال یہ ہے کہ اپنا مال ایسی سرگرمیوں اور تحریکوں پر صرف کیا جائے جن کا مقصد دین کو سربلند کرنا ہو، اور جہاد بالسیف

یہ ہے کہ ان شریر قوتوں کو توڑنے کے لیے جنگ کی جائے جن کا مقصد خدا کے دین کی راہ روکنا اور بندگان خدا کا بُرا چاہنا ہو۔

پھر خدا کے دین کو دنیا میں نافذ کرنے کے لیے انسان کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اسے خود اپنی ذات پر نافذ کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اگر وہ خود ہی اس دین کے احکام پر عمل نہیں کرے گا تو اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ دوسرے اس کی سعی و جہد سے متاثر ہوں چنانچہ دوسرے لوگوں کے غلط عقائد و اعمال کے خلاف جدوجہد کرنے سے پہلے انسان کو خود اپنے غلط عقائد و اعمال کے خلاف جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اور دوسروں کو خدا کی راہ کی طرف بلانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ انسان خود خدا کے احکام پر چلنے کی امکانی جدوجہد کرے یعنی جہاد صرف دوسروں ہی کے مقابلے میں نہیں کیا جاتا بلکہ خود اپنے آپ کے مقابلے میں بھی کیا جاتا ہے۔

اب ایک سچے مجاہد کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے وہ تمام کوششیں کر گزرے جو اس کے امکان میں ہوں جہاں زبان سے سمجھانا بجھانا مفید نظر آئے وہاں زبان سے سمجھائے۔ اور اگر قلم چلانے کی صلاحیت موجود ہو تو اس سے بھی پورا پورا کام لے۔ اگر مال خرچ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو حیثیت کے مطابق زیادہ سے زیادہ مال صرف کرنے کی کوشش کرے۔ یہاں تک کہ جب حالات کا تقاضا یہ ہو کہ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں کود پڑا جائے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔ اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے جنگ کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آتی ہے کہ خدا کے باغی اپنی سیاسی اور جنگی قوت کے ذریعے اپنے شیطانی عقائد و اعمال کو پھیلاتے اور خدا کے دین کو پھیلنے سے روکتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہوتا ہے کہ ان کی سیاسی اور جنگی قوت کو توڑا جائے تاکہ وہ اپنے شیطانی عقائد و اعمال کو پھیلانے کے قابل نہ رہیں۔ وہ لوگ خود اگر اپنے غلط عقیدوں پر قائم رہنا چاہیں

تو انہیں جبراً اسلام کی طرف نہیں لایا جائے گا۔ مگر انہیں یہ طاقت حاصل نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی خدا کے باغی بنائیں۔

ایسے ہی بسا اوقات یہ غیر مسلم لوگ اسلامی علاقوں پر حملہ کر کے اہل اسلام کو غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں سختی سے ان کے خلاف جنگ کی جائے گی اور انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ اسلامی علاقوں پر قبضہ کر کے ان میں کافرانہ نظام رائج کرنے اور مسلمانوں کو غیر اسلامی نظام کے تحت زندگی بسر کروانے کی کوشش کر سکیں۔ اسلام نے مسلمانوں کو جو نظام زندگی دیا ہے وہ انفرادی زندگی کے بارے میں بھی ہدایات دیتا ہے اور اجتماعی زندگی کے بارے میں بھی۔ لہٰذا جب مسلمان بدقسمتی سے کسی دوسری قوم کے سیاسی غلام ہو جاتے ہیں تو پھر وہ پوری اسلامی زندگی گزارنے کے قابل نہیں رہتے۔ زندگی کے تمام پہلوؤں میں اسلامی احکام پر عمل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلمان ہر لحاظ سے پورے پورے آزاد ہوں۔ لہٰذا اپنی آزادی کی حفاظت کرنے کے لیے ان کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ اپنی جنگی طاقت کو مضبوط رکھیں۔

ایسے ہی اگر کسی غیر اسلامی علاقے میں رہنے والے مسلمان علاقے کے غیر مسلم حاکموں یا وہاں کی غیر مسلم اکثریت کے مظالم کا شکار ہو رہے ہوں تو اسلامی ممالک کیلئے ضروری ہے کہ اگر وہ غیر مسلم حاکم یا اکثریت جنگ کے بغیر ظلم کرنا نہ چھوڑیں تو حسب استطاعت ان کے خلاف جنگ کریں۔ تاکہ ان علاقوں میں رہنے والے مظلوم مسلمانوں کو مظالم سے نجات ملے۔

غرضکہ بندگانِ خدا کو شیطانی عقائد و اعمال اور ظالم انسانوں کی ستم رانیوں سے بچانے کے لیے بسا اوقات تلوار اٹھانی پڑتی ہے جس سے مقصود نہ اپنی شجاعت کا اظہار ہوتا ہے نہ کسی مادی فائدے کا حصول بلکہ صرف خدا کے دین کو سربلند کرنا اور خدا کی رضا حاصل کرنا پیش نظر ہوتا ہے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے جو جدوجہد

بھی کی جائے گی۔ اس کے لیے لفظ "جہاد" استعمال ہو سکتا ہے چاہے وہ جدوجہد زبان سے کی جائے یا قلم سے یا مال سے یا تلوار سے تاہم آئندہ اوراق میں جو احادیث بیان ہو رہی ہیں ان میں زیادہ تر جہاد بالسیف ہی کا ذکر ہے یعنی اللہ کی راہ میں جنگ کرنا۔ انسان کی نگاہ میں عموماً سب سے زیادہ پیاری چیز اس کی جان ہوتی ہے۔ لہٰذا جب وہ اس جان کو خدا کی راہ میں دینے کو تیار ہو جاتا ہے تو وہ اپنی بندگی کی معراج پر پہنچ جاتا ہے۔ جہاد میں حصہ لینے والا ہر شخص مجاہد ہے۔ اگر مجاہد جہاد کر کے بھی زندہ رہ جائے تو وہ "غازی" کہلاتا ہے اور اگر جہاد کے دوران اللہ کو پیارا ہو جائے تو "شہید" ہوتا ہے۔

اگر اہل اسلام نے دنیا میں عزت کی زندگی گزارنا ہو اور آخرت کے بعد اعزاز و اکرام کا مستحق ہونا ہو تو ضروری ہے کہ ہمہ وقت جہاد کے لیے تیار رہیں اور دین کی سربلندی کی راہ میں جان دے دینے میں ذرا بھی سستی برتنے کے روادار نہ ہوں۔ ورنہ ذلت و خواری کا شکار ہوں گے۔ اور انجام کار ان کی وہ جانیں بھی پانی کی طرح ارزاں ہو جائیں گی۔ جن کو بچانے کے لیے انہوں نے جہاد سے منہ موڑا ہوگا۔ جہاد کی بے پناہ افادیت اور اہمیت ہی کے باعث اللہ تعالیٰ نے تاکید سے اس کا حکم فرمایا ہے اور اسے بہت زیادہ فضیلت دلانے والا عمل قرار دیا ہے۔ آئندہ آنے والی احادیث میں جہاد کی تاکید اور جہاد اور شہادت کی فضیلت بیان کرنے کے علاوہ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد میں کیا کیا صفات ہونی چاہئیں تاکہ اس کا یہ معزز عمل اللہ کے حضور میں شرف قبولیت بخشے اور اسے ہمیشہ کی کامرانی اور اعزاز و اکرام نصیب ہو جائے۔

جہاد کی تاکید :

۴۰۰

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ فتح مکّہ کے بعد اب (مکّۂ مکرمہ سے مدینہ منوّرہ کی طرف) ہجرت (کرنے کی ضرورت) باقی نہیں رہی مگر جہاد اور نیک نیّتی (کی ضرورت ہمیشہ باقی) رہے گی۔ اور جب تم لوگوں سے مطالبہ کیا جائے کہ جہاد کے لیے نکلو تو پھر نکل کھڑے ہوا کرو۔ (بخاری)

تشریح :۔ حضورؐ کے مکّہ مکرمہ سے ہجرت کر جانے کے بعد آٹھویں سال تک مکہ مکرمہ پر کافروں کا قبضہ رہا۔ اس دوران اس بات کی ضرورت تھی کہ مسلمان وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں تاکہ کفّار کے مظالم سے بچ جائیں۔ اور اپنے دین پر آزادی سے عمل کر سکیں مگر ۸ھ میں جب حضورؐ نے مکّہ فتح کر لیا اور وہاں مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم ہو گئی تو وہاں کے مسلمانوں کو ہجرت کر کے مدینے آنے کی ضرورت نہ رہی۔ جہاد کے متعلق یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اس کی ضرورت ہمیشہ رہے گی تو وہ اس لیے کہ اہل اسلام کا قیامت تک کے لیے یہ فرض رہے گا کہ وہ دین کی راہ روکنے والی باطل قوتوں کے زور کو توڑنے کی کوشش کرتے رہیں اور دین کو سربلند کرنے کے لیے ہر امکانی جد وجہد کو جاری رکھیں۔ اگر اس سے غفلت برتی جائے گی تو باطل قوتیں دین کو مٹانے کے لئے تندی سے سرگرم عمل ہو جائیں گی۔ اور پھر انسانیت کی عاقبت ہی نہیں بلکہ دنیا بھی خراب ہو گی۔ کیونکہ باطل قوتیں دنیا میں عقیدے اور عمل کا فساد پھیلائیں گی جس سے دنیوی زندگی بھی دکھی ہو گی۔ لہٰذا تاکید فرمائی گئی ہے کہ

جب جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو نکل کھڑے ہوا کرو۔

۴۰۱

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کا گزر ایک گھاٹی پر ہوا جس میں میٹھے پانی کا ایک چشمہ تھا۔ انہیں وہ چشمہ اپنی پاکیزگی اور عمدگی کے باعث بھلا لگا اور انہوں نے کہا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر میں لوگوں سے علیحدہ ہو کر اس گھاٹی میں رہنے لگوں۔ لیکن میں ایسے کروں گا نہیں جب تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہ لے لوں۔ چنانچہ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ ایسے نہ کرنا (اور سمجھایا) کہ تم میں سے کسی کا اللہ کی راہ میں کھڑے رہنا اس کے اپنے گھر میں ۷۰ سال نماز پڑھتے رہنے سے زیادہ افضل ہے کیا تم لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور تمہیں جنت میں داخل کرے (اگر یہ چاہتے ہو تو پھر) تم لوگ (گوشہ نشینی اختیار کرنے کے بجائے) اللہ کی راہ میں جہاد کرو (کیونکہ) جس نے اونٹنی کے دو دفعہ دوہے جانے کے درمیانی وقفے جتنے وقت تک کے لیے بھی اللہ کی راہ میں جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ (ترمذی)

۴۰۲

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں ایمان کی جڑ ہیں۔ (ایک یہ کہ) جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے اس (کو قتل کرنے یا ایذا دینے) سے رُکے رہنا اور کسی گناہ کے باعث (جو اس نے

کیا ہو) اسے کافر نہ کہنا اور نہ اس کے) کسی عمل کے باعث اسے اسلام سے خارج کرنا
(دوسرے یہ کہ) جہاد جاری رہے گا، جس دن خدا نے مجھے نبیؐ بنایا تھا اس دن
سے لے کر اس دن تک جب میری امت کے آخری لوگ دجال سے لڑیں گے
نہ کسی ظالم کا ظلم اسے باطل کر سکے گا اور نہ کسی عادل کا عدل اور (تیسری بات یہ ہے
کہ) تقدیر پر ایمان لانا ہوگا۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ مراد یہ ہے کہ چاہے ظلم کا دور دورہ ہو یا انصاف کا
جہاد کی ضرورت ہمیشہ باقی رہے گی۔ کیونکہ باطل قوتیں اسلام کی راہ روکنے کی کوشش
کرتی رہیں گی۔ اور اہل اسلام کے لیے ضروری ہوگا کہ ان قوتوں کے خلاف جہاد
کر کے انہیں توڑنے کی کوشش کرتے رہیں اور دین کو سربلند کرنے اور اہل
دنیا کو دین کی طرف بلانے کی جدوجہد جاری رکھیں۔

(۴۰۳)

(سورۃ البقرہ آیت ۱۹۵ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔" اپنے ہاتھوں
اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" ایک دفعہ جہاد میں ایک شخص نے اکیلے ہی
دشمنوں پر حملہ کر دیا تو دوسرے مجاہد کہنے لگے کہ یہ شخص تو اپنے ہاتھوں اپنے
آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ اس پر حضرت ابوایوبؓ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم
انصار کے معاملے میں نازل ہوئی تھی۔ کیونکہ جب اسلام غالب آگیا تو ہم نے
کہا کہ اب جہاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اب اسلام غالب آگیا ہے اس
لیے اب ہم اپنے باغوں اور جانوروں وغیرہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اس پر
یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو حضرت ابوایوبؓ
کی مراد یہ تھی کہ دشمن پر حملہ کر دینا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں بلکہ اپنے آپ
کو ہلاکت میں ڈالنا تو یہ ہے کہ انسان جہاد سے منہ موڑ کر دنیادی کاروبار میں محو

جائے اور سمجھ لے کہ اب جہاد کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ جب اہل اسلام یہ سمجھ لیں گے کہ جہاد کی ضرورت نہیں رہی اور جہاد کی تیاری چھوڑ دیں گے تو پھر ان کی جنگی طاقت کمزور ہو جائے گی۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر مسلم ان پر حملہ کر کے انہیں غلام بنالیں گے اور اس سے ان کی دنیا اور دین دونوں تباہ ہو جائیں گے)

اسلم ابی عمران بیان کرتے ہیں کہ ہم جہاد کے لیے مدینے سے چلے، ہمارا ارادہ قسطنطنیہ (پہنچ کر وہاں جہاد کرنے) کا تھا۔ عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید جماعت کے سردار تھے اور اہل روم اپنی پشتیں (اپنے) شہر کی فصیل کے ساتھ لگائے (ہمارے حملے کے منتظر) تھے (ہم میں سے) ایک شخص نے دشمن پر حملہ کر دیا۔ تو لوگ کہنے لگے، ٹھہر، ٹھہر، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ! (یہ شخص تو) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ اس پر حضرت ابوایوبؓ (انصاری) نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصار کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی (بات یوں ہوئی کہ) جب اللہ نے اپنے نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرت عطا فرمائی اور اسلام کو غالب کر دیا تو ہم نے کہا کہ (اب جہاد کرنے کی کیا ضرورت ہے) آؤ اب ہم اپنے مالوں (یعنی جانوروں اور باغوں) میں رہیں اور ان کو درست کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ۛۚ

(یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)

پس اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا یہ ہے کہ ہم اپنے مالوں میں رہیں اور انہیں درست کرنے کی فکر کرتے رہیں اور جہاد کرنا چھوڑ دیں (نہ کہ جہاد کرنا ہلاکت ہے) ابوعمران بیان کرتے ہیں کہ پس حضرت ابوایوبؓ اللہ کی راہ میں مسلسل جہاد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قسطنطنیہ ہی میں دفن ہوئے۔

(ابوداؤد)

۴۰۴

حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا ایک گروہ حق کے لیے لڑتا رہے گا، جو ان سے دشمنی کریں گے وہ ان پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان میں سے آخری لوگ مسیح دجال سے لڑیں گے۔ (ابو داؤد)

۴۰۵

حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت (کاتب وحی) بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ آیت لکھوائی۔

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(مؤمنوں میں سے وہ لوگ جو گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے)

جب آپؐ مجھے یہ آیت لکھوا رہے تھے تو حضرت ابن ام مکتومؓ آپؐ کی خدمت میں آگئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھے جہاد کرنے کی طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد کرتا، بات یہ تھی کہ وہ نابینا تھے (اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ران میری ران پر تھی کہ آپؐ پر وحی نازل ہونے لگی اور چونکہ وحی نازل ہوتے وقت آپؐ کا جسم مبارک بے انتہا بوجھل ہو جاتا تھا) اس لیے میری ران پر اتنا وزن اور بوجھ پڑا کہ میں ڈرا کہ کہیں میری ران ٹوٹ ہی نہ جائے۔ پھر آپؐ سے یہ کیفیت دور ہوئی تو اللہ تعالیٰ یہ الفاظ نازل فرما چکے تھے۔ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ (یعنی جنہیں کوئی معذوری نہیں)۔ (بخاری)

تشریح :۔ ان الفاظ کے نازل ہونے سے پورا حکم یوں بنا کہ مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں (اور جہاد میں شریک نہیں ہوتے) اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت یکساں نہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ جو لوگ صرف اس لیے جہاد میں شریک نہیں ہوتے کہ انہیں کوئی معذوری ہوتی ہے انہیں اللہ معذور سمجھے گا اور انہیں جہاد معاف ہو گا۔ حضرت ابن ام مکتومؓ بھی نابینا ہونے کے باعث معذور تھے لہٰذا انہیں بھی جہاد معاف تھا۔ غرضکہ جہاد کی تاکید کرنے کے ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ جو لوگ شرعی طور پر معذور ہوں ان پر جہاد فرض نہیں۔

جہاد کی فضیلت :

۴۰۶

سالم ابوالنضرؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ نے انہیں لکھ بھیجا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جان لو کہ جنت تلواروں کے سایوں کے نیچے ہے۔ (بخاری)

تشریح :۔ جنت کے تلواروں کے سائے کے نیچے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص خلوص دل سے اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے جہاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

۴۰۷

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے

سنا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال، اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرتا ہے"۔ (سو اس مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال) اس روزہ دار کی سی ہے جو (روزانہ روزہ رکھتا ہو اور رات بھر) کھڑا نماز پڑھتا ہو اور اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے اس بات کی ذمہ داری لی ہے کہ اگر اُسے وفات دے گا تو اسے جنّت میں داخل کرے گا یا اسے اجر یا مال غنیمت کے ساتھ سلامتی کے ساتھ واپس لوٹائے گا۔ (بخاری)

تشریح: یعنی مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے ہر حالت میں نفع ہے۔ جہاد کرنے کے بعد اگر وہ زندہ رہ گیا تو اللہ اُسے اجر بھی عطا فرمائے گا۔ اور فتح کی صورت میں اسے مال غنیمت میں سے حصّہ بھی ملے گا۔ اور اگر وہ شہید ہو گیا تو جنّت حاصل کرلے گا۔

۴۰۸

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی کیا جائے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون ٹپک رہا ہو گا۔ اس خون کا رنگ تو خون جیسا ہو گا مگر اس کی خوشبو مشک کی طرح ہو گی۔ (بخاری)

۴۰۹

اُبو عُبس جن کا نام عبدالرحمٰن بن جَبر تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس بندے کے دونوں قدم اللہ کی راہ میں (چلنے کے باعث) غبار آلود ہو جائیں اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔ (بخاری)

۴۱۰

حضرت انس رضؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیؐ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی راہ میں صبح کو چلنا یا شام کو چلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔
(بخاری)

۴۱۱

حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا صلیؐ اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ کروں سوائے حاجیوں کو پانی پلانے کے تو مجھے پرواہ نہیں (یعنی میں حاجیوں کو پانی پلانے کو سب سے بڑا عمل سمجھتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اگر یہ عمل کر لیا جائے تو پھر کوئی اور عمل اگر نہ بھی کیا جا سکے تو حرج نہیں) ایک اور شخص نے کہا کہ اسلام لانے کے بعد اگر میں مسجد حرام کو آباد کرنے کے سوا اور کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں (یعنی میرے خیال میں مسجد حرام کو آباد رکھنا بہترین عمل ہے اس کے سوا اگر اور کوئی عمل نہ بھی کیا جائے تو حرج نہیں) اور ایک اور بولا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ان سب اعمال سے افضل ہے جن کا تم ذکر کر رہے ہو۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان (سب) کو ڈانٹا اور فرمایا کہ رسول خدا صلیؐ اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ اس دن جمعہ تھا۔ (حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ) جب میں نماز جمعہ ادا کر لوں گا تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اس بات کے بارے میں حضورؐ سے پوچھوں گا جس میں تم لوگ اختلاف کر رہے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ الخ (یعنی کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد رکھنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روزِ آخر پر اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں ہیں اور اللہ ظالم لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا) (مسلم)

تشریح:۔ جس آیت کے ابتدائی الفاظ اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں وہ سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۱۹ ہے۔ اس آیت میں جو کچھ واضح کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کو آباد رکھنا نیکی کے کام ہیں مگر ان کی فضیلت اس درجے کو نہیں پہنچتی جس درجے کو خدا اور روز آخرت پر ایمان لانے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کی فضیلت پہنچی ہوئی ہے۔ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانا اور خدا کی راہ میں جہاد کرنا پہلے دو اعمال کی نسبت بہت زیادہ فضیلت رکھنے والے اعمال ہیں۔

۴۱۲

حضرت سلمانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات پہرہ دینا مہینہ بھر روزے رکھنے اور عبادت کرنے سے بہتر ہے اور اگر وہ (پہرہ دینے والا) شخص وفات پا گیا تو اس کا وہ عمل جو وہ کرتا تھا اس کے لیے جاری رہے گا۔ (یعنی اس عمل کو مسلسل کرتے رہنے کا ثواب جاری رہے گا) اور اس کا رزق جاری کر دیا جائے گا اور وہ قبر کے فتنے سے مامون رہے گا۔ (مسلم)

تشریح:۔ احوالِ قبر کے سلسلے میں بتایا جاتا ہے کہ ہر میّت کے پاس دو فرشتے آئیں گے جنہیں نکیرین کہا جاتا ہے اور وہ اس سے کچھ سوال کریں گے۔ پھر صحیح جواب دینے والی میّت تو امن و امان میں رہے گی

اور غلط جواب دینے والوں کو نکیرین عذاب میں مبتلا کریں گے۔ اس حدیث میں واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں پہرہ دینے والا شخص ان نکیرین کے عذاب سے اور قبر میں ملنے والی تکالیف سے محفوظ رہے گا۔

۴۱۳

حضرت سہلؓ بن حنظلیہؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین میں ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا اور دیر تک چلتے رہے یہاں تک کہ دن کا آخری حصہ ہو گیا اور نماز کا وقت آ گیا۔ اتنے میں ایک سوار آ گیا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ سب کے پاس سے گیا۔ یہاں تک کہ میں فلاں اور فلاں پہاڑ پر چڑھا تو کیا دیکھا کہ (دشمن قبیلہ) بنو ہوازن اپنی عورتوں اور اونٹوں اور بکریوں سمیت سب کے سب حنین کی طرف جمع ہیں۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ انشاء اللہ کل یہ (سب) مسلمانوں کا مال غنیمت ہوں گے (یعنی کل مسلمان فتح حاصل کریں گے) پھر فرمایا کہ آج رات کون ہمارا پہرہ دے گا۔ انسؓ بن ابی مرثد غنوی نے کہا کہ میں دوں گا یا رسول اللہ۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ سوار ہو جا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اس درے کی طرف جاؤ یہاں تک کہ اس کی بلندی پر پہنچ جاؤ اور (دھیان سے پہرہ دینا) ایسے نہ ہو کہ آج رات تمہاری طرف سے ہم دھوکا کھا جائیں (یعنی تم غافل ہو جاؤ اور دشمن ہم پر آ پڑے) پھر جب صبح ہوئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پڑھانے کی جگہ کی طرف نکلے اور دو رکعتیں ادا کیں اور فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے اپنے سوار کو دیکھا ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ

ہم نے تو اسے نہیں دیکھا۔ پھر نماز کے لیے تکبیر کہی گئی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے لگے۔ اور آپ (کن انکھیوں سے) درے کی طرف بھی دیکھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے نماز ختم کر لی اور سلام پھیری تو فرمایا کہ خوش ہو جاؤ کہ تمہارا سوار تمہارے پاس آگیا ہے۔ ہم درختوں کے بیچ میں سے درے میں دیکھنے لگے۔ دیکھا تو وہ (سوار واقعی) آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ٹھہر گیا اور سلام کیا اور اس نے بتایا کہ میں چلا یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس درے کے بلند حصے پر پہنچ گیا۔ پھر جب صبح ہوئی تو میں نے دونوں گھاٹیوں میں جھانکا اور دیکھا مگر کسی کو نہ پایا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم رات کو (گھوڑے سے) نیچے اترے تھے انہوں نے عرض کیا کہ نہیں سوائے نماز کے لئے یا کوئی حاجت پوری کرنے کے لیے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ تو نے (اپنے لیے جنت) واجب کر لی۔ (اب) اس کے بعد اگر تم کوئی اور نیک عمل نہ بھی کرو گے تو بھی تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ (ابوداؤد)

تشریح: حضور کا یہ فرمان مسرت کے اظہار اور بشارت کے طور پر تھا اس سے حضور کی یہ مراد نہیں تھی کہ حضرت انس بن ابی مرثد غنوی کو آئندہ کے لیے فرائض بھی معاف ہو گئے ہیں کیونکہ انسان کتنی ہی نیکیاں کیوں نہ جمع کر لے فرائض کی ادائیگی تو ہمیشہ ضروری رہتی ہے۔ اس حدیث میں درحقیقت اللہ کی راہ میں پہرہ دینے کی فضیلت بیان ہوئی ہے حضرت انس بن ابی مرثد نے ایک رات ہی پہرہ دیا، تو بھی حضور نے انہیں خوشخبری سنا دی کہ تو نے (اپنے لیے جنت) واجب کر لی۔

۴۱۴

حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) عرض کیا گیا کہ یا رسولؐ اللہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (سب سے افضل) وہ مومن ہے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر (اس کے بعد) کون (افضل ہے) آپؐ نے فرمایا کہ وہ مومن جو کسی پہاڑ کے درے میں رہتا ہے، اللہ سے ڈرتا ہے اور لوگوں کو اپنے ضرر سے محفوظ رکھتا ہے۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں مجاہد فی سبیل اللہ کو افضل ترین شخص قرار دیا گیا ہے اور اس کے بعد دوسرے درجے کی فضیلت اس شخص کی بتائی گئی ہے جو ایک طرف ہو کر رہتا ہے۔ اس کے دل میں خدا کا خوف ہے اور وہ بندگان خدا کو دکھ نہیں دیتا۔ یہی مضمون ذیل کی حدیث میں بھی بیان ہوا ہے۔

۴۱۵

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو راہ خدا اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اس کی پیٹھ پر بیٹھا اڑا جا رہا ہو۔ جونہی دشمن کی آہٹ یا کوئی خوفناک آواز سنتا ہے اسی طرف اڑ جاتا ہے اور ہر ایسے مقام یا موقع پر جو (راہ خدا میں) قتل ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہو قتل اور موت کا طالب رہتا ہے یا (پھر بہترین زندگی) اس شخص کی ہے جو تھوڑی سی بکریاں لے کر ان پہاڑوں کی

چوٹیوں میں سے کسی چوٹی پر یا ان وادیوں میں سے کسی وادی میں رہتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اپنے رب کی بندگی کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسے موت آجاتی ہے اور وہ سوائے بھلائی کے لوگوں کے کسی جھگڑے میں نہیں ہوتا۔ (مسلم)

(۴۱۶)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو (ثواب میں) جہاد کے برابر ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں تو کوئی ایسا عمل نہیں پاتا (پھر اس شخص سے) فرمایا کہ کیا تو ایسے کر سکتا ہے کہ جب مجاہد (جہاد کے لیے) نکلے تو تُو اپنی مسجد میں داخل ہو جائے اور نماز پڑھتا رہے اور سست نہ ہو اور روزے رکھے جائے، کسی دن روزہ نہ چھوڑے، اس شخص نے عرض کیا کہ (حضورؐ) ایسے کون کر سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب مجاہد کا گھوڑا اپنی ڈھیلی چھوڑی ہوئی رسّی میں بندھا چھلانگیں مارتا ہے (یا چلتا پھرتا ہے) تو مجاہد کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (بخاری)

تشریح:- حضورؐ کی مراد یہ تھی کہ اگر جہاد کے برابر ثواب لینا ہو تو پھر مسلسل نماز پڑھی جائے اور مسلسل روزے رکھے جائیں اور ایسا کرنا چونکہ انسان کے بس میں نہیں اس لیے مطلب یہ نکلا کہ کوئی عمل ایسا نہیں جو جہاد کے برابر ثواب لا سکے۔ حدیث کے آخر میں حضرت ابوہریرہؓ کا جو فرمان بیان ہوا ہے اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جہاد اتنا بڑا عمل ہے کہ مجاہد کا گھوڑا بطور خود ہی اگر چل پھر رہا ہوگا یا چھلانگیں مار رہا ہوگا تو بھی مجاہد کو نیکیاں ملتی جائیں گی۔ واضح رہے کہ جہاد کے سلسلے میں گھوڑوں تیروں اور تلواروں وغیرہ کے ذکر سے مراد سامانِ جنگ

اور آلاتِ جنگ ہیں۔ ظاہر ہے کہ آج کل کے زمانے میں گھوڑوں پر چڑھ کر تیروں سے جنگ نہیں کی جاتی۔ لہذا جو سامانِ جنگ بھی استعمال کیا جاتا ہے وہی مراد ہو گا۔ جو مضمون اس حدیث میں بیان ہوا ہے وہ آئندہ آنے والی حدیث میں بھی ہے۔

۴۱۷

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے حضورؐ نے فرمایا کہ تم لوگ اس عمل کو کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ صحابہؓ نے حضورؐ سے دو یا تین مرتبہ یہ سوال کیا مگر حضورؐ نے یہی فرمایا کہ تم لوگ اس عمل کو کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اور تیسری دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو ہمیشہ روزے سے رہے، رات بھر عبادت کرتا رہے، اللہ کے احکام کی تعمیل میں مصروف رہے، (روزے اور نماز (میں مسلسل مصروف رہے، ان) سے (ذرا بھی) سست نہ ہو یہاں تک کہ مجاہد فی سبیل اللہ (جہاد سے) واپس لوٹ آئے۔ (مسلم)

تشریح:۔ چونکہ اس طرح مسلسل عبادت واطاعت میں مصروف رہنا انسان کے بس میں نہیں اس لیے حضورؐ نے فرمایا کہ لوگوں میں اس عمل کو کرنے کی استطاعت نہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو سکتا ہو۔

۴۱۸

حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ اُحُد کے دن میں نے رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلّم کی دائیں جانب اور بائیں جانب دو شخصوں کو دیکھا جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ بعد میں یعنی جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام (مسلم)

تشریح: یعنی جب حضورؐ جہاد فرما رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امداد کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا تھا۔ اس حدیث میں ایک طرف تو خود حضورؐ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف عمل جہاد کی فضیلت کا۔

۴۱۹

حضرت معاذؓ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس مسلمان شخص نے اونٹنی کے دو دفعہ دودھ دوہنے جانے کے درمیانی وقفے کے وقت کے برابر بھی جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی اور جسے اللہ کی راہ میں زخم لگا یا کوئی دکھ پہنچا تو وہ زخم یا دکھ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ (دنیا میں) اس میں سے جتنا خون بہہ رہا تھا اس سے زیادہ بہتا ہو گا۔ اس کا رنگ زعفران جیسا ہو گا اور اس کی خوشبو مشک کی خوشبو جیسی ہو گی۔ (ترمذی)

۴۲۰

ابو نجیح سلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فرماتے سنا کہ جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر مارا اس کے لیے غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہے۔ (ترمذی)

تشریح:۔ حدیث ۴۱۶ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

۴۲۱

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس طرح مر گیا کہ نہ اُس نے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے دل کے ساتھ کبھی اللہ کی راہ میں لڑنے کے بارے میں بات کی تو وہ ایک قسم کے نفاق پر مرا۔
(ابوداؤد)

تشریح :- یعنی جس شخص نے نہ کبھی جہاد کیا، نہ کبھی جہاد کرنے کی نیت کی نہ کبھی اس کے بارے میں سوچا تو گویا اس شخص میں نفاق کی ایک قسم تھی جسے لیے ہوئے وہ مر گیا۔

۴۲۲

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن دو شخصوں کے حال پر ہنستا ہے (یعنی تعجب فرماتا ہے) جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کرتا ہے (مگر) دونوں جنت میں جاتے ہیں۔ ایک (تو اس لیے جنت میں جاتا ہے کہ وہ) اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور پھر مقتول ہو جاتا ہے۔ پھر (دوسرا یعنی) قاتل (اس لیے جنت میں جاتا ہے کہ وہ اللہ کے حضور میں توبہ کرتا ہے تو اس) کی توبہ اللہ قبول کر لیتا ہے۔ اور پھر وہ بھی (خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور) شہید ہو جاتا ہے۔ (لہٰذا قاتل و مقتول ہونے کے باوجود دونوں جنت میں جاتے ہیں)
(بخاری)

۴۲۳

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم (ایک سفر میں) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم میں سے سب سے زیادہ سایہ اس شخص پر تھا جو اپنی چادر سے سایہ کئے ہوئے تھا (باقی لوگوں پر اتنا سایہ بھی نہ تھا۔ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوا تھا اور کچھ نے نہیں رکھا تھا) جو لوگ روزے سے تھے انہوں نے تو کوئی کام نہ کیا۔ اور جو روزے سے نہیں تھے انہوں نے اونٹوں کو اٹھایا (ان پر پانی بھر بھر کر لائے) اور خدمت کی اور محنت و مشقت کے کام سرانجام دیے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج تو روزہ نہ رکھنے والے ثواب لے گئے۔ (بخاری)

تشریح :۔ اس حدیث میں درحقیقت جہاد کے دوران خدمت کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا انہوں نے بہت خدمت کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ آج تو یہ روزہ نہ رکھنے والے لوگ ثواب لے گئے۔

۴۲۴

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ کے ذمے یہ وعدہ ہے کہ وہ اُسے جنت میں داخل کرے گا۔ چاہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اسی سرزمین میں بیٹھا رہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ (یہ بھی جان لو کہ) جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ اور ہر دو درجوں میں باہم اتنا فرق ہے

جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے، پس جب تم اللہ سے مانگو تو اس سے فردوس مانگا کرو کیونکہ وہ جنت کا افضل اور اعلیٰ حصہ ہے (حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ (حضورؐ نے اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ) اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور یہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ (بخاری)

تشریح:۔ اس میں بھی درحقیقت جہاد کی بے پناہ فضیلت ہی کا بیان ہے جب حضورؐ نے فرمایا کہ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے اور نماز قائم کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے سے جنت مل جائے گی تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری سُنا دیں کہ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور نماز قائم کرنے اور فرض روزے رکھنے سے بھی جنت مل جاتی ہے، جہاد کرنا ضروری نہیں تو پھر حضورؐ نے جہاد کی بے پناہ فضیلت کا بھی ذکر فرما دیا تاکہ سُننے والوں کے دلوں میں اس فضیلت کے حاصل کرنے کا اشتیاق پیدا ہو اور وہ جہاد کے مشتاق ہو جائیں۔

۴۲۵

ابو بُرَیدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہدوں کی عورتوں کی حرمت گھر بیٹھنے والوں کے لیے ایسے ہی ہے جیسے ان کی ماؤں کی حرمت۔ اور جو گھر بیٹھنے والا کسی مجاہد کے قائم مقام کی حیثیت سے اس کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کر رہا ہو (اور پھر ان کے معاملے میں کوئی خیانت کرے) اسے قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد سے کہا جائے گا کہ یہ شخص تیرے اہل و عیال میں تیرا قائم مقام تھا (اور اس نے اس معاملے میں خیانت سے کام لیا۔) پس تو اس کی نیکیوں میں سے جتنی چاہے لے لے پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کا کیا خیال

ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح :۔ حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ "تم لوگوں کا کیا خیال ہے" اس سے حضورؐ کی مراد یہی معلوم ہوتی ہے کہ تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ وہ کتنی نیکیاں لے گا یعنی سبھی نیکیاں لے لے گا۔ اور اس خائن کے پاس کچھ باقی نہ رہے گا۔ اس حدیث میں بہت بڑی وعید ہے ایسے شخص کے لیے جو مجاہد کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں کے معاملے میں کسی خیانت کا ارتکاب کرے۔

جہاد کی تیاری :

سورۃ الانفال آیت ۶۰ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے "اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو، تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس سامانِ جنگ اور ایک مستقل فوج ہر وقت تیار رہنی چاہیئے تاکہ بوقت ضرورت فوراً جنگی کارروائی کر سکو اور تاکہ تمہاری فوجی طاقت کے مضبوط ہونے کے باعث دشمن تم پر حملہ کرنے سے ڈرتے رہیں جب کسی قوم کی جنگی طاقت کمزور ہو تو دوسرے لوگ اسے تر نوالہ سمجھ کر اس طمع میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اس پر چڑھ دوڑیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ کسی قوم کے دشمن صرف وہی نہیں ہوتے جو علانیہ دشمنی کر رہے ہوتے ہیں بلکہ وہ بھی ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی دشمنی کا اعلانیہ اظہار نہیں کیا ہوتا لیکن جب وہ اسے کمزور دیکھیں گے تو پھر اس چھپی ہوئی دشمنی کا اظہار بھی کر لیں گے۔ اور اس کمزور قوم کو زیر کر لینے کی حرص میں مبتلا ہو جائیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کو تلقین فرمائی گئی ہے کہ اپنی جنگی طاقت کو مضبوط رکھیں تاکہ اعلانیہ دشمنی کرنے والے بھی اور وہ بھی جنہوں نے اپنی دشمنی کو ابھی چھپایا ہوا ہے مرعوب رہیں

اور تمہاری آزادی اور خود مختاری کی طرف بُری نگاہ سے دیکھنے کی جرأت بھی نہ کرسکیں۔

۴۲۶

حضرت عُقبہؓ بن عامر جُہنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے سُنا کہ تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ قوت کافروں کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو۔ (نیز فرمایا کہ) آگاہ رہو کہ قوت تیر اندازی ہے، آگاہ رہو کہ قوت تیر اندازی ہے، آگاہ رہو کہ قوت تیر اندازی ہے!

(ابو داؤد)

تشریح:۔ جس وقت حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس وقت تیر اندازی بہت بڑی جنگی قوت تھی۔ ظاہر ہے کہ اب تو تیر نہیں چلائے جا سکتے۔ لہٰذا جو بھی وقت کا مؤثر ترین اسلحہ ہوگا اُسی کی مشق رکھنا قوت ہوگا۔

۴۲۷

حضرت عُقبہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ عنقریب تمہارے ہاتھوں پر کئی ملک فتح ہوں گے اور اللہ تم لوگوں کے لیے کافی ہے۔ پس تم میں سے کوئی اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنا (یعنی تیر اندازی کی مشق کرنا) نہ چھوڑے۔ (مسلم)

تشریح: حضورؐ کی کئی احادیث ہیں جن میں آپؐ نے تیر اندازی کی مشق کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ مراد یہی ہے کہ اسلحہ چلانے کی مشق جاری رکھی جائے۔ اس زمانے میں جب تلوار سے بہت کام لیا جاتا تھا تیر اندازی کا خاص فائدہ یہ ہوتا تھا کہ انسان دور ہی سے اپنے دشمن پر وار کرسکتا تھا اس کے

برعکس تلوار اسی وقت چلائی جا سکتی تھی جب دشمن قریب ہوتا تھا۔ موجودہ زمانے کے آلات جنگ میں سے اکثر و بیشتر ایسے ہی ہیں جو دور ہی سے دشمن کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ جہاد کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان مجاہد مؤثر ہتھیاروں کی مشق جاری رکھیں اور عوام الناس، جن سے ان پیچیدہ آلات کو چلانے میں ماہر ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی، دوسرے ایسے فنون کا ضروری علم حاصل کرتے رہیں جو جنگ کے دوران عوام کو اس قابل بنائیں کہ وہ جنگ جیتنے میں اپنا حصہ ادا کر سکیں۔ ذیل کی احادیث میں بھی حضورؐ نے تیر اندازی کی مشق کرنے کی تلقین فرمائی ہوئی ہے۔

۴۲۸

حضرت سلمہؓ بن اکوع بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (قبیلۂ بنو) اسلم کے کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو ایک دوسرے کے مقابلے میں تیر اندازی کر رہے تھے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اولاد اسمٰعیلؑ تیر اندازی کرو اور میں فلاں قبیلے کے ساتھ ہوں۔ اس پر دونوں فریقوں میں سے ایک فریق نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ تیر اندازی نہیں کر رہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم کیسے تیر اندازی کریں جب کہ آپؐ اس دوسرے گروہ کے ساتھ ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اچھا) تم تیر اندازی کرو۔ میں تم سب لوگوں کے ساتھ ہوں۔ (بخاری)

۴۲۹

حضرت عُقبہؓ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کو فرماتے سُنا کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے باعث تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرماتا ہے۔ (ایک) اس کے بنانے والے کو جو اس کو بنانے میں ثواب کی امید رکھتا ہو (دوسرے) اس کو چلانے والے کو اور (تیسرے) تیر انداز کے ہاتھ میں تیر پکڑانے والے کو۔ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم تیر اندازی کیا کرو اور سواری کیا کرو (یعنی تیر اندازی اور شہسواری سیکھو اور اس کی مشق جاری رکھو) اور تمہاری شہسواری کرنے کی نسبت تمہارا تیر اندازی کرنا مجھے زیادہ محبوب ہے (نیز حضورؐ نے فرمایا کہ) کوئی کھیل (پسندیدہ) نہیں سوائے تین کھیلوں کے (ایک) آدمی کا اپنے گھوڑے کو سدھانا اور (دوسرے) اس کا اپنی بیوی سے کھیلنا اور (تیسرا) اس کا اپنی کمان اور اپنے تیر سے تیر اندازی کرنا۔ اور جس نے تیر اندازی سیکھ کر پھر اس سے بے رغبتی کر کے اسے چھوڑ دیا (تو اس نے غلط کام کیا کیونکہ) تیر اندازی (کا آنا) تو ایک نعمت ہے جس کو اس نے چھوڑ دیا۔ یا حضورؐ نے یہ فرمایا کہ (تیر اندازی آنا تو ایک نعمت ہے۔ اور اس کو ترک کر کے) اس نے اس نعمت کا کفران (یعنی ناشکری) کی۔ (ابو داؤد)

۴۳۰

حضرت حارثؓ بن یزید بکری بیان کرتے ہیں کہ میں مدینے آیا اور مسجد (نبوی) میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ لوگوں سے بھری ہوئی ہے اور کالے جھنڈے لہرا رہے ہیں اور بلالؓ گلے میں تلوار لٹکائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ لوگوں کا کیا حال ہے۔ حاضرین نے بتایا کہ حضورؐ حضرت عمروؓ بن عاص کو (جہاد کے لیے) کہیں بھیج رہے ہیں۔

(ترمذی)

شرکت جہاد کے طریقے :

۴۳۱

عبدالرحمٰن بن ابی حسین بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے باعث تین شخصوں کو جنت میں داخل کرے گا (ایک اسے جو تیر بنائے اور اسے بنانے سے ثواب کی نیت رکھے اور (دوسرے اُسے جو (اللہ کی راہ میں) تیر چلائے اور (تیسرے اُسے) جو اس تیر کو چلانے والے کی امداد کرے (مثلاً اُسے تیر پکڑاتا جائے وغیرہ۔ اور) حضورؐ نے فرمایا کہ (اے مسلمانو) تم تیر اندازی کرو اور شہسواری کرو اور یہ کہ تم تیر اندازی کرو مجھے زیادہ محبوب ہے تمہارے شہسواری کرنے سے۔ (اور حضورؐ نے یہ بھی) فرمایا کہ ہر کھیل جو مسلمان مرد کھیلتا ہے لغو ہے۔ سوائے (ان تین کھیلوں کے یعنی) کمان سے تیر اندازی کرنا اور (جہاد کے لیے) اپنے گھوڑے کو سدھانا اور اپنے گھر والوں کے ساتھ کھیلنا۔ بے شک یہ (کھیل) کار آمد ہیں۔ (ترمذی)

تشریح:۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ثواب کا مستحق صرف وہی نہیں جو میدانِ جہاد میں عملاً لڑ رہا ہے بلکہ جہاد کو کامیاب بنانے کے لیے جو شخص جس قسم کی خدمت بھی انجام دے گا وہ اجر کا مستحق ہوگا۔ موجودہ زمانے کے مہلک ہتھیاروں کے باعث جنگ کا میدان بہت زیادہ پھیل چکا ہے صرف میدانِ جنگ میں لڑنے والی سپاہ ہی ہلاک ہو جانے کے خطرے میں مبتلا نہیں ہوتی بلکہ عام شہری بھی ہر وقت بمباری کی زد میں ہوتے رہیں۔ اس صورتِ حالات نے فوجیوں کے علاوہ عام پبلک کو بھی یہ موقع بہم پہنچا دیا ہے۔ کہ وہ جہاد کو کامیاب بنانے کے لیے مختلف انواع کی خدمات سرانجام دے سکے

اسلحہ بنانا، مجاہدوں کو اسلحہ اور دوسری ضروریات کا سامان باقاعدگی سے بہم پہنچانا، گاڑیاں وغیرہ چلانا، مجاہدوں کے کھانے پینے وغیرہ کا بندوبست کرنا، زخمیوں اور بیماروں کا علاج معالجہ کرنا، عوام کو ہوائی حملوں سے بچنے کی تدابیر سمجھانا، جہاد کے لیے پیسہ فراہم کرنا، جہاد کے فنڈ میں مالی امداد دینا، مجاہدین کے گھربار اور بچوں کی حفاظت کرنا اور ان کے کام کرنا، یہ اور دوسرے بے شمار ایسے کام ہیں جو جہاد کو کامیاب بنانے کے لیے کیے جا سکتے ہیں اور اجر کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے تیر، تلوار، گھوڑوں وغیرہ سے مراد وہ سامانِ جنگ اور اسلحہ جنگ ہے جو جہاد کے وقت مؤثر اور مفید ہو۔ حدیث کے آخر میں جن تین کھیلوں کی تعریف فرمائی گئی ہے ان میں سے پہلے دو جہاد کو کامیاب بنانے میں مددگار ہوتے ہیں اور تیسرا اکٹھے زندگی گزارنے والوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کا باعث ثابت ہوتا ہے۔

ذیل کی احادیث میں بھی وہ مختلف طریقے بیان ہوئے ہیں جن سے کام لے کر انسان جہاد میں شریک ہو سکتا ہے۔

۴۳۲

حضرت زیدؓ بن خالد بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو سامان تیار کر دے تو (گویا) اس نے خود جہاد کیا اور جو جہاد کرنے والے کے پیچھے اس کے گھربار کی عمدہ طور پر خبرگیری کرے تو (گویا) اس نے خود جہاد کیا۔ (بخاری)

۴۳۳

حضرت واثلہؓ بن اسقعؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

غزوۂ تبوک کی منادی کروائی (تاکہ سب کو پتہ چل جائے کہ جہاد کے لیے تبوک کی طرف جانا ہے اور مجاہدین جمع ہو جائیں) میں اپنے گھر کی طرف گیا، پھر وہاں سے لوٹا تو (دیکھا کہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے صحابہؓ جا چکے تھے میں دگھرا گیا اور) مدینے میں پکارنے لگا کہ کوئی ہے جو ایک شخص کو سوار کر لے اور (اس کے عوض میں) مال غنیمت میں سے اسے ملنے والا حصہ لے لے؟ اس پر ایک بوڑھے انصاری پکارے کہ ہم اس کا حصہ لیں گے اس شرط پر کہ ہم اسے باری باری سوار کریں گے (یعنی کچھ دیر ہم سوار ہوں گے۔ پھر وہ ہوگا، پھر ہم ہوں گے، پھر وہ ہوگا وغیرہ) اور اس کا کھانا بھی ہمارے ہی ساتھ ہوگا۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے (مجھے منظور ہے) انہوں نے کہا کہ اچھا پھر چل اللہ تعالیٰ کی برکت پر بھروسہ کرتے ہوئے پس میں بڑے اچھے ساتھی کے ساتھ نکلا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غنیمت کا مال عطا فرمایا۔ اور میرے حصے میں کچھ جوان اونٹنیاں آئیں۔ میں انہیں ہانک کر ان انصاری کے پاس لے گیا۔ وہ باہر نکلے اور اپنے اونٹ کے پچھلے حصے پر بندھی ہوئی خوراک کی تھیلیوں میں سے ایک تھیلی پر (یا رسیوں میں سے ایک رسی پر) بیٹھ گئے۔ پھر کہا کہ ہانک ان اونٹنیوں کو میری طرف پشت کر کے۔ پھر کہا کہ ہانک ان کو میری طرف منہ کر کے۔ پھر کہا کہ میرے خیال میں تمہاری یہ اونٹنیاں عمدہ ہیں میں نے کہا کہ یہ تو آپ کا مال غنیمت ہے جس کی کہ میں نے آپ کے ساتھ شرط کی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ اے میرے بھتیجے اپنی اونٹنیاں لے جا۔ ہمارا ارادہ تمہارا حصہ لینے کا نہ تھا (بلکہ جہاد میں سواری مہیا کر کے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا تھا)

(ابوداؤد)

باب ۱۴

شہادت

شہادت کی فضیلت :

(۴۳۴)

حضرت ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی (جنگِ) اُحد کے دن شہید کیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دیا۔ وہ جنّت کی نہروں پر آتی ہیں (اور) اس کے میوے کھاتی ہیں اور سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں جو عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں۔ پس جب ان روحوں نے اپنے کھانے اور اپنے پینے اور اپنے سونے کی خوشی حاصل کی تو انہوں نے کہا کہ کون ہے جو ہمارے بھائیوں کو ہماری طرف سے پیغام پہنچائے کہ ہم بہشت میں زندہ ہیں اور ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ جہاد میں بے رغبتی نہ کریں۔ اور جنگ کے وقت پیچھے نہ ہٹیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کی طرف سے (یہ پیغام) ان تک پہنچاؤں گا۔ چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے (یہ آیات) نازل فرمائیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ط اِلٰی آخِرِ الآیات

(جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مُردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں، جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش وخرم ہیں۔ اور مطمئن ہیں کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں نہیں پہنچے ہیں ان کے لیے بھی کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے، وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں وفرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔(آل عمران آیات ۱۶۹ تا ۱۷۱)　　(ابوداؤد)۔

۴۳۵

حضرت مقدامؓ بن مَعدِیکرب بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں شہید کی چھ صفات ہیں (اور وہ یہ ہیں کہ) خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اُسے بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں اُسے اس کا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔ اور اُسے قبر کے عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ (قیامت کے دن کی) بڑی گھراہٹ سے مامون رہتا ہے اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا ومافیہا سے بہتر ہے اور بڑی بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے اس کی شادی کی جائے گی اور اس کے ستّر رشتے داروں کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (ترمذی)

۴۳۶

حضرت ابواُمامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ کے نزدیک کوئی شے دو قطروں اور دو نشانوں سے بڑھ کر محبوب نہیں۔ ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف کے باعث ٹپکے اور دوسرے خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے۔ اور جہاں تک دو نشانوں کا تعلق ہے تو ایک وہ نشان جو اللہ کی راہ میں (زخم وغیرہ لگنے سے) رہ جائے اور دوسرے وہ نشان جو خدا کے عائد کردہ فرائض میں سے کسی فرض کو ادا کرنے کے باعث پڑ جائے (مثلاً جیسے نماز پڑھنے سے پیشانی پر گٹہ پڑ جاتا ہے وغیرہ) (ترمذی)

۴۳۷

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ شہید کو قتل ہونے سے اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی کو چیونٹی یا مچھر کے کاٹنے سے ہوتی ہے (یعنی بہت کم تکلیف ہوتی ہے) (ترمذی)

۴۳۸

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میرے والد قتل کیے گئے تو میں ان کے چہرے سے کپڑا اٹھانے اور رونے لگا اور لوگ مجھے اس سے منع کرتے تھے مگر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم مجھے منع نہیں فرماتے تھے۔ پھر میری پھوپھی فاطمہ رونے لگیں تو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم روؤ یا نہ روؤ فرشتے اپنے پروں سے مسلسل اس پر سایہ کیے رہے۔ یہاں تک کہ تم لوگوں نے اسے اٹھایا۔

(بخاری)

۴۳۹

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جو ہتھیاروں سے خوب لیس تھا (یا جس کا سر لوہے کے خود سے ڈھکا ہوا تھا) اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا میں (پہلے) جہاد کروں یا اسلام لے آؤں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ پہلے اسلام لا اور پھر جہاد کر۔ لہٰذا وہ مسلمان ہوگیا اور پھر جہاد کرنے لگا۔ اور شہید ہوگیا۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے کام تو کم کیا مگر ثواب بہت زیادہ پائے گا۔ (بخاری)

تشریح:۔ کام اس طرح کم کیا کہ اسلام لانے کے بعد ابھی زیادہ اعمال کرنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کہ دنیا سے چلا گیا لہٰذا کام کم کیا مگر چونکہ دنیا سے رخصت ہوا شہید ہو کر اس لیے ثواب بہت زیادہ پائے گا۔ یعنی اسلام لانے کے بعد صرف شہادت کے عمل ہی نے ان شہید کو بہت زیادہ ثواب کا مستحق بنا دیا۔

۴۴۰

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ البراء کی بیٹی ام الربیعؓ جو حارثہؓ بن سراقہ کی والدہ تھیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ اے خدا کے نبیؐ، آپؐ مجھے حارثہؓ کی کیفیت بتائیے۔ وہ بدر کے دن شہید ہوئے تھے، ایک نامعلوم تیر آ نہیں لگا تھا۔ (امّ حارثہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ) اگر تو وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں اور اگر ایسے نہیں ہے تو میں ان پر خوب آنسو بہاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اے حارثہؓ کی ماں، جنت

کے اندر بہت سی جنتیں ہیں اور بے شک تیرا (شہید) بیٹا تو فردوس اعلیٰ میں فروکش ہے۔ (بخاری)

۴۴۱

حضرت سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج رات میں نے دو آدمیوں کو خواب میں دیکھا۔ وہ میرے پاس آئے اور مجھے درخت پر چڑھا لے گئے اور مجھے ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو نہایت خوبصورت اور افضل تھا۔ میں نے اس سے زیادہ خوب صورت گھر کبھی بھی نہیں دیکھا تھا۔ (پھر) ان دونوں نے مجھے کہا کہ یہ مکان شہدا کا ہے۔ (بخاری)

۴۴۲

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں اپنی ازواج مطہرات کے گھروں کے علاوہ اور کسی گھر میں نہیں جاتے تھے سوائے حضرت ام سُلیمؓ کے گھر کے۔ آپؐ سے اس کے بارے میں بات کی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ام سلیمؓ پر رحم آتا ہے کیونکہ اس کا بھائی میرے ہمراہ (جہاد کرتے ہوئے) مقتول ہوا تھا۔ (بخاری)

۴۴۳

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد میں سے دو دو کو ایک ایک کپڑے میں جمع کرتے تھے پھر فرماتے

تھے کہ ان میں کون قرآن کو زیادہ یاد کرنے والا تھا پھر جب دونوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے حضورؐ کو بتایا جاتا تو آپؐ اُسے قبر میں پہلے رکھتے اور فرماتے کہ قیامت کے دن میں ان پر گواہ ہوں گا۔ اور آپؐ نے حکم فرمایا کہ اُن کو اُنکے خونوں سمیت دفن کر دیا جائے اور نہ انہیں غسل دیا گیا اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (بخاری)

۴۴۴

راشد بن سعد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسولُ اللہ، یہ کیا بات ہے کہ مومنوں کو تو قبر میں آزمایا جاتا ہے۔ مگر شہید کو نہیں آزمایا جاتا حضورؐ نے فرمایا کہ ان کے سروں پر تلوار کی چمک کافی آزمائش ہے۔ (یعنی وہ اللہ کی راہ میں تلوار کا لقمہ بن گئے یہی آزمائش کافی ہے۔ اب انہیں دوسری بار آزمانے کی کیا ضرورت ہے) (نسائی)

۴۴۵

عبدالرحمٰن بن ابی صَعصَعہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں خبر پہنچی کہ حضرت عمروؓ بن الجَمُوح انصاری سَلمی اور حضرت عبداللہؓ بن عمرو انصاری سَلمی (جو شہید ہوئے تھے) پانی کے بہاؤ نے ان کی قبر کو اکھاڑ دیا تھا۔ ان کی قبر پانی کے بہاؤ کے قریب تھی اور دونوں ایک ہی قبر میں مدفون تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو جنگ اُحد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی میتیں کسی اور جگہ دفن کی جائیں دیکھا تو ان کی لاشوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی گویا کہ انہوں

نے کل ہی شہادت حاصل کی ہو۔ ان میں سے ایک زخمی ہوئے تو انہوں نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھ لیا تھا۔ جس وقت انہیں دفن کیا گیا تو وہ ویسے ہی تھا پس ان کے ہاتھ کو وہاں سے ہٹایا گیا پھر چھوڑ دیا گیا تو ہاتھ پھر وہیں آ لگا۔ جس دن دونوں بزرگوں کی قبر کھودی گئی جنگ اُحد کو چھیالیس سال گزر چکے تھے۔ (موطا)

شوقِ شہادت :

قرآن وحدیث میں شہادت کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے اس کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو جانے کے بے انتہا مشتاق ہوتے تھے۔ یہ بندے کی بندگی کی معراج ہے کہ وہ اپنی سب سے زیادہ پیاری چیز یعنی جان کو بھی اپنے خالق و مالک کے حضور میں نذرانہ کر دے۔ اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے۔ خود حضورؐ بھی اس بات کو بہت محبوب رکھتے تھے کہ خدا کی راہ میں جان دے دیں۔

(۴۴۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جنت میں داخل ہو جاتا ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوٹ کر دنیا کی طرف آئے چاہے اُسے سطح زمین کی ہر شئے مل جائے۔ البتہ شہید کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ لوٹ کر دنیا کی طرف آئے اور دس مرتبہ قتل کیا جائے کیونکہ وہ (شہادت کی) فضیلت دیکھ چکا ہوتا ہے۔ (بخاری)

(۴۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اس بات کو بہت محبوب رکھتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں لڑوں ۔ پھر قتل کیا جاؤں ۔ پھر زندہ کیا جاؤں ۔ پھر قتل کیا جاؤں ۔ پھر زندہ کیا جاؤں ۔ پھر قتل کیا جاؤں (اس حدیث کے راوی) حضرت ابوہریرہؓ (یہ حدیث بیان کر کے) تین بار کہتے کہ میں خدا کو گواہ ٹھہراتا ہوں (اس بات پر کہ حضورؐ نے ایسے ہی فرمایا) (موطا)

۴۴۸

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک گھرانے بنو نبیت کا ایک شخص (حضورؐ کی خدمت میں) آیا اور کہا کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اس کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں) پھر وہ آگے بڑھا اور جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے کام تو تھوڑا کیا مگر اجر بہت زیادہ پایا۔ (مسلم)

تشریح :۔ حدیث ۴۳۹ کی تشریح دیکھ لی جائے۔

کون کون لوگ شہید ہوتے ہیں :

عام طور پر تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ شہید وہی ہے جو اللہ کی راہ میں مارا جائے مگر بعض اور لوگ بھی ایسے ہیں جنہیں حضورؐ نے شہید کا لقب عطا فرمایا ہے۔ مثلاً

۱۔ جو طاعون سے مرے۔

۲۔ جو ڈوب کر مرے۔

۳۔ جو پیٹ کے مرض سے مرے۔

۴۔ جو کسی دیوار یا مکان کے گر جانے کے باعث دب کر مر جائے۔

۵۔ جو اپنی جان کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے۔
۶۔ جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔
۷۔ جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔
۸۔ جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوئی کام کر رہا تھا کہ موت نے آ لیا وغیرہ۔

واضح رہے کہ یہ لوگ ان معنوں میں شہید ہیں کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں شہیدوں کا سا ثواب عطا فرمائے گا۔ باقی دنیا میں راہ خدا جان دینے والے شہیدوں کو جو اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ انہیں غسل اور نماز جنازہ کی حاجت نہیں ہوتی وہ ان لوگوں کے معاملے میں نہیں، انہیں غسل بھی دیا جائے گا اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائیگی۔

۴۴۹

سُہَیل (بن ابی صالح) اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے باپ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں ۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے میں سے شہید کسے سمجھتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ جو خدا کی راہ میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس صورت میں تو پھر میری امت میں شہیدوں کی تعداد کم ہو گی۔ صحابہ رضؓ نے پوچھا کہ یا رسولؐ اللہ پھر شہید کون (کون لوگ ہوتے) ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں مر جائے (یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کوئی کام کر رہا تھا کہ موت آ گئی) تو وہ (بھی) شہید ہے۔ اور جو طاعون سے مرے وہ بھی شہید ہے۔ اور جو پیٹ کی بیماری سے مرے وہ بھی شہید ہے۔ (ایک راوی) ابن مقسم نے (اس حدیث کے راوی) سُہَیل سے کہا کہ میں اس حدیث کے بارے میں تیرے باپ پر گواہی دیتا ہوں کہ انہوں

نے (یہ حدیث بیان کرتے ہوئے یہ بھی) کہا کہ جو ڈوب کر مرے وہ بھی شہید ہے۔ (مسلم)

۴۵۰

حفصہ بنت سیرین بیان کرتی ہیں کہ حضرت انسؓ بن مالک نے مجھ سے پوچھا کہ یحییٰ بن ابی عمرہ نے کس بیماری سے انتقال کیا تھا۔ میں نے بتایا کہ طاعون سے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے۔ (مسلم)

۴۵۱

حضرت معاذؓ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صدقِ دل سے اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے کی دعا کی، اللہ اسے شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔ (ترمذی)

۴۵۲

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہید پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔ (ایک) جو طاعون کے مرض سے مرے (دوسرے) جو پیٹ کے مرض سے مرے (تیسرے) جو ڈوب کر مرے (چوتھے) وہ جو دیوار یا مکان گر پڑنے سے مرے اور (پانچویں) جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے۔ (بخاری)

۴۵۳

حضرت سعیدؓ بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ اور جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے اور جو کوئی اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ اور جو کوئی اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہے۔ (ترمذی)

باب ۱۵

مجاہدین کے ضروری اوصاف

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی تاکید اور فضیلت کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو خوش قسمت لوگ اس معزز کام کا بیڑا اٹھائیں ان میں کیا خاص خاص اوصاف ہونے ضروری ہیں تاکہ ان کا عمل ان کے لیے زیادہ سے زیادہ اعزاز اور اجر و ثواب کا باعث بنے۔ مجاہدین کے ضروری اوصاف حسب ذیل ہیں:

۱۔ خلوص، یعنی ان کا جہاد کرنا خالص خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ہو، کسی مادی فائدے کے لیے نہ ہو۔

۲۔ شوق آخرت۔

۳۔ شجاعت اور صبر و استقامت۔

۴۔ مال غنیمت کے معاملے میں دیانت داری۔

۵۔ ظلم سے پرہیز۔

۶۔ اطاعت امیر وغیرہ۔

آئندہ صفحات میں بیان کردہ احادیث ان ضروری صفات پر روشنی ڈال رہی ہیں۔

خلوص !

۴۵۴

حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ ایک شخص حمیت کی خاطر لڑتا ہے اور دوسرا شجاعت کے لیے لڑتا ہے اور کوئی (اور) دکھاوے کے لیے لڑتا ہے تو ان میں کون خدا کی راہ میں لڑنے والا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص اس لیے لڑے کہ خدا کا کلمہ ہی بلند ہو (صرف) وہ خدا کی راہ میں لڑنے والا ہے (حمیت، شجاعت اور دکھاوے کے لیے لڑنے والے خدا کی راہ کے مجاہد نہیں ہیں) (بخاری)

تشریح :۔ اس حدیث میں واضح فرما دیا گیا ہے کہ خدا کی راہ کا مجاہد صرف وہ ہے جو خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے لڑے۔ بلاشبہ مجاہد کو مالی فائدہ بھی پہنچتا ہے، مگر مالی فائدہ پہنچ جانا ایک بات ہے اور مالی فائدے کو مقصود بنا کر لڑنا ایک بالکل دوسری بات ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ کو نہ لوگوں کی واہ واہ مطلوب ہوتی ہے نہ مال و دولت کا حصول۔ وہ تو صرف اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتا ہے اور خدا کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ پھر اسے عموماً دنیا کا اعزاز و اکرام بھی مل جاتا ہے۔ مگر یہ اعزاز و اکرام اس کا مقصود نہیں ہوتا وہ تو جب جہاد کے لیے نکلتا ہے تو جان دینے کے لیے نکلتا ہے، تعریف اور مال حاصل کرنے کے لیے نہیں نکلتا۔

۴۵۵

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ

ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور مقصد اس کا یہ ہوتا ہے کہ دنیا کا ساز و سامان حاصل کرے (تو کیا اسے اجر ملے گا) رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے اجر نہیں ملے گا۔ لوگوں کو یہ بات شاق گزری اور انہوں نے اس شخص سے کہا کہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پھر پوچھو۔ شاید تم نے حضورؐ کی بات کو سمجھا ہی نہ ہو۔ چنانچہ اس شخص نے (پھر) عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ایک شخص جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ کرتا ہے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ دنیا کا ساز و سامان حاصل کرے (تو کیا اُسے اجر ملے گا) حضورؐ نے (پھر) فرمایا کہ اس کو اجر نہیں ملے گا۔ (لوگوں کی اب بھی تسلی نہ ہوئی) انہوں نے اس شخص سے (پھر) کہا کہ تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر پوچھو چنانچہ اس نے تیسری دفعہ حضورؐ سے پوچھا تو حضورؐ نے (پھر بھی وہی) فرمایا کہ اس کو اجر نہیں ملے گا۔ (ابوداؤد)

(۴۵۶)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ (جہاد کے ایک سفر میں) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینے میں تم بعض ایسے لوگوں کو چھوڑ آئے ہو کہ جو مسافت بھی تم طے کرتے ہو یا جو کچھ بھی تم خرچ کرتے ہو یا جو وادی بھی قطع کرتے ہو ان (سب) میں وہ تمہارے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ وہ بھلا کیسے ہمارے ساتھ ہوتے ہیں جب کہ وہ مدینے میں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ انہیں کسی (جائز شرعی) عذر نے روک لیا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:۔ اس حدیث میں اور آگے آنے والی دو حدیثوں میں نیت کے خلوص کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص نے خلوص نیت سے جہاد کا ارادہ کیا ہو مگر کسی جائز شرعی عذر کے باعث جہاد پر نہ جا سکا ہو تو گویا وہ مجاہدین

کی ہر تنگ و دو میں شریک ہوتا ہے اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔

(۴۵۷)

سہل بن ابی امامہؓ بن سہل بن حنیف اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے صدق دل سے اللہ سے شہادت کی دعا مانگی اللہ تعالیٰ اُسے شہیدوں کے رتبے تک پہنچا دے گا چاہے وہ اپنے بستر ہی پر وفات پائے۔ (ترمذی)

(۴۵۸)

ابو مالک اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا، پھر مر گیا یا قتل کر دیا گیا تو وہ شہید ہے۔ یا اگر اس کے گھوڑے یا اس کے اونٹ نے اُسے کچل دیا، یا کسی زہریلے جانور نے اُسے کاٹ لیا یا وہ اپنے بچھونے ہی پر کسی ایسی موت سے مر گیا جو خدا نے چاہی تو (بھی) وہ شہید ہے اور اس کے لیے جنت ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح:- یعنی جو شخص خالص نیت سے اللہ کی راہ میں نکل کھڑا ہوا اس کی موت جس طرح بھی واقع ہو اپنی نیت کی بنا پر وہ شہید ہی ہوگا۔

شوقِ آخرت

آخرت کا شوق شجاعت اور ثابت قدمی کی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جنہیں واقعی اس بات کا سچا اشتیاق ہوگا کہ اپنی آخرت کی زندگی کو کامیاب بنائیں وہ عزت کی موت پر بے عزتی کی زندگی کو ترجیح نہیں دیں گے۔ لوگ ہتھیار کیوں ڈال

دیتے ہیں : صرف زندگی بچانے کے لیے اور تکلیفوں سے بچنے کے لیے۔ لیکن جس حقیقت شناس کو دل کی آنکھوں سے صاف نظر آ رہا ہو کہ اس عزت کی موت کے بعد جو دائمی زندگی میرا انتظار کر رہی ہے وہ اتنی ارفع و اعلیٰ ، اتنی آرام دہ اور اتنی پر مسرت ہے کہ اس عارضی دنیوی زندگی کا اور اُس کا آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں وہ کاہے کے لیے برتر کے بجائے کمتر کو اختیار کرنا چاہے گا۔ مجاہد چاہے وطن سے کتنا ہی دور کیوں نہ لڑ رہا ہو وہ جانتا ہے کہ بہشت اس کے بالکل قریب ہے۔ اس کے دل میں اس قریب والی بہشت کا اشتیاق جتنا زیادہ ہو گا اتنا ہی اس بات کا زیادہ امکان ہوگا کہ وہ اپنی شجاعت اور ثابت قدمی کے باعث دشمنوں کا منہ پھیر دے، اپنے دین و وطن کے لیے عزت کا باعث بنے اور اپنے دین کو سربلند کرنے میں کامیاب ہو۔ آخرت کا شوق مجاہد فی سبیل اللہ کا ایک لازمی وصف ہے۔

۴۵۹

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بُسَیسَہ (نامی شخص) کو جاسوس بنا کر بھیجا تاکہ دیکھے کہ ابوسفیان کا قافلہ کیا کر رہا ہے۔ جب وہ آیا تو گھر میں میرے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہ تھا (حضرت انسؓ کے شاگرد) ثابت نے بیان کیا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت انسؓ نے (حضور اور اپنے آپ کو مستثنیٰ کرتے وقت) حضورؐ کی کسی بیوی کو بھی مستثنیٰ کیا یا نہیں (غرضکہ) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر بُسَیسَہ نے حضورؐ کو (ابوسفیان کے قافلے کی ساری) بات بتائی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور (لوگوں سے) بات کی اور فرمایا کہ ہمیں ایک بات کی طلب ہے۔ لہٰذا جس کی سواری موجود ہو وہ ہمارے ساتھ سوار ہو جائے۔ بعض لوگ حضورؐ سے اجازت مانگنے

لگے کہ ہم مدینے کے بالائی حصے سے اپنی سواریاں لے آئیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں، بس وہی چلیں جن کی سواریاں یہاں موجود ہیں۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ چل پڑے۔ یہاں تک کہ مشرکوں سے پہلے بدر (کے علاقے میں) جا پہنچے اور (پھر) مشرک بھی آ گئے۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بغیر تم میں سے کوئی بھی کسی چیز کی طرف جانے میں پہل نہ کرے پھر مشرک قریب آ گئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اب) کھڑے ہو جاؤ اس جنت کی طرف (جانے کے لئے) جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ (حضورؐ کا یہ فرمان سن کر) حضرت عمیرؓ بن حمام انصاری نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ کیا جنت کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت عمیرؓ کہنے لگے "واہ واہ"! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ واہ واہ کیوں کہا ہے۔ حضرت عمیرؓ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم یا رسولؐ اللہ (میں نے یہ بات) صرف اس امید میں (کہی ہے) کہ میں بھی اہل جنت میں سے ہو جاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم اہل جنت ہی میں سے ہو۔ اس پر حضرت عمیرؓ نے اپنے ترکش میں سے کچھ کھجوریں نکالیں اور انہیں کھانے لگے پھر کہنے لگے کہ اگر میں اپنی ان کھجوروں کو کھانے تک زندہ رہا تو یہ تو بہت لمبی زندگی ہو جائے گی۔ چنانچہ جو کھجوریں ان کے پاس تھیں وہ انہوں نے پھینک دیں، پھر دشمنوں سے جہاد کرنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (مسلم)

۴۶۰

ابو بکر بن عبداللہؓ بن قیس اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے باپ دشمن کے سامنے تھے جب میں نے انہیں کہتے سنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں تلے ہیں۔ اس

پر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے ابوموسیٰ رضؓ کیا آپ نے (واقعی) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلمؐ کو ایسے فرماتے سُنا تھا؟ میرے والد نے فرمایا کہ ہاں۔ اس پر وہ شخص اپنے ساتھیوں کی طرف مُڑا اور کہا کہ میں تم لوگوں کو السلام علیکم کہتا ہوں (کیونکہ میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں) پھر اس نے اپنی تلوار کے نیام کو توڑ کر پھینک دیا۔ پھر اپنی تلوار لے کر دشمن کی طرف چل دیا اور تلوار چلاتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مسلم)

۴۶۱

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے (حضورؐ کی خدمت میں) عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ اگر میں قتل ہو جاؤں تو کہاں ہوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جنت میں۔ اس پر اس نے وہ چند کھجوریں جو اس کے ہاتھ میں تھیں پھینک دیں۔ پھر جنگ کرنے میں مصروف ہو گیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (مسلم)

سُوید کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے (یہ بات) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلمؐ سے جنگ احد کے دن کہی تھی۔ (مسلم)

۴۶۲

حضرت انسؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کچھ لوگوں کو بھیجئے جو ہمیں قرآن وسنت کی تعلیم دیں۔ چنانچہ حضورؐ نے انصار میں سے ستّر آدمیوں کو ان کے ساتھ کر دیا جنہیں "قاری" کہا جاتا تھا، انہیں میں میرے ماموں حضرت حرامؓ بھی تھے۔ یہ لوگ قرآن پڑھتے تھے۔ اور رات کو (قرآن کی) درس

تدریس اور (اس کا) علم حاصل کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ اور دن کے وقت پانی لاکر مسجد میں رکھتے اور لکڑیاں لاکر بیچتے اور اس سے کھانا خرید کر اہلِ صُفّہ اور محتاجوں کو کھلاتے۔ غرضیکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قاریوں کو ان لوگوں کے ساتھ بھیج دیا اور قبل اس کے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچتے وہ لوگ ان قاریوں کے سامنے آ گئے (یعنی ان پر حملہ کر دیا) اور انہیں قتل کر دیا۔ اس پر ان قاریوں نے کہا کہ اے خدا ہمارے نبیؐ کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم تجھے آملے ہیں اور ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔ ان قتل کرنے والوں میں سے ایک شخص حضرت انسؓ کے ماموں حضرت حرامؓ کے پاس ان کے پیچھے سے آیا اور انہیں ایک نیزہ بھونک دیا جو ان کے آر پار ہو گیا۔ اس پر حضرت حرامؓ نے پکارا کہ رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا! (ادھر) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ اے خدا ہمارے نبیؐ کو ہماری طرف سے یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم تجھے آملے ہیں اور ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے (یہ خبر حضورؐ کو حضرت جبرئیلؑ نے پہنچا دی تھی) (مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کا براہ راست میدان جنگ سے تو تعلق نہیں مگر! اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کیا جذبہ تھا جو ان لوگوں کے دلوں میں کارفرما تھا۔ حضرت حرامؓ کو جب نیزہ بھونکا گیا جو ان کے آر پار ہو گیا تو وہ پکار اُٹھے کہ "رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا" یعنی خدا کی راہ میں ختم ہو جانا ہی ان کے ہاں کامیابی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کے دلوں میں یہ جذبہ ہو گا تو پھر وہ کبھی یہ گوارا نہیں کریں گے کہ جان بچانے کی خاطر دشمن کے آگے ہتھیار ڈال کر دیں و وطن کی ذلت کا باعث بنیں بلکہ ان سے یہی توقع ہو گی کہ وہ اپنے سے دس بیس بلکہ اس سے بھی زیادہ گنا سپاہ کا منہ پھیر دیں گے۔ یا پھر میدان جہاد میں شہید ہو جائیں گے مگر جنگ سے بھاگ جانے کی رسوائی گوارا نہیں کریں گے۔

شجاعت :

اپنے ایمان اور عقیدہ آخرت کی مضبوطی اور خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گہری محبت کے باعث صحابۂ کرامؓ کی شجاعت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا وہ صحیح معنوں میں مجاہدین فی سبیل اللہ تھے اور مجاہدین کی یہ ضروری صفت یعنی بہادری اور دلیری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

(۴۶۳)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا (حضرت انسؓ بن نضر) جنگ بدر میں غیر حاضر تھے۔ وہ کہنے لگے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں پہلی جنگ (جو لڑی گئی اس) میں میں غیر حاضر رہا۔ اب اگر اللہ نے مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جنگ لڑنے کا کوئی موقع بخشا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں کیسی بھرپور کوشش کرتا ہوں۔ پھر وہ جنگ اُحد میں شریک ہوئے (اس جنگ میں مسلمانوں نے جیتنے کے بعد اپنی ایک غلطی کے باعث جنگ ہار دی تھی) پھر (جب) مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے تو حضرت انسؓ بن نضر نے کہا کہ اے خدا میں تیری بارگاہ میں معذرت کرتا ہوں اس عمل کی جو ان لوگوں یعنی مسلمانوں نے کیا ہے (کہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے ہیں) اور میں تیرے حضورؐ میں بے زاری ظاہر کرتا ہوں اس کام سے جو مشرکوں نے کیا ہے۔ پھر اپنی تلوار لے کر (میدان کی طرف) بڑھے تو انہیں حضرت سعدؓ بن معاذ ملے تو انہوں نے فرمایا کہ اے سعدؓ آپ کدھر (بھاگے) جا رہے ہیں مجھے تو اُحد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے پس وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے (اور زخموں کے باعث یہ حال تھا کہ) پہچانے نہ جاتے تھے یہاں تک کہ ان کی بہن نے انہیں ایک تل یا ان کی انگلیوں کے سروں سے پہچانا اور ان (کے جسم) پر نیزے اور تلوار اور تیروں

کے اسیؔ سے کچھ اوپر زخم تھے۔ (بخاری)

(۴۶۴)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جس دن حضرت جعفرؓ (بن ابی طالب) شہید ہوئے تو میں ان کے پاس کھڑا ہوا اور میں نے اُن (کے جسم) پر نیزے اور تلوار کے پچاسؔ زخم گنے ان میں سے کوئی بھی ان کی پشت پر نہیں لگا ہوا تھا۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ ہی سے روایت ہے کہ غزوۂ مُوتہ میں رسولِ خدا صلیؔ اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو (فوج کا) امیر بنایا اور رسول خدا صلیؔ اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ امیر بنیں۔ اور اگر جعفرؓ (بھی) شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رُواحہ امیر بنیں۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ اس غزوے میں مَیں بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا۔ ہم نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو تلاش کیا تو انہیں مقتول لوگوں میں پایا اور ہم نے اُن کے جسم پر نیزے اور تیروں کے نوّے سے کچھ اوپر زخم پائے۔ (بخاری)

تشریح: حدیث کے شروع میں نیزے اور تلوار کے پچاسؔ زخموں کا ذکر ہے جن میں سے کوئی بھی پشت پر نہ تھا اور حدیث کے آخر میں نوّے ۹۰ سے اوپر نیزے اور تیروں کے زخموں کا ذکر ہے جن میں معیّن نہیں کیا گیا کہ آیا یہ سب آگے ہی کی طرف تھے یا بعض پشت پر بھی تھے۔ لہٰذا علماء لکھتے ہیں کہ پچاس اور نوّے ۹۰ سے اوپر کے فرق کا یا تو یہ مطلب ہے کہ پچاس صرف آگے کی طرف تھے اور آگے اور پیچھے کے زخم ملا کر نوّے ۹۰ تھے۔ یا پھر یہ مطلب ہے کہ نیزے اور تلوار کے زخم پچاسؔ تھے اور نیزے اور تیروں کے زخم نوّے ۹۰ سے اوپر تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

۴۶۵

حضرت خالدؓ بن ولید بیان کرتے ہیں کہ جنگ مُوتہ میں میرے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں، صرف ایک یمنی چوڑی تلوار میرے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ (بخاری)

۴۶۶

حضرت سَلَمہؓ (بن اَکْوَع) بیان کرتے ہیں کہ (بیعت رضوان کے دن) میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور پھر ایک درخت کے سائے کی طرف چل دیا۔ جب (بیعت کرنے والے) لوگ کم ہو گئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ اے اکوع کے بیٹے کیا تم بیعت نہیں کرو گے۔ میں نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ میں تو بیعت کر چکا۔ آپ نے فرمایا کہ مکرر (نہیں کرو گے) لہٰذا میں نے حضورؐ سے دوسری دفعہ بیعت کی (اس حدیث کے ایک اور راوی بیان کرتے ہیں کہ) میں نے حضرت سلمہؓ بن اکوع سے کہا کہ اے ابو مسلمؓ آپ لوگ اس دن کس بات پر بیعت کر رہے تھے حضرت سلمہؓ نے فرمایا کہ موت پر (یعنی اس بات کا عہد کر رہے تھے کہ اللہ کی راہ میں مر جائیں گے) (بخاری)

۴۶۷

(ذیل کی چند احادیث سے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور دلیری کا حال معلوم ہوتا ہے۔ حضورؐ خود سب سے بڑے مجاہد فی سبیل اللہ تھے)

حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھے اور سب سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ (کسی خاص آواز کو سن کر) گھبرا گئے۔ لوگ اس آواز کی طرف چلے تو انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم واپس آتے ملے (کیونکہ آپؐ ان سب سے پہلے اس آواز کی طرف جا چکے تھے۔ آپؐ (اس وقت) حضرت ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر سوار تھے جو ننگی پشت تھا (اوپر زین وغیرہ نہیں تھی) اور اور آپؐ کے گلے میں تلوار (لٹک رہی) تھی۔ اور آپؐ فرما رہے تھے کسی قسم کا خوف نہیں، کسی قسم کا خوف نہیں۔ اور آپؐ نے (گھوڑے کی تیز رفتاری کی تعریف کرتے ہوئے) فرمایا کہ ہم نے تو اس گھوڑے کو سمندر پایا یا (یوں فرمایا کہ) یہ تو سمندر ہے۔ (پھر راوی نے کہا یا حضورؐ نے خود) فرمایا کہ یہ ایک ایسا گھوڑا تھا جو سست رفتاری میں مشہور تھا۔ (حضورؐ کے اس پر سوار ہونے کی برکت سے وہ تیز رفتار ہو گیا) (مسلم)

۴۶۸

(جنگ حنین میں مسلمان بنو ہوازن کے ساتھ لڑ رہے تھے جو تیر اندازی میں بہت ماہر تھے جنگ کے شروع کے مرحلے میں مسلمان ان کے تیروں کے سامنے نہ ٹھہرتے ہوئے بھاگ نکلے تھے، اگرچہ بعد میں فتح حاصل کر لی تھی)

حضرت براءؓ بن عازب سے کسی نے پوچھا کہ اے ابوعمارہؓ کیا آپ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے اس پر حضرت براءؓ نے (رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت اور ثابت قدمی کا ذکر شروع کر دیا اور) کہا کہ نہیں خدا کی قسم، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت نہیں پھیری تھی بلکہ لوگوں میں جو جلد باز تھے (انہوں نے پشت پھیری تھی کیونکہ) بنو ہوازن نے

ان پر سامنے سے تیر چلائے تھے (جن کی وہ تاب نہ لا سکے اور بھاگ نکلے اس وقت) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے۔ اور ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم (ثابت قدمی سے میدان جنگ میں کھڑے تھے۔ اور) فرما رہے تھے ۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

(بلاشبہ میں نبی ہوں اور میں عبد المطلب کا بیٹا یعنی پوتا ہوں)

(شمائل ترمذی)

صبر و استقامت :-

ویسے تو شجاعت اور صبر و استقامت کا چولی دامن کا ساتھ ہے تاہم جہاں تک الفاظ کے مفہوم کا تعلق ہے شجاعت یہ ہے کہ بہادری اور دلیری سے جنگ کی جائے اور صبر و استقامت یہ ہے کہ اس راہ میں جو تکالیف آنگی، محرومیاں، تلخیاں اور عارضی شکستیں آئیں ان کے آگے ہار مان کر فرار کی راہ اختیار نہ کی جائے بلکہ راہ کی رکاوٹیں کتنی ہی سخت کیوں نہ ہوں ۔ دشمن کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، اذیتیں کتنی ہی جان لیوا کیوں نہ ہوں اور عارضی ناکامیوں کی مدت کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے انسان ہمت نہ ہارے اور اپنے معزز مشن کو بیلنے سے لگائے جدوجہد کرتا چلا جائے ۔

(۴۶۹)

سالم ابو النضر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن ابی اوفیٰ نے لکھا تھا اور میں نے اسے پڑھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم دشمن کے مقابلے پر آؤ تو صبر (و استقامت) سے کام لو۔ (بخاری)

(۴۷۰)

سالم ابوالنضر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ نے مجھے ایک خط لکھا پس میں نے اسے پڑھا (اس میں لکھا تھا کہ) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے دوران میں ایک دن انتظار کیا یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا۔ پھر آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ اے لوگو، دشمن کے ساتھ جنگ ہونے کی تمنا نہ کیا کرو اور خدا سے عافیت مانگا کرو، لیکن جب ان سے جنگ ہو ہی جائے تو صبر (واستقامت) سے کام لیا کرو اور جانے رہو کہ جنت تلواروں کے سایوں تلے ہے۔ پھر دعا کی:

اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ وَمُجْرِیَ السَّحَابِ وَھَازِمَ الْاَحْزَابِ اھْزِمْھُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْھِمْ۔

(یعنی اے خدا، کتاب کو نازل کرنے والے اور بادلوں کو چلانے والے اور دشمنانِ اسلام گروہوں کو شکست دینے والے، ان کو شکست دے اور ہمیں ان کے مقابلے میں فتح عنایت فرما) (بخاری)

(۴۷۱)

(سورۂ انفال آیات نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں بیان ہوا ہے)

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰىہُ جَھَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔

(اے ایمان لانے والو جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری ــــ سوائے اس کے کہ جنگی چال کے طور پر یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے ایسا کرے ــ تو وہ خدا کے غضب میں گھر جائے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور وہ بہت بُری جائے بازگشت ہے)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی دستوں میں سے ایک دستے میں تھا، پھر (کیا ہوا کہ) مسلمان (کفار کے مقابلے میں) پسپا ہو گئے اور میں بھی انہیں پسپا ہونے والوں میں سے تھا۔ پھر جب ہم چھپے رہنے کے بعد ظاہر ہوئے تو ہم نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ اب ہم کیا کریں۔ ہم لشکر سے بھاگے ہیں اور اللہ کے غضب میں گھر گئے ہیں۔ پھر ہم نے کہا کہ مدینے چلتے ہیں اور وہاں ٹھہرتے ہیں (اور تیاری کرتے ہیں) تاکہ (پھر جہاد کے لیے) چلے جائیں اور کوئی ہمیں دیکھنے نہ پائے (نہ کسی کو پتہ چلے کہ ہم بھگوڑے ہیں) لہٰذا ہم مدینے گئے۔ وہاں جا کر ہم نے کہا کہ ہم اپنے آپ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہی کیوں نہ کر دیں۔ پھر اگر ہماری توبہ قبول ہو جائے تو ہم ٹھہرے رہیں اور اگر ایسے نہ ہو تو پھر چلے جائیں۔ لہٰذا ہم صبح کی نماز سے پہلے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھ گئے جب حضورؐ نکلے تو ہم کھڑے ہو گئے اور آپؐ کے پاس جا کر عرض کیا کہ ہم بھگوڑے ہیں۔ اس پر حضورؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نہیں بلکہ تم پھر لڑائی میں آنے والے ہو۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ (حضورؐ کی اس بات سے ہم اتنے زیادہ خوش ہوئے کہ) ہم قریب گئے اور آپؐ کا ہاتھ چوم لیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کے لیے فِئَۃ ہوں۔ (ابو داؤد)

تشریح:۔ اوپر والی آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ پسپا ہو جانے والے اللہ کے غضب میں گھر جائیں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ ہاں البتہ اگر وہ کسی

جنگی چال کے طور پر پسپا ہوں یا اس لیے پسپا ہوں کہ یہاں سے ہٹ کر اپنی فوج کے کسی دوسرے حصّے سے جا ملیں تو حرج نہیں۔ فوج کے دوسرے حصّے کے لیے اس حدیث میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ فِئَۃٌ ہے۔ حضورؐ کا یہ کہنا کہ میں مسلمانوں کے لیے فِئَۃٌ ہوں یہ مطلب رکھتا ہے کہ حضورؐ نے ان بھاگنے والوں کو معاف فرما دیا اور اپنی معافی کا اظہار اس طرح کیا کہ اپنی ذاتِ مقدس کو وہ فِئَۃٌ قرار دیا جس کی طرف جا ملنے کے لیے پسپا ہونے کی گنجائش نکل آتی ہے۔ بعض نے اس حدیث کی تشریح میں یہ لکھا ہے کہ حضورؐ کی ذات گویا جائے پناہ تھی۔ مسلمان اسے چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے۔ قصور کر کے بھی اس جائے پناہ کی طرف لوٹ کر آنا تھا۔

حضرت ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ والی آیت جنگ بدر کے دن نازل ہوئی تھی۔

۴۷۲

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عبداللہؓ بن عمروؓ تم ہمیشہ روزے سے رہتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو۔ اگر تم ایسا کرتے رہے تو تمہاری آنکھ اندر بیٹھ جائے گی اور کمزور ہو جائے گی (یاد رکھو کہ) جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے (گویا) روزہ رکھا ہی نہیں۔ ہر ماہ تین دن (نفلی) روزے رکھ لینا (اجر کے لحاظ سے) پورا مہینہ روزے رکھنے کے برابر ہے (حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ (اچھا پھر) حضرت داؤدؑ کا روزہ رکھ لیا کرو۔ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہیں رکھتے تھے۔ اور دشمن سے مقابلے کے وقت بھاگتے نہیں

تھے۔ (مسلم)

۴۷۳

(سورۃ الانفال آیت ۶۵ میں بیان ہوا ہے۔ " اے نبیؐ مومنوں کو جنگ پر ابھاریں۔ اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی (صابر) ہوں تو وہ کفر کرنے والوں میں سے ہزار آدمی پر غالب آئیں گے۔ کیونکہ وہ (کافر) ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔"

پھر آگے اسی سورہ کی آیت ۶۶ میں ارشاد ہوا ہے " (اچھا) اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی تم میں کمزوری ہے پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ہزار آدمی (صابر) ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔")

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب (یہ آیت) نازل ہوئی کہ اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے تو مسلمانوں کے لیے لازم کر دیا گیا کہ ایک شخص دس کے مقابلے میں نہ بھاگے (اس حدیث کے ایک راوی) سفیان نے کئی مرتبہ کہا کہ بیس (مسلمان) دو سو (کافروں) کے مقابلے میں نہ بھاگیں۔

پھر جب یہ آیت نازل ہوئی کہ " اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے الخ۔ تو (اللہ نے) لازم کر دیا کہ سو دو سو کے مقابلے میں نہ بھاگیں (اس حدیث کے مندرجہ بالا راوی) سفیان نے ایک دفعہ اتنا بڑھایا کہ (جب یہ آیت) نازل ہوئی کہ (اے نبیؐ) مومنوں کو جنگ پر ابھاریں، اگر تم میں بیس صبر کرنے والے

ہوں گے (وغیرہ) تو سفیان نے (یہ بھی) بیان کیا کہ (قاضی) ابن شبرمہ نے کہا تھا کہ میرا خیال ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں بھی یہی حکم پایا جاتا ہے (کہ اپنے سے زیادہ لوگ بھی ہوں تو بھی انہیں نیکی کی تلقین کی جائے اور بُرائی سے روکا جائے) (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا اس سے پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ اگر تم میں بیسؔ صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سَو پر غالب آئیں گے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ بیسؔ صابر مسلمان اپنے سے دس گنا کافروں کے مقابلے میں بھاگیں نہیں۔ ایسے ہی آگے یہ جو فرمایا گیا ہے کہ تم میں سے سَو صبر کرنے والوں ہوں گے تو دو سَو پر غالب آئیں گے تو اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سَو صابر مسلمان اپنے سے دُگنے کافروں کے مقابلے میں نہ بھاگیں۔ گویا پہلے اپنے سے دس گنا تعداد کے ساتھ لڑتے رہنے کا اشارہ تھا، پھر اپنے سے دگنی تعداد کے ساتھ لڑتے رہنے کا اشارہ ہوا۔ لہٰذا فرمایا کہ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔ بوجھ اس طرح ہلکا کیا کہ اپنے سے دس گنا کا مقابلہ کرنے کی تلقین کے بجائے اپنے سے دگنی تعداد کا مقابلہ کرنے کی تلقین فرمائی اس کا مطلب یہ ہے کہ صابر مسلمان اپنے سے دگنی تعداد کے بارے میں یہ نہ سوچیں کہ اپنے سے دگنے لوگوں کا مقابلہ ہم کیسے کریں گے۔ اپنے سے دگنی تعداد کا مقابلہ تو انہیں کرنا ہی چاہیئے اور ان کے مقابلے میں بھاگ جانے کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیئے کیونکہ دگنی تعداد کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ موجود ہے کہ تم ان پر غالب آؤ گے۔ بشرطیکہ صبر سے کام لو۔

(۴۷۴)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ (جنگ خندق کے زمانے میں) رسولِ خدا صلی

اللہ علیہ وسلم نکل کر خندق کی طرف گئے تو دیکھا کہ مہاجرین اور انصار سردی میں صبح صبح خندق کھود رہے ہیں۔ ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے جو انہیں یہ کام کر دیتے۔ جب حضورؐ نے انہیں اس تھکاوٹ اور بھوک کی حالت میں دیکھا تو آپؐ نے فرمایا

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَة
فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَة

(اے خدا زندگی تو بے شک آخرت ہی کی زندگی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے)

حضورؐ کے اس فرمان کے جواب میں صحابہؓ نے کہا

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جہاد کرنے کی بیعت کی ہے کہ جب تک زندہ رہیں گے ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے) (بخاری)

۴۷۵

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم (جہاد کے لیے) نکلے اور ہم تین سو آدمی تھے۔ ہم سب اپنا زادِ راہ اپنے کندھوں پر لادے ہوئے تھے۔ پھر ہمارا وہ زاد ختم ہو گیا یہاں تک کہ ہم میں سے ہر شخص ایک دن میں ایک کھجور کھا کر گزارا کرنے لگا۔ (حضرت جابرؓ کی یہ بات سن کر) ایک شخص نے انہیں کہا کہ اے ابوعبداللہ بھلا ایک کھجور سے ایک آدمی کا کیا بھلا ہوتا ہوگا۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ روزانہ ایک کھجور ملنے کی قدر ہم نے اس وقت جانی جب وہ ایک بھی ملنا بند ہو گئی۔ (اور ہمیں بالکل فاقے سے بسر کرنا پڑا) یہاں تک ہم سمندر (یا دریا) پر پہنچے

تو ایک مچھلی دیکھی جسے سمندر (یا دریا) نے باہر پھینک دیا تھا۔ پس ہم نے اٹھارہ دن تک اس میں سے جتنا چاہا کھایا۔ (بخاری)

تشریح: جہاد میں صبر و استقامت سے کام لینے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انسان فقر و فاقہ کو صبر سے برداشت کرے اور ہمت نہ ہارے۔ صحابہؓ پر ایسے وقت بھی آئے کہ کھانے کو ایک کھجور بھی نہ ہوتی تھی مگر اس سے ان کے عزم میں کوئی فرق نہ آیا۔ مسلم کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی ایسے بھی ہوا کہ فقر و فاقہ کے باعث مجاہدین کو پتے نرم کر کے کھانے پڑے۔ مگر یہ آزمائشیں ان نیکوکاروں کو اللہ کی راہ سے منہ موڑنے پر آمادہ نہ کر سکیں۔

۴۷۶

(سورۃ اَلَمْ نَشْرَحْ کی آیات ۵ اور ۶ میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ (پس حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہے بے شک تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہے)۔ ان آیات کے بارے میں تشریح کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہاں ایک مشکل کے ساتھ دو آسانیوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک آسانی آیت پانچ میں ہے اور پھر اسی مشکل کے ساتھ دوسری آسانی آیت چھ میں ہے)

(رومیوں کے ساتھ لڑنے والی مسلمان فوج کے سالار) حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے (میدان جہاد سے) حضرت عمرؓ بن خطاب کو خط لکھا جس میں رومیوں کی فوجوں اور اپنے ان سے خوف زدہ ہونے کا ذکر لکھا۔ اس پر (خلیفۂ وقت) حضرت عمرؓ بن خطاب نے انہیں لکھا کہ حمد و نعت کے بعد معلوم ہو کہ بندۂ مومن پر جب کوئی سختی نازل ہوتی ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کشادگی (یعنی خوشی) میں عطا فرماتا ہے اور بے شک ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آتی (جیسے

کہ سورہ الم نشرح کی آیات ۵ اور ۶ میں ذکر ہوا) اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلے میں پامردی دکھاؤ! حق کی خدمت کے لئے کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے) (آل عمران ۲۱۰) (موطا)

۴۷۷

حضرت خبابؓ بن ارتؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اللہ کی راہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ ہمارا مقصود اللہ کی خوشنودی تھا۔ پس ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ثابت ہو گیا۔ پھر ہم میں بعض ایسے ہیں جو گزر گئے اور انہوں نے (دنیا میں) اپنے اجر میں سے کچھ نہ کھایا۔ ان میں ایک حضرت مُصعبؓ بن عمیرؓ تھے جو جنگ اُحد کے دن شہید ہوئے اور (مفلسی کا یہ عالم تھا کہ) ان کی ایک دھاری دار کملی کے سوا ان کے لیے کوئی شے نہیں ملتی تھی جس کو ان کا کفن بنایا جاتا (اور وہ کملی بھی اتنی چھوٹی تھی کہ) جب ہم اُسے ان کے سر پر رکھتے تو ان کے پیر کھل جاتے اور جب اُسے اُن کے پاؤں پر رکھتے تو سر کھل جاتا۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو ان کے سر کے قریب کر دو اور ان کے پاؤں پر اِذخر گھاس رکھ دو۔ اور ہم میں ایسے بھی ہیں جن کا پھل ان کے لیے پک گیا ہے۔ اور وہ اُسے چن چن کر کھا رہے ہیں (یعنی انہیں دنیا ہی میں اجر مل رہا ہے) (مسلم)

۴۷۸

عمرو بن میمون اَودِی بیان کرتے ہیں کہ (صحابیٔ رسولؐ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص) اپنے بیٹوں کو یہ کلمات اس طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح معلّم لڑکوں کو کتابت سکھاتا ہے اور فرماتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھ کر تعوذ کیا کرتے تھے (یعنی اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (یعنی اے خدا میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں رذیل ترین عمر یعنی بہت زیادہ بڑھاپے کی طرف لوٹایا جاؤں اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنے سے اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے یہ حدیث مصعب سے بیان کی تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔ (بخاری)

مال غنیمت کے معاملے میں دیانت:

فاتح مسلمان فوج مفتوح فوج کا جو سازوسامان، اسلحہ، رسد، مال و دولت وغیرہ حاصل کرتی ہے اسے مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں عام اصول یہ بنایا گیا ہے کہ ایک معین حصہ بیت المال میں ڈالا جاتا ہے اور بقیہ مجاہدین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے بارے میں سختی سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تقسیم سے پہلے کوئی مجاہد ایک سوئی یا ایک رسّی بھی بطور خود نہ لے۔ ہر مجاہد جو کچھ پائے وہ سالار کے پاس جمع کرائے۔ پھر بیت المال کا حصہ نکالنے کے بعد مجاہدین کو جو کچھ دیا جائے وہ ان کے لیے نہ صرف جائز بلکہ انتہائی حلال

مال ہوگا۔ مگر تقسیم سے پہلے اگر وہ ایک سوئی بھی لے لیں گے تو اس کے لیے وہ خدا کے حضور میں جواب دہ ہوں گے۔ لہٰذا مال غنیمت کے بارے میں ہر مجاہد کو انتہائی دیانت داری سے کام لینا ہوگا۔

۴۷۹

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور آپؐ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے کا ذکر کیا۔ پھر اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا اور اس کے معاملے کو بہت سخت بتایا، پھر فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر ایک اونٹ سوار ہو جو بڑبڑا رہا ہو (جو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت سے حاصل کر رکھا ہو۔ پھر) وہ کہے کہ اے اللہ کے رسولؐ میری فریاد رسی کیجیے (اور مجھے اس عذاب سے بچائیے) اور میں کہوں کہ میں تیرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ میں تو تمہیں (خدا کا پیغام) پہنچا چکا تھا (کہ خیانت سے بچنا مگر تم نے پھر بھی خیانت کی، تو اب میں تمہاری کیا امداد کر سکتا ہوں) اور میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر گھوڑا سوار ہو جو ہنہنا رہا ہو۔ پھر وہ کہے کہ اے خدا کے رسولؐ میری فریاد رسی کیجیے اور میں کہوں کہ میں تیرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ میں تو تمہیں (خدا کا پیغام) پہنچا چکا۔ اور میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر بکری سوار ہو جو ممیا رہی ہو (پھر) وہ کہے کہ اے خدا کے رسولؐ میری فریاد رسی کیجیے اور میں کہوں کہ میں تمہارے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا، میں تو تمہیں (خدا کا پیغام) پہنچا چکا۔ اور میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر کوئی جان سوار ہو جو چیخ و پکار کر رہی ہو، پھر وہ کہے کہ اے خدا کے رسولؐ میری

فریاد رسی کیجئے اور میں کہوں کہ میں تیرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا میں تو تمہیں (خدا کا پیغام) پہنچا چکا۔ اور میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر کپڑے ہوں جو پھڑ پھڑا رہے ہوں۔ پھر وہ کہے کہ اے خدا کے رسولؐ میری فریاد رسی کیجئے اور میں کہوں کہ میں تیرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا، میں تو تمہیں (خدا کا پیغام) پہنچا چکا۔ اور میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر سونا اور چاندی سوار ہو۔ پھر وہ کہے کہ اے خدا کے رسولؐ میری فریاد رسی کیجئے اور میں کہوں کہ میں تیرے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ میں تو تمہیں (خدا کا پیغام) پہنچا چکا۔ (مسلم)

(۴۸۰)

حضرت زیدؓ بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ حنین میں ایک شخص مر گیا تو لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت زیدؓ کا خیال ہے کہ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو (مگر خود اس پر نماز نہ پڑھی) اس پر لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے (کہ آخر حضورؐ نے خود اس پر نماز پڑھنا کیوں پسند نہیں فرمایا) حضرت زیدؓ کا خیال ہے کہ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم نے اس کا سامان کھولا تو یہودیوں کے منکوں میں سے کچھ منکے نکلے (جو اس نے خیانت سے حاصل کر رکھے تھے) اور وہ دو درہم کا مال بھی نہ تھا۔ (موطا)

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی کم قیمت چیز کی خیانت کو بھی اتنا قابل مؤاخذہ سمجھا گیا کہ حضورؐ نے اس کا ارتکاب کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا بھی

گوارا نہ فرمایا۔

۴۸۱

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسباب کی نگرانی پر مقرر تھا (جو اونٹ پر لدا تھا) اس شخص کو کرکرہ کہا جاتا تھا۔ مرگیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ لوگ دیکھنے گئے تو اس پر ایک کملی یا عبا پائی جو اس نے مال غنیمت میں سے چرائی ہوئی تھی۔ (ابن ماجہ)

۴۸۲

حضرت سمرہؓ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی خیانت کو چھپائے تو وہ بھی اسی کی مانند ہے۔ (ابوداؤد)

۴۸۳

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ کبر (سے پاک ہو) مال غنیمت میں خیانت کرنے (سے پاک ہو) اور قرض سے پاک ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ترمذی)

۴۸۴

حضرت عمرؓ بن خطاب بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلمؐ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسولؐ اللہ فلاں شخص شہید ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ میں نے تو اسے ایک عبا کے باعث جو اس نے مال غنیمت میں سے چرائی تھی دوزخ میں دیکھا ہے اور فرمایا کہ اے عمرؓ اٹھ اور اعلان کر دے کہ جنت میں صرف ایماندار لوگ ہی داخل ہوں گے۔ آپؐ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی۔ (ترمذی)

ظلم سے پرہیز:

مجاہد فی سبیل اللہ کا ایک ضروری وصف یہ بھی ہے کہ وہ ظلم سے پرہیز کرے عموماً دنیا پرست لوگ جب کسی علاقے کو فتح کرتے ہیں تو پھر فتح کے نشے میں وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں اور علاقوں کو اجاڑ کر اپنی فتح کی خوشی مناتے ہیں۔ اسلام میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ مجاہدین نے صرف انہیں پر ہاتھ اٹھانا ہوتا ہے جو لڑنے کے قابل ہوں یا جنہوں نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جس کی سزا شریعت میں قتل ہو۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، عام امن پسند شہریوں وغیرہ پر ہاتھ اٹھانے کو شدت سے منع فرمایا گیا ہے۔ ایسے ہی بستیوں کو اجاڑنا، پھلدار درختوں کو کاٹنا، جانوروں کی کوچیں کاٹنا یا کسی کو آگ کا عذاب دینا سب کی شدت سے ممانعت ہے۔

۴۸۵

یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شام کی طرف لشکر بھیجے

پھر آپ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ چلتے ہوئے نکلے۔ یزید بن ابی سفیان ان دستوں میں سے ایک دستے کے سردار تھے (اس وقت صورت یہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق پیدل چل رہے تھے اور یزید بن ابی سفیان سوار تھے) لہٰذا یزید بن ابی سفیان نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر میں بھی نیچے اتر آتا ہوں اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ نہ تم نیچے اترو اور نہ میں سوار ہوں گا۔ میں تو اپنے ان قدموں کو اللہ کی راہ میں سمجھتے ہوئے ان سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ پھر یزید بن ابی سفیان سے فرمایا کہ عنقریب تم ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ کے لیے وقف کر رکھا ہے (یعنی تارک الدنیا درویش) پس چھوڑ دینا ان کو اس کام میں جس کے متعلق ان کا گمان ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس کے لیے وقف کر رکھا ہے (یعنی انہیں قتل نہ کرنا اور عبادت و ریاضت کرنے دینا جس کے لیے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے) اور عنقریب تم پاؤ گے ایسے لوگ جو اپنے سروں کو وسط سے منڈاتے ہیں (یعنی آتش پرست جن کا طریقہ تھا کہ سر کو وسط سے منڈاتے تھے) پس تلوار مارنا اس جگہ جہاں سے وہ منڈاتے ہیں۔ اور میں تمہیں دس باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔ مت قتل کرنا کسی عورت کو، اور نہ کسی بچے کو اور نہ بڈھے پھوس کو اور نہ کوئی پھلدار درخت کاٹنا اور نہ کسی بستی کو اجاڑنا اور نہ کسی بکری یا اونٹ کی کوچیں کاٹنا سوائے اس صورت کہ اسے کھانا ہو، اور نہ کسی کھجور کے درخت کو جلانا اور نہ اسے ڈبونا اور نہ غنیمت کے مال میں چوری کرنا اور نہ بزدلی سے کام لینا۔ (موطا)

۴۸۶

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑائیوں

میں سے کسی لڑائی میں ایک مقتول عورت دیکھی تو آپؐ نے اُسے بُرا جانا اور عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (موطا)

۴۸۷

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور فرمایا کہ اگر تمہیں فلاں اور فلاں اشخاص ملیں تو دونوں کو آگ میں جلا دینا۔ پھر جب ہم نے نکلنے کا ارادہ کیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو حکم دیا تھا کہ فلاں اور فلاں شخص کو جلا دینا مگر آگ سے عذاب دینا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، لہٰذا (تم انہیں مت جلانا بلکہ) اگر تم انہیں پاؤ تو انہیں قتل کر دینا۔ (بخاری)

۴۸۸

حضرت بُریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو کسی لشکر پر امیر مقرر کرتے تو خاص طور پر اُسے خدا سے ڈرتے رہنے اور اپنے ساتھی مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ خدا کا نام لے کر خدا کی راہ میں جہاد کرو، ان سے قتال کرو جو اللہ تعالیٰ کا کفر کرتے ہیں۔ جہاد کرو اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور نہ عہد توڑنا اور نہ ناک کان وغیرہ کاٹنا اور نہ بچوں کو قتل کرنا۔ (ترمذی)

اطاعتِ امیر :

اسلام کا پورا نظامِ زندگی اس حقیقت پر گواہ ہے کہ اس میں نظم وضبط کو بہت

اہمیت دی گئی ہے۔ جہاں کہیں بھی ایک سے زیادہ لوگوں نے مل کر کوئی کام کرنا ہو وہاں یہی پسندیدہ ہے کہ ان میں سے ایک کو امیر چن لیا جائے جو نظم وضبط سے معاملات کو چلانے کا ذمہ دار ہو اور دوسروں کو تاکیدی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ ہر جائز امر میں اس امیر کے احکام کی تعمیل کریں اور اس کی پوری اطاعت کریں۔ جہاد تو ایک بڑا ہی اہم معاملہ ہے۔ لہٰذا مجاہدین کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ تمام جائز امور میں اپنے سالار کی پوری پوری اطاعت کریں۔

۴۸۹

حضرت معاذؓ بن جبل بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک اس شخص کا (جہاد) جس نے خدا کی رضا مندی چاہی اور امام کی اطاعت کی اور (اللہ کی راہ میں) اچھی اور عمدہ چیز خرچ کی اور فساد سے بچتا رہا تو ایسے شخص کو سونے اور جاگنے غرضکہ ہر عمل کا اجر ملے گا۔ اور دوسرے اس شخص کا (جہاد) جس نے لوگوں کو دکھانے اور شہرت حاصل کرنے کے لیے جنگ کی اور امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا (یعنی خلاف شرع لوگوں پر ظلم کیا مثلاً عورتوں، بچوں وغیرہ کو قتل کیا جنہیں قتل کرنے کی اجازت نہیں) تو وہ برابر بھی نہیں لوٹے گا (یعنی یہ بھی نہیں ہوگا کہ نہ اسے ثواب ملے نہ عذاب بلکہ وہ عذاب لے کر ہی لوٹے گا) (النسائی)

آخر میں

عرض ہے کہ ایک خدا ترس انسان کے لیے اس کرۂ ارض میں زندگی گزارنے

بذاتِ خود ایک جہاد ہے۔ انسان رُوح اور مادّے کا مرکّب ہے مگر وہ جس ماحول میں گھرا رہتا ہے وہ مادّی ہوتا ہے۔ قدرتی بات ہے کہ مادّہ اس پر غلبہ پانے کی کوشش کرتا رہے اور اس کا اپنا مادّی حصّہ اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے آمادہ رہے۔ لہٰذا انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روح کی مضبوطی کی طرف خصوصی توجہ رکھے۔

اسلام کے بنیادی عقائد،
اس کی فرض کی ہوئی عبادات،
اس کا سکھایا ہوا نظامِ اخلاق،
اس کا بتایا ہوا باہمی انسانی حقوق و فرائض کا علم،
اس کا پڑھایا ہوا اسلامی اخوّت کا سبق،
اس کی یہ تلقین کہ انسان اپنے نفس کا تزکیہ کرتا رہے،
اس کی یہ ہدایت کہ انسان خدا کے بندوں کو خدا کی طرف بلاتا رہے،
اور اس کا اس بات کو سب سے بڑی فضیلت قرار دینا کہ خدا کی دی ہوئی جان کو خدا کی راہ میں نثار کر دیا جائے۔

یہ سب وہ چیزیں ہیں جو روح کو مضبوط کرتی ہیں اور مادّے کو بھی اس کے جائز حقوق سے محروم نہیں کرتیں۔

خوش بخت ہے وہ "مجاہد" جو زندگی کا یہ جہاد کرتے ہوئے ان اسباق کو ذہن نشین کیے رہے جو انسانیت کے سب سے بڑے محسن صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سکھائے تھے۔ جو کل بھی انتہائی مفید تھے، آج بھی انتہائی فائدہ بخش ہیں اور آئندہ بھی انتہائی نفع رساں رہیں گے !!!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین

حوالے

۱۔ حدیث حسن صحیح۔ ترمذی، ابواب صفۃ القیمۃ، باب ماجاء فی شان الحساب والقیاس، حدیث ۴۔
۲۔ حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ، ترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرءۃ، حدیث ۱۔
۳۔ ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب حقوق المال، حدیث ۸۔
۴۔ بخاری، کتاب النفقات، باب حفظ المرءۃ زوجھا فی ذات یدہ الخ، حدیث ۱۔
۵۔ بخاری، کتاب الایمان، باب کفران العشیر الخ، حدیث ۱
۶۔ حدیث حسن غریب، ترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرءۃ، حدیث ۳۔
۷۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب اجر الخازن الامین الخ، حدیث ۸
۸۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی حق المرءۃ علیٰ زوجھا، حدیث ۱۔
۹۔ بخاری، کتاب الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ الخ، حدیث ۳۔

۱۰۔ بخاری، کتاب الایمان، باب ماجاء انّ الاعمال بالنیّۃ الخ، حدیث ۲
۱۱۔ مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب قضیۃ ھند، حدیث ۳
۱۲۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب القسم بین النّساء، حدیث ۱
۱۳۔ ابن ماجۃ، ابواب النکاح، باب القسمۃ بین النّساء، حدیث ۳۔
۱۴۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الرضاع، باب ماجاء فی حقّ المرءۃ علی زوجھا، حدیث ۱۔
۱۵۔ مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصیّۃ بالنساء، حدیث ۳۔
۱۶۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی ضرب النّساء، حدیث ۲۔
۱۷۔ موطّا، کتاب الطّلاق، باب ماجاء فی الخلع، حدیث ۱۔
۱۸۔ بخاری، کتاب العتق، باب بیع الولاء وھبتہٖ، حدیث ۲۔
۱۹۔ بخاری، کتاب الطلاق، باب شفاعۃ النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم فی زوج بَرِیرۃ، حدیث ۱۔
۲۰۔ بخاری، کتاب الاکراہ، باب لا یجوز نکاح المکرہ الخ، حدیث ۱
۲۱۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل ازواج النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم حدیث ۵۔
۲۲۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب تزویج النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم خدیجۃؓ الخ، حدیث ۳
۲۳۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب واذ قالت الملٰئکۃ یا مریم الخ، حدیث ۱
۲۴۔ حدیث حسن صحیح غریب من ھٰذا الوجہ، ترمذی، ابواب المناقب، باب من فضل عائشۃؓ، حدیث ۱۲
۲۵۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب المناقب، من فضل عائشۃؓ، حدیث ۹۔
۲۶۔ حدیث صحیح، " " " " " " ۳۔
۲۷۔ مشکوٰۃ، کتاب البرّ والصّلۃ، الفصل الثالث، حدیث ۴۔
۲۸۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب البرّ والصّلۃ، باب ماجاء فی برّ الوالدین

سے آگے والے بلا عنوان باب کی پہلی حدیث۔

۲۹۔ مسلم ، کتاب البر والصلۃ والآداب ، باب تقدیم بر الوالدین الخ ، حدیث ۴

۳۰۔ ابو داؤد ، کتاب الجہاد ، باب فی الرجل یغزو و ابواہ کارھان ، حدیث ۱۔

۳۱۔ مسلم ، کتاب البر والصلۃ والآداب ، باب بر الوالدین وانھما احق بہ ، حدیث ۵

۳۲۔ " " " " " " " " ۵

۳۳۔ ابو داؤد ، کتاب الجہاد ، باب فی الرجل یغزو و ابواہ کارھان ، حدیث ۳۔

۳۴۔ حدیث حسن صحیح ، ترمذی ، ابواب البر والصلۃ ، باب ماجاء فی حق الوالدین حدیث ۱۔

۳۵۔ ترمذی ، ابواب البر والصلۃ ، باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین ، حدیث ۲۔

۳۶۔ ابو داؤد ، کتاب الادب ، باب فی بر الوالدین ، حدیث ۹۔

۳۷۔ " " " " " ۸۔

۳۸۔ مسلم ، کتاب البر والصلۃ والآداب ، باب صلۃ اصدقاء الاب الخ ، حدیث ۱

۳۹۔ ابو داؤد ، کتاب الادب ، باب فی بر الوالدین ، حدیث ۶۔

۴۰۔ ابن ماجۃ ، ابواب الآداب ، باب بر الوالدین ، حدیث ۴۔

۴۱۔ موطا ، کتاب القرآن ، باب العمل فی الدعاء ، حدیث ۲

۴۲۔ ترمذی ، ابواب البر والصلۃ ، باب ماجاء فی دعاء الوالدین ، حدیث ۱۔

۴۳۔ مسلم ، کتاب البر والصلۃ والآداب ، باب بر الوالدین وانھما احق بہ ، حدیث ۱۔

۴۴۔ ابن ماجۃ ، ابواب الآداب ، باب بر الوالدین ، حدیث ۱۔

۴۵۔ مسلم ، کتاب الایمان ، باب صحبۃ الممالیک ، حدیث ۲۳۔

۴۶۔ بخاری ، کتاب الھبۃ ، باب الھدیۃ للمشرکین الخ ، حدیث ۲۔

۴۷۔ بخاری ، کتاب التفسیر ، سورۃ البقرۃ ، باب قولہ تعالیٰ فلا تجعلوا للہ اندادا الخ ، حدیث ۱۔

۴۸۔ ابو داؤد ، کتاب الصلوٰۃ ، باب متی یؤمر الغلام بالصلوٰۃ ، حدیث ۱

۴۹۔ ابوداؤد، کتاب العلم، باب فی ایکاء الآنیۃ، حدیث ۳

۵۰۔ نسائی، کتاب النحل۔ حدیث ۱۵

۵۱۔ مسلم، کتاب الہبات، باب کراہیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ، حدیث ۵

۵۲۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان الخ، حدیث ۲۔

۵۳۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب فضائل فاطمۃؓ بنت النبی علیہا الصلوٰۃ والسلام، حدیث ۸۔

۵۴۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل فاطمۃؓ بنت النبی علیہا الصلوٰۃ والسلام، حدیث ۲۔

۵۵۔ مسلم، کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان الخ، حدیث ۴

۵۶۔ " " " " " " ۳

۵۷۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃؓ، باب فضائل الحسنؓ والحسینؓ۔ حدیث ۲۔

۵۸۔ حدیث غریب من حدیث انسؓ، ترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی محمد الحسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب والحسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہما، حدیث ۵۔

۵۹۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب المناقب، مناقب ابی محمد الحسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب والحسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہما، حدیث ۸۔

۶۰۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ الخ، حدیث ۲۰۔

۶۱۔ بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل الخ، حدیث ۴

۶۲۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتامی، حدیث ۱۔

۶۳۔ " " " " " " " ۲۔

۶۴۔ ابن ماجۃ، ابواب الآداب، باب برالوالد والاحسان الی البنات، حدیث ۵

۶۵۔ " " " " " " " " ۳

۶۶۔ ریاض الصالحین، باب ملاطفۃ الیتیم والبنات، حدیث ۹

۶۷۔ مسلم، کتاب الایمان، باب صحبۃ المھالیک، حدیث ۱۸
۶۸۔ موطا، کتاب الجامع، باب الامر بالرفق بالمملوک، حدیث ۲
۶۹۔ مشکوٰۃ، باب النفقات وحق المملوک، الفصل الثانی، حدیث ۱۰۔
۷۰۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق المملوک، حدیث ۶۔
۷۱۔ مسلم، کتاب الایمان، باب صحبۃ الممالیک، حدیث ۱۹۔
۷۲۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی الاکل مع المملوک، حدیث ۱۔
۷۳۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق المملوک، حدیث ۸۔
۷۴۔ حدیث حسن غریب، ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی العفو عن الخادم، حدیث ۱۔
۷۵۔ نسائی، کتاب القسامۃ الخ، باب القصاص فی السن، حدیث ۲
۷۶۔ بخاری، کتاب الخصومات، باب مایذکر فی الاشخاص والخصومۃ الخ، حدیث ۴۔
۷۷۔ حدیث غریب، ترمذی، ابواب التفسیر، من سورۃ الانبیاء، حدیث ۱
۷۸۔ مسلم، کتاب الایمان، باب صحبۃ المما لیک، حدیث ۱۱۔
۷۹۔ مشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب النفقات وحق المملوک، الفصل الثانی، حدیث ۴
۸۰۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ ان یفرق بین الاخوین الخ، حدیث ۱۔
۸۱۔ حدیث حسن غریب، ترمذی ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراھیۃ ان یفرق بین الاخوین الخ، حدیث ۲۔
۸۲۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق المملوک، حدیث ۱
۸۳۔ بخاری، کتاب الوصایا، باب استخدام الیتیم فی السفر والحضر الخ، حدیث ۱۔
۸۴۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۵۔
۸۵۔ بخاری، کتاب العتق، باب فی العتق وفضلہ الخ، حدیث ۱۔
۸۶۔ " " " ، باب فضل من ادب جاریتہ الخ، حدیث ۱

۸۷۔ مشکوٰۃ، کتاب العتق، باب اعتاق العبد المشترک الخ، الفصل الثالث، حدیث ۲۔
۸۸۔ مشکوٰۃ، کتاب العتق، " " " " " ۱۔
۸۹۔ بخاری، کتاب العتق، باب مایستحب من العتاقۃ فی الکسوف الخ، حدیث ۱۔
۹۰۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجار فی ثواب الشہید، حدیث ۲
۹۱۔ بخاری، کتاب الاحکام، باب استقصار الموالی واستعمالہم، حدیث ۱۔
۹۲۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل ازواج النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۵۔
۹۳۔ بخاری، کتاب النفقات، باب خدمۃ الرجل فی اھلہ، حدیث ۱۔
۹۴۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب الایمان، باب ماجار فی استکمال الایمان الخ، حدیث ۱۔
۹۵۔ ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب الرجل یخرج من مالہ، حدیث ۴۔
۹۶۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال الخ، حدیث ۳۔
۹۷۔ بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل الخ، حدیث ۱۔
۹۸۔ ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب صلۃ الرحم، حدیث ۳۔
۹۹۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین الخ، حدیث ۴۔
۱۰۰۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان الذی یدخل بہ الجنۃ الخ، حدیث ۱۔
۱۰۱۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی النہی عن البغی، حدیث ۲۔
۱۰۲۔ بخاری، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم، حدیث ۲۔
۱۰۳۔ حدیث غریب من ھذا الوجہ، ترمذی، ابواب البر والصلۃ۔ باب ماجار فی تعلیم النسب، حدیث ۱۔
۱۰۴۔ بخاری، کتاب الآداب، باب من وصل وصلہ اللہ، حدیث ۲۔
۱۰۵۔ ریاض الصالحین، باب بر الوالدین وصلۃ الارحام، حدیث ۳۔
۱۰۶۔ بخاری، کتاب الآداب، باب من وصل وصلہ اللہ، حدیث ۱۔
۱۰۷۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجار فی صلۃ الرحم، حدیث ۲۔

۱۰۸۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ، حدیث ۱۔
۱۰۹۔ مسلم کتاب الزکوٰۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین الخ، حدیث ۱۔
۱۱۰۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب بر الوالدین الخ، حدیث ۲۔
۱۱۱۔ حدیث صحیح، ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی بر الخالۃ، حدیث ۱۔
۱۱۲۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المودۃ تکنی، حدیث ۱۔
۱۱۳۔ ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات، حدیث ۱۔
۱۱۴۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی صلۃ الرحم، حدیث ۱
۱۱۵۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتها، حدیث ۸۔
۱۱۶۔ نسائی، کتاب الایمان والنذور، باب الکفارۃ بعد الحنث، حدیث ۴۔
۱۱۷۔ بخاری، کتاب الآداب، باب الوصاۃ بالجار الخ، حدیث ۱۔
۱۱۸۔ مشکوٰۃ، کتاب الآداب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، الفصل الثانی، حدیث ۲۰۔
۱۱۹۔ بخاری، کتاب الآداب، باب لاتحقرن جارۃ لجارتها، حدیث ۱
۱۲۰۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب الوصیۃ بالجار الخ، حدیث ۴
۱۲۱۔ بخاری، کتاب الآداب، باب حق الجوار فی قرب الابواب، حدیث ۱۔
۱۲۲۔ حدیث حسن غریب من هذا الوجه، ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حق الجوار، حدیث ۱۔
۱۲۳۔ بخاری، کتاب الآداب، باب اثم من لا یامن جارہ بوایقہ، الخ، حدیث ۱۔
۱۲۴۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی حق الجوار، حدیث ۳۔
۱۲۵۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب ما یتعلق بالصلوٰۃ، باب ماذکر فی فضل الصلوٰۃ سے آگے آنے والے بلاعنوان باب کی پہلی حدیث۔
۱۲۶۔ مسلم کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ الخ، حدیث ۲۔
۱۲۷۔ بخاری کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للامام الخ، حدیث ۱۔
۱۲۸۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء الخ، حدیث ۱۰۔

۱۲۹۔ مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمی جمرۃ العقبۃ الخ، حدیث ۲۔

۱۳۰۔ موطا، کتاب الحج، باب جامع الحج، حدیث ۹۔

۱۳۱۔ بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب ما اُدّیَ زکوٰتہٗ فلیس بکنز الخ، حدیث ۲۔

۱۳۲۔ بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم ستروں بعدی امورًا الخ، حدیث ۲۔

۱۳۳۔ بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للامام الخ، حدیث ۴۔

۱۳۴۔ " " " " " " " " ۳۔

۱۳۵۔ حدیث حسن صحیح؛ ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء ستکون فتنۃ کقطع اللیل المظلم، حدیث ۵۔

۱۳۶۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انّ الدّین النّصیحۃ، حدیث ۱۔

۱۳۷۔ موطا، کتاب الجامع، باب ماجاء فی اضاعۃ المال الخ، حدیث ۱

۱۳۸۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الانکار علی الامراء الخ، حدیث ۲۔

۱۳۹۔ " " " خیار الائمّۃ وشرارھم، حدیث ۱۔

۱۴۰۔ بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستروں بعدی امورًا الخ، حدیث ۴۔

۱۴۱۔ نسائی، کتاب البیعۃ، بطانۃ الامام، حدیث ۱۔

۱۴۲۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل الخ، حدیث ۲۔

۱۴۳۔ موطا، کتاب الجامع، جامع ماجاء فی الطّعام والشّراب، حدیث ۱۱۔

۱۴۴۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب الامام جنّۃ، حدیث ۱۔

۱۴۵۔ ابوداؤد، کتاب الدیات، باب القود من الضربۃ الخ، حدیث ۲۔

۱۴۶۔ نسائی، کتاب البیعۃ، باب جزاء من اُمر بمعصیۃ الخ، حدیث ۳۔

۱۴۷۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام العادل الخ، حدیث ۸۔

۱۴۸۔ ابوداؤد، کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ، باب فی ما یلزم الامام من امر رعیّتہ الخ، حدیث ۱۔

۱۴۹۔ نسائی، ذکر القسامۃ الخ، باب تعظیم قتل المعاھد، حدیث ۲

۱۵۰۔ " " " " " " " ۴

۱۵۱۔ ابوداؤد، کتاب الخراج والفیئ والامارۃ، باب فی تعشیر اھل الذمۃ الخ، حدیث ۷

۱۵۲۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب یقاتل عن اھل الذمۃ الخ، حدیث ۱۔

۱۵۳۔ بخاری، کتاب الحیل، باب فی النکاح، حدیث ۱۔

۱۵۴۔ بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاھل الخ، حدیث ۳۔

۱۵۵۔ نسائی، کتاب الجمعۃ، باب مایستحب من تقصیر الخطبۃ، حدیث ۱۔

۱۵۶۔ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیۃ الخ، حدیث ۱۲۔

۱۵۷۔ بخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان الخ، حدیث ۵۔

۱۵۸۔ بخاری، کتاب النفقات، باب و علی الوارث مثل ذلک الخ، حدیث ۱۔

۱۵۹۔ بخاری، کتاب البیوع، باب من اجری امر الامصار الخ، حدیث ۲۔

۱۶۰۔ ابن ماجۃ، ابواب الآداب، باب حق الیتیم، حدیث ۲۔

۱۶۱۔ " " " " " " ۱۔

۱۶۲۔ ابن ماجۃ، ابواب الرھن، باب اجر الاجراء، حدیث ۱۔

۱۶۳۔ " " " " " " " ۲۔

۱۶۴۔ بخاری، کتاب الآداب، باب ماجاء فی قول الرجل ویلک، حدیث ۲۔

۱۶۵۔ بخاری، کتاب النکاح، باب خروج النساء لحوائجھن، حدیث ۱۔

۱۶۶۔ بخاری، کتاب الصلٰوۃ، باب استیذان المرءۃ زوجھا بالخروج الی المسجد، حدیث ۱۔

۱۶۷۔ بخاری، کتاب الجمعۃ، باب ھل علی من لا یشھد الجمعۃ غسل الخ، حدیث ۴۔

۱۶۸۔ بخاری " " " " " " " " " " ۵۔

۱۶۹۔ مسلم، کتاب الصلٰوۃ، باب خروج النساء الی المسجد الخ، حدیث ۲۔

۱۷۰۔ مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب التبکیر بالصبح الخ، حدیث ۱۔

۱۷۱۔ بخاری، کتاب العیدین، باب اذا لم یکن لھا جلباب فی العید، حدیث ۱۔

۱۷۲۔ مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ النساء مع الرجال، حدیث ۳۔

۱۷۳۔ بخاری، " " " مداواۃ النساء الجرحیٰ فی الغزو، حدیث ۱۔

۱۷۴۔ " " " " غزوۃ النساء وقتالهن مع الرجال، حدیث ۱۔

۱۷۵۔ مسلم کتاب الجہاد والسیر، باب عدد غزوات النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۱۔

۱۷۶۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب حمل النساء القرب الخ، حدیث ۱۔

۱۷۷۔ مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ النساء مع الرجال، حدیث ۱

۱۷۸۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب رکوب البحر، حدیث ۱۔

۱۷۹۔ بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب تعلیم النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم امتہٗ الخ، حدیث ۱۔

۱۸۰۔ بخاری، کتاب العیدین، باب المشی والرکوب الی العید، حدیث ۲۔

۱۸۱۔ بخاری، کتاب الفتن، باب لا یاتی زمان الا الذی بعدہٗ شر منہٗ، حدیث ۲۔

۱۸۲۔ بخاری، کتاب الاکراہ، باب لا یجوز نکاح المکرہ، حدیث ۲۔

۱۸۳۔ مسلم، کتاب النکاح، باب استیذان الثیب فی النکاح الخ، حدیث ۴۔

۱۸۴۔ بخاری، کتاب الاکراہ، باب من الاکراہ کرہ وکرہ واحد، حدیث ۱۔

۱۸۵۔ بخاری، کتاب الوکالۃ، باب اذا ابصر الراعی او الوکیل الخ، حدیث ۱

۱۸۶۔ ابوداؤد، کتاب الحدود، باب عفو النساء عن الدم، حدیث ۱۔

۱۸۷۔ مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ، حدیث ۱۰

۱۸۸۔ ریاض الصالحین، باب الوصیۃ بالنساء، حدیث ۸۔

۱۸۹۔ بخاری کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین الخ، حدیث ۳۔

۱۹۰۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی تزویج الابکار، حدیث ۳۔

۱۹۱۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، سورۃ التوبۃ، حدیث ۱۰۔

۱۹۲۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخلع، حدیث ۱۔

۱۹۳۔ بخاری، کتاب النکاح، باب الشروط التی لا تحل فی النکاح الخ، حدیث ۱۔

۱۹۴۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب، باب ماجاء فی المتشبہات بالرجال الخ، حدیث ۱۔

۱۹۵۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المسجد الخ، حدیث ۹۔

۱۹۶۔ ترمذی، ابواب الاستیذان والادب، باب ما جاء فی طیب الرجال والنساء، حدیث ۱۔

۱۹۷۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب، باب ماجاء فی کراھیۃ خروج النساء متعطرۃ، حدیث ۱۔

۱۹۸۔ مسلم، کتاب الجنۃ الخ، باب جہنم اعاذنا اللہ عنہا، حدیث ۳۱۔

۱۹۹۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی الحب فی اللہ، حدیث ۱۔

۲۰۰۔ موطا، کتاب الجامع، باب ماجاء فی المتحابین فی اللہ، حدیث ۴۔

۲۰۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یحب لاخیہ الخ، حدیث ۱۔

۲۰۲۔ حدیث حسن صحیح غریب، ترمذی، ابواب الزہد، باب ماجاء فی اعلام الحب، حدیث ۱

۲۰۳۔ بخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ الخ، حدیث ۱۔

۲۰۴۔ " " " " " " " " " ۲۔

۲۰۵۔ ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان، حدیث ۲۔

۲۰۶۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب استحباب طلاقۃ الوجہ الخ، حدیث ۱۔

۲۰۷۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمین بظہر الغیب، حدیث ۳۔

۲۰۸۔ تجرید بخاری، کتاب الایمان، حدیث ۳۶۔

۲۰۹۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من اغاثۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ، حدیث ۳

۲۱۰۔ " " " " " " " " " " ۱

۲۱۱۔ بخاری، کتاب المساقات، باب کتابۃ القطائع

۲۱۲۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تراحم المومنین الخ، حدیث ۴

۲۱۳۔ " " " " " " " " " " ۲

۲۱۴۔ " " " " " " " " " " " ۱

۲۱۵۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب البرّ والصّلۃ، باب ماجاء فی الذّبّ عن المسلم، حدیث ۱۔
۲۱۶۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب الرّجل یذبّ عن عرض اخیہ، حدیث ۲۔
۲۱۷۔ مسلم، کتاب البرّ والصّلۃ والآداب، باب فضل ازالۃ الاذیٰ عن الطریق، حدیث ۵۔
۲۱۸۔ " " " " " " " " " ۴۔
۲۱۹۔ " " " " " " " " " ۲۔
۲۲۰۔ حدیث حسن صحیح غریب من حدیث ابن عمرؓ، ترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی السّتر علی المسلم، حدیث ۳۔
۲۲۱۔ مسلم، کتاب السّلام، باب حقّ المسلم علی المسلم الخ، حدیث ۲۔
۲۲۲۔ حدیث حسن غریب من ھٰذا الوجہ، ترمذی، ابواب صفۃ القیٰمۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض سے آگے آنے والے ۹ بلاعنوان بابوں میں سے دوسرے باب کی اٹھارویں حدیث۔
۲۲۳۔ بخاری، کتاب المظالم، باب الشرکۃ فی الطّعام الخ، حدیث ۴۔
۲۲۴۔ بخاری، کتاب الاستیذان، باب السّلام للمعرفۃ وغیرالمعرفۃ، حدیث ۲۔
۲۲۵۔ مسلم، کتاب البرّ والصّلۃ والآداب، باب النّھی عن الشّحناء، حدیث ۱۔
۲۲۶۔ مسلم، کتاب الجہاد والسّیر، باب تامیر الامام الامراء الخ، حدیث ۵۔
۲۲۷۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی اصلاح ذات البین، حدیث ۱۔
۲۲۸۔ موطّا، کتاب الجامع، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث ۷۔
۲۲۹۔ بخاری، کتاب الآداب، باب الھجرۃ الخ، حدیث ۱۔
۲۳۰۔ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الاعراف، باب قولہ یٰاَیّھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعًا الخ، حدیث ۱۔
۲۳۱۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب حدیث الغار سے آگے آنے والے بلاعنوان باب کی گیارھویں حدیث۔
۲۳۲۔ مسلم، کتاب العلم، باب النّھی عن اتّباع متشابہ القرآن الخ، حدیث ۲
۲۳۳۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشّیطان وبعثہ سرایاہ الخ، حدیث ۳۔

۲۳۴۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ الخ، حدیث ۴

۲۳۵۔ " " " " " " " " " " ۱

۲۳۶۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب حکم من فرّق امر المسلمین الخ، حدیث ۱

۲۳۷۔ ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، باب فی الصلح، حدیث ۱۔

۲۳۸۔ بخاری، کتاب الاحکام، باب من لم یکترث لطعن من لا یعلم الخ، حدیث ۱

۲۳۹۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی کراھیۃ ان یشفع فی الحدود، حدیث ۱۔

۲۴۰۔ ریاض الصالحین، باب فی تضائے حوائج المسلمین، حدیث ۲

۲۴۱۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل سلمان وصہیب وبلال الخ، حدیث ۱۔

۲۴۲۔ بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، حدیث ۴۔

۲۴۳۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الجہاد، باب ماجاء فی الاستفتاح بصعالیک المسلمین، حدیث ۱

۲۴۴۔ نسائی، کتاب الجنائز، باب الاذن بالجنازۃ، حدیث ۱۔

۲۴۵۔ ابن ماجۃ، ابواب الزھد، باب مجالسۃ الفقراء، حدیث ۱۔

۲۴۶۔ ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم، حدیث ۳۔

۲۴۷۔ بخاری، کتاب الاکراہ، باب یمین الرجل لصاحبہ، حدیث ۲۔

۲۴۸۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب الخ، باب ماجاء فی افشاء السلام، حدیث ۱۔

۲۴۹۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی فضل اطعام الطعام، حدیث ۲

۲۵۰۔ حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ، ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب الخ، باب ماذکر فی فضل السلام، حدیث ۱۔

۲۵۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب اطعام الطعام من الاسلام، حدیث ۱۔

۲۵۲۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب الخ، باب ماجاء فی فضل الذی یبدء بالسلام، حدیث ۱۔

۲۵۳۔ ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب الخ، باب ماجاء فی تسلیم الراکب علی الماشی، حدیث ۱

۲۵۴۔ حدیث صحیح، ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب الخ، باب ماجاء فی التسلیم علی الصبیان، حدیث ۱

۲۵۵۔ حدیث حسن صحیح غریب، ترمذی، ابواب " " " " " اذا دخل بیتہٗ، حدیث ۱

۲۵۶۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب الخ، باب ماجاء فی کراھیۃ ان یقول علیک السلام مبتدءًا، حدیث ۱۔

۲۵۷۔ بخاری، کتاب الھبۃ وفضلھا والتحریض علیھا، حدیث ۱۔

۲۵۸۔ بخاری، " " ، باب القلیل من الھبۃ، حدیث ۱۔

۲۵۹۔ " " " ، باب المکافاۃ فی الھبۃ، حدیث ۱۔

۲۶۰۔ " " " ، باب ھبۃ الرجل لامرأتہ الخ، حدیث ۲۔

۲۶۱۔ " " " ، باب لا یحل لاحد ان یرجع فی ھبتہ الخ، حدیث ۲۔

۲۶۲۔ " " " ، باب فضل المنیحۃ، حدیث ۱

۲۶۳۔ مسلم، کتاب النکاح، باب الامر باجابۃ الداعی الی دعوۃ، حدیث ۴۔

۲۶۴۔ " " " " " " " " " ۳۔

۲۶۵۔ " " " " " " " " " ۵۔

۲۶۶۔ بخاری، کتاب النکاح، باب من ترک الدعوۃ الخ، حدیث ۱

۲۶۷۔ بخاری، کتاب المناسک، باب الخطبۃ ایام منی، حدیث ۳۔

۲۶۸۔ تجرید بخاری، کتاب الایمان، حدیث ۴۔

۲۶۹۔ بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاترجعوا بعدی کفارًا الخ، حدیث ۱

۲۷۰۔ " " " " " " " من حمل علینا السلاح فلیس منا، حدیث ۱۔

۲۷۱۔ ابن ماجۃ، ابواب الفتن، باب اذا التقی المسلمان بسیفھما، حدیث ۳۔

۲۷۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنا فلیس منا، حدیث ۱

۲۷۳۔ بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح فلیس منا، حدیث ۲۔

۲۷۴۔ " " " " " " " " " " " " " ۵۔

۲۷۵۔ حدیث حسن غریب، ترمذی، ابواب صفۃ القیمۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض سے آگے آنے والے ۹ بلاعنوان بابوں میں سے پانچویں باب کی پہلی حدیث۔

۲۷۶۔ حدیث صحیح غریب من ھٰذا الوجہ، ابواب صفۃ القیمۃ، باب ما جاء فی صفتہ اوانی الحوض سے آگے آنے والے ۹ بلاعنوان بابوں میں سے ساتویں باب کی دوسری حدیث۔

۲۷۷۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم الظن والتجسس الخ، حدیث ۱

۲۷۸۔ " " " " " " ظلم المسلم وخذلہ الخ، حدیث ۱

۲۷۹۔ مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم الجمع بین المرءۃ وعمتھا الخ، حدیث ۷

۲۸۰۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب من یاخذ الشیء الخ، حدیث ۱

۲۸۱۔ موطا، کتاب الاقضیۃ، الحنث علی منبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۲۔

۲۸۲۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب من یاخذ الشیء من مزاح، حدیث ۲۔

۲۸۳۔ " " ، باب الرجل یذب عن عرض اخیہ، حدیث ۱

۲۸۴۔ بخاری، کتاب القیام، باب تحری لیلۃ القدر الخ، حدیث ۷

۲۸۵۔ بخاری، کتاب الاکراہ، باب یمین الرجل لصاحبہ الخ، حدیث ۱

۲۸۶۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب صفۃ القیمۃ، باب ما جاء فی شان الحساب الخ، حدیث ۵۔

۲۸۷۔ مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، حدیث ۲۴۔

۲۸۸۔ " " " " " ۲۶۔

۲۸۹۔ ابوداؤد، کتاب المناسک والحج، باب فی من قدم شیئاً قبل شیء الخ، حدیث ۲۔

۲۹۰۔ حدیث غریب من ھٰذا الوجہ، ترمذی، ابواب الفتن، باب ما جاء ستکون فتنۃ کقطع اللیل المظلم۔ حدیث ۳۔

۲۹۱۔ بخاری، کتاب الآداب، باب من کفر اخاہ بغیر تاویل الخ، حدیث ۲۔

۲۹۲۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر، حدیث ۲۔

۲۹۳۔ بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الخزیرہ الخ، حدیث ۱۔

۲۹۴۔ ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب ما یجزئ الامی الخ، حدیث ۲

۲۹۵۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب السیر الخ، باب ماجاء فی الدعوۃ قبل القتال، حدیث ۱
۲۹۶۔ مسلم، کتاب الایمان، باب موالاۃ المؤمنین ومقاطعۃ غیرھم الخ، حدیث ۱۔
۲۹۷۔ بخاری، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم الکافر الخ، حدیث ۱۔
۲۹۸۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی العصبیۃ، حدیث ۳
۲۹۹۔ " " " " " ۵
۳۰۰۔ " " " " " " ۱
۳۰۱۔ " " " " " " ۴
۳۰۲۔ بخاری، کتاب الدیات، باب من طلب دم امرئ بغیر حق، حدیث ۱
۳۰۳۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب الامر بلزوم الجماعۃ الخ، حدیث ۳۔
۳۰۴۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب نصر الاخ ظالماً او مظلوماً، حدیث ۲۔
۳۰۵۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل الشام والیمن، حدیث ۳۔
۳۰۶۔ حدیث حسن صحیح غریب، ترمذی، ابواب الامثال، باب ماجاء مثل الصلوٰۃ والصیام والصدقۃ، حدیث ۱
۳۰۷۔ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعبؓ بن مالک، حدیث ۱
۳۰۸۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الزخرف، حدیث ۱
۳۰۹۔ مسلم، کتاب العلم، باب النھی عن اتباع متشابہ القرآن الخ، حدیث ۱۰۔
۳۱۰۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃؓ، باب من فضائل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث ۱
۳۱۱۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی طوال العمر للمؤمن، حدیث ۲۔
۳۱۲۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ، حدیث ۳۔
۳۱۳۔ حدیث حسن صحیح غریب، ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، ومن سورۃ البقرۃ، حدیث ۳۱
۳۱۴۔ بخاری، کتاب الآداب، باب کل معروف صدقۃ، حدیث ۲۔
۳۱۵۔ مسلم، کتاب التوبۃ، باب غیرۃ اللہ تعالیٰ الخ، حدیث ۱۔
۳۱۶۔ بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرۃ الخ، حدیث ۴۔
۳۱۷۔ ابن ماجۃ، کتاب الزھد، باب ذکر الذنوب، حدیث ۴۔

۳۱۸۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب بیان انہ یستجاب للداعی الخ، حدیث ۳

۳۱۹۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذ قال ربک للملٰئکۃ الخ، حدیث ۱

۳۲۰۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی المعونۃ للمسلم، حدیث ۲۔

۳۲۱۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی معاشرۃ الناس، حدیث ۱

۳۲۲۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب استحباب طلاقۃ الوجہ الخ، حدیث ۱۔

۳۲۳۔ بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب السمر فی الفقہ الخ، حدیث ۱۔

۳۲۴۔ مسلم، کتاب الزہد والرقائق، حدیث ۱۹۔

۳۲۵۔ ابن ماجۃ، ابواب الفتن، باب العقوبات، حدیث ۲۔

۳۲۶۔ " " " " " " ۴۔

۳۲۷۔ مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب النہی عن الدخول علی اھل الحجر الخ، حدیث ۲۔

۳۲۸۔ بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ والی ثمود اخاھم صالحا الخ، حدیث ۳۔

۳۲۹۔ مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، حدیث ۳۔

۳۳۰۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب اذا احب اللہ عبدا الخ، حدیث ۱۔

۳۳۱۔ " " " " " ، باب اذا اثنی علی الصالح فھی بشریٰ الخ، حدیث ۱۔

۳۳۲۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب ثناء الناس علی المیت، حدیث ۲۔

۳۳۳۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب اذا احب اللہ عبدا امر جبریل الخ، حدیث ۳۔

۳۳۴۔ " " " " " ، باب المرء مع من احب، حدیث ۴۔

۳۳۵۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب جزاء المومن بحسناتہ فی الدنیا والآخرۃ الخ، حدیث ۲۔

۳۳۶۔ ابن ماجۃ، ابواب الزہد، باب الھم بالدنیا، حدیث ۳۔

۳۳۷۔ حدیث صحیح، ترمذی، ابواب القدر، باب ماجاء ان اللہ کتب کتابا الخ، حدیث ۳

۳۳۸۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرھا، حدیث ۲

۳۳۹۔ " " " " " " ۱

۳۴۰۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرھا، حدیث ۴۔
۳۴۱۔ بخاری، کتاب الاشربۃ، باب قول اللہ تعالیٰ انما الخمر والمیسر الخ، حدیث ۲۔
۳۴۲۔ نسائی، کتاب المحاربۃ، باب ذکر ما یحل بہٖ دم المسلم، حدیث ۱۔
۳۴۳۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر و اکبرھا، حدیث ۵۔
۳۴۴۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب ما یتقیٰ من محقرات الذنوب، حدیث ۱۔
۳۴۵۔ ابن ماجۃ، ابواب الزھد، باب ذکر الذنوب، حدیث ۲۔
۳۴۶۔ بخاری، کتاب الایمان، باب تفاضل من اسلم لربیتہ، حدیث ۱۔
۳۴۷۔ حدیث حسن غریب، ترمذی، ابواب صفۃ القیٰمۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض سے آگے آنے والے ۹ بلاعنوان بابوں میں سے پہلے باب کی چھٹی حدیث۔
۳۴۸۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تفسیر البر والاثم، حدیث ۱۔
۳۴۹۔ حدیث صحیح، ترمذی، ابواب صفۃ القیٰمۃ، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض سے آگے آنے والے ۹ بلاعنوان بابوں میں سے نویں باب کی پانچویں حدیث۔
۳۵۰۔ حدیث حسن، ترمذی، ابواب الزہد، باب ما جاء فی حفظ اللسان، حدیث ۱۔
۳۵۱۔ ابن ماجۃ، ابواب الزھد، باب ذکر التوبۃ، حدیث ۴۔
۳۵۲۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء الخ، باب التوبہ، حدیث ۱
۳۵۳۔ " " " " " " " ۳
۳۵۴۔ حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ، ترمذی، ابواب الدعوات، باب ما جاء فی الدعاء اذا اصبح واذا امسیٰ سے آگے آنے والے دو بلاعنوان بابوں میں سے دوسرے باب کی پہلی حدیث۔
۳۵۵۔ مسلم، کتاب التوبۃ، حدیث ۴۔
۳۵۶۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب التفسیر، من سورۃ ویلٌ للمطففین، حدیث
۳۵۷۔ ابن ماجۃ، ابواب الذکر، باب الاستغفار، حدیث ۵۔

۳۵۸۔ مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب الاستغفار الخ، حدیث ۱
۳۵۹۔ حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ، ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی الدعاء اذا اصبح واذا امسی سے آگے آنے والے دو بلا عنوان بابوں میں سے دوسرے باب کی پہلی حدیث۔
۳۶۰۔ ابن ماجہ، ابواب الزکٰوۃ، باب الاستغفار، حدیث ۶۔
۳۶۱۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی یقول اذا رکب دابۃ حدیث ۱۔
۳۶۲۔ ابن ماجہ، ابواب الزکٰوۃ، باب الاستغفار، حدیث ۴۔
۳۶۳۔ نسائی، کتاب الافتتاح، باب الاستغفار بعد التسلیم، حدیث ۱۔
۳۶۴۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی فضل من مات مرابطًا، حدیث ۱۔
۳۶۵۔ حدیث حسن غریب، ترمذی، ابواب الامثال، باب ماجاء فی مثل اللہ عزوجل لعبادہ، حدیث ۱۔
۳۶۶۔ بخاری، کتاب الرقاق، باب حجبت النار بالشہوات، حدیث ۱۔
۳۶۷۔ بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب المسک، حدیث ۲۔
۳۶۸۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الاقامۃ بارض الشرک، حدیث ۱۔
۳۶۹۔ بخاری، کتاب الشرکۃ، باب ھل یقرع فی القسمۃ الخ، حدیث ۱
۳۷۰۔ ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الامر بالمعروف الخ، حدیث ۱۔
۳۷۱۔ ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، حدیث ۴۔
۳۷۲۔ ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی نزول العذاب الخ، حدیث ۱۔
۳۷۳۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الجلوس بالطرقات، حدیث ۱۔
۳۷۴۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی امتہ، حدیث ۴۔
۳۷۵۔ حدیث حسن صحیح غریب، ترمذی، ابواب الاستیذان والآداب، باب ماجاء فی مکاتبۃ المشرکین، حدیث ۱۔

۳۷۶۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی الخ، حدیث ۲

۳۷۷۔ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الشعرا، باب وانذر عشیرتک الاقربین الخ، حدیث ۱۔

۳۷۸۔ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان من مات علی الکفر فھو فی النار الخ، حدیث ۲۔

۳۷۹۔ " " ، باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان الخ، حدیث ۳۔

۳۸۰۔ ابن ماجۃ، ابواب الفتن، باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، حدیث ۹

۳۸۱۔ " " " " " " " " ۶

۳۸۲۔ " " " " " " " " ۵

۳۸۳۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ الخ، حدیث ۲۳۔

۳۸۴۔ ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب من دعا الی لزوم السنۃ، حدیث ۱۔

۳۸۵۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل من اسلم علی یدیہ رجل، حدیث ۱۔

۳۸۶۔ ابن ماجۃ، ابواب الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ، حدیث ۸۔

۳۸۷۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل اعانۃ الغازی الخ، حدیث ۱۔

۳۸۸۔ بخاری، کتاب العلم، باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومۃ، حدیث ۱۔

۳۸۹۔ بخاری، کتاب الدعوات، باب ما یکرہ من السجع فی الدعاء، حدیث ۱۔

۳۹۰۔ بخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم فی الموعظۃ الخ
حدیث ۲۔

۳۹۱۔ مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ الخ، حدیث ۱

۳۹۲۔ ابوداؤد، کتاب العلم، باب تکریر الحدیث، حدیث ۱۔

۳۹۳۔ بخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما دون قوم الخ،

۳۹۴۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القراءۃ فی العشاء، حدیث ۴۔

۳۹۵۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب سخائہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۴

۳۹۶۔ " " " " " " " " " ۵

۳۹۷۔ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب المسجد یکون فی الطریق الخ۔ حدیث ۱

۳۹۸۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقۃ الخ، حدیث ۵۔

۳۹۹۔ موطا، کتاب القرآن، باب ماجاء فی القرآن، حدیث ۴۔

۴۰۰۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل الجہاد والسیر الخ، حدیث ۲۔

۴۰۱۔ حدیث حسن، ترمذی، باب فضائل الجہاد، باب فی الغدو والرواح فی سبیل اللہ، حدیث ۴۔

۴۰۲۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الغزو مع ائمۃ الجور، حدیث ۱

۴۰۳۔ " " " ، باب فی قولہ عز وجل ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ، حدیث ۱

۴۰۴۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دوام الجہاد، حدیث ۱

۴۰۵۔ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ النساء، باب لا یستوی القٰعدون الخ، حدیث ۱۔

۴۰۶۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الجنۃ تحت بارقۃ السیوف الخ، حدیث ۱

۴۰۷۔ " " " ، باب افضل الناس مومن یجاھد الخ، حدیث ۲۔

۴۰۸۔ بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب المسک، حدیث ۱۔

۴۰۹۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من اغبرت قدماہ الخ، حدیث ۱

۴۱۰۔ " " " ، باب الغدوۃ والروحۃ الخ، حدیث ۱

۴۱۱۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الشہادۃ الخ، حدیث ۵۔

۴۱۲۔ " " " ، باب فضل الرباط فی سبیل اللہ عز وجل، حدیث ۱

۴۱۳۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی فضل الحرس فی سبیل اللہ، حدیث ۱۔

۴۱۴۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب افضل الناس مومن یجاھد الخ، حدیث ۱۔

۴۱۵۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الجہاد والرباط، حدیث ۴۔

۴۱۶۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل الجہاد والسیر، الخ، حدیث ۴۔

۴۱۷۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الشہادۃ الخ، حدیث ۲۔

۴۱۸۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب اکرامہ صلی اللہ علیہ وسلم بقتال الملٰئکۃ معہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۱۔

۴۱۹۔ حدیث صحیح، ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی المجاہد والمکاتب والناکح الخ، حدیث

۴۲۰۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی فضل الرمی الخ، حدیث ۳

۴۲۱۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب کراھیۃ ترک الغزو، حدیث ۱۔

۴۲۲۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الکافر یقتل المسلم الخ، حدیث ۱۔

۴۲۳۔ " " " " ، باب فضل الخدمۃ فی الغزو، حدیث ۳۔

۴۲۴۔ " " " " ، باب درجات المجاہدین الخ، حدیث ۱۔

۴۲۵۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی حرمۃ نساء المجاہدین، حدیث ۱

۴۲۶۔ " " " ، باب فی الرمی، حدیث ۲۔

۴۲۷۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی، حدیث ۲۔

۴۲۸۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب التحریض علی الرمی الخ، حدیث ۱۔

۴۲۹۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرمی، حدیث ۱

۴۳۰۔ ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الذریت، حدیث ۲

۴۳۱۔ ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی فضل الرمی الخ، حدیث ۱۔

۴۳۲۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل من جہز غازیاً الخ، حدیث ۱۔

۴۳۳۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب الرجل یکری دابتہ الخ، حدیث ۱۔

۴۳۴۔ " " " ، باب فی فضل الشہادۃ، حدیث ۱۔

۴۳۵۔ حدیث صحیح غریب، ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء ای الناس افضل سے آگے آنے والے بلاعنوان باب کی پہلی حدیث۔

۴۳۶۔ حدیث حسن غریب، ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء ای الناس افضل سے آگے آنے والے بلاعنوان باب کی حدیث ۹۔

۴۳۷۔ حدیث حسن غریب صحیح، ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء ای الناس افضل سے آگے آنے والے بلاعنوان باب کی آٹھویں حدیث۔

۴۳۸۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت الخ، حدیث ۲

۴۳۹۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب عمل صالح قبل القتال الخ، حدیث ۱
۴۴۰۔ " " " " ، باب من اتاہ سہم غرب الخ، حدیث ۱۔
۴۴۱۔ " " " " ، باب درجات المجاہدین الخ، حدیث ۲
۴۴۲۔ " " " " ، باب من جہز غازیاً الخ، حدیث ۲۔
۴۴۳۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشہید، حدیث ۱
۴۴۴۔ نسائی، " " ، باب من قتلہٗ بطنہٗ، حدیث ۲۔
۴۴۵۔ موطا، کتاب الجہاد، باب الدفن فی قبر واحد الخ، حدیث ۱
۴۴۶۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب تمنی المجاہد ان یرجع الخ، حدیث ۱۔
۴۴۷۔ موطا، کتاب الجہاد، باب الشہداء فی سبیل اللہ، حدیث ۱
۴۴۸۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید، حدیث ۲
۴۴۹۔ " " ، باب بیان الشہداء، حدیث ۲
۴۵۰۔ " " " " " " ۵
۴۵۱۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی من سأل الشہادۃ، حدیث ۱۔
۴۵۲۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الشہادۃ سبع الخ، حدیث ۱۔
۴۵۳۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الدیات، باب ماجاء من قتل دون مالہٖ الخ، حدیث ۵
۴۵۴۔ بخاری، کتاب التوحید، باب ولقد سبقت کلمتنا الخ، حدیث ۶
۴۵۵۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا، حدیث ۲۔
۴۵۶۔ " " ، باب الرخصۃ فی القعود من العذر، حدیث ۲
۴۵۷۔ حدیث حسن غریب، ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ماجاء فی من سأل الشہادۃ، حدیث ۲۔
۴۵۸۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب من مات غازیاً، حدیث ۱۔

۴۵۹ - مسلم، کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید، حدیث ۳

۴۶۰ - " " " " " " " ۴

۴۶۱ - " " " " " " " ۱

۴۶۲ - " " " " " " " ۵

۴۶۳ - بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد وقول اللہ تعالیٰ واذ غدوت الخ، حدیث ۸

۴۶۴ - " " " " " " مونتہ الخ، حدیث ۱

۴۶۵ - " " " " " " " ۵

۴۶۶ - بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب البیعۃ فی الحرب الخ، حدیث ۳۔

۴۶۷ - مسلم، کتاب الفضائل، باب فی شجاعۃ النبیؐ علیہ السلام، حدیث ۱

۴۶۸ - شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفۃ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث ۴

۴۶۹ - بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الصبر عند القتال، حدیث ۱۔

۴۷۰ - " " " ، باب کان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم اذا لم یقاتل اول النہار الخ، حدیث ۱۔

۴۷۱ - ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی تولی یوم الزحف، حدیث ۲

۴۷۲ - مسلم، کتاب الصوم، باب النہی عن صوم الدہر الخ، حدیث ۸۔

۴۷۳ - بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الانفال، باب قول اللہ تعالیٰ یٰایہا النبی حرض المؤمنین علی القتال الخ، حدیث ۱

۴۷۴ - بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب التحریض علی القتال الخ، حدیث ۱

۴۷۵ - " " " ، باب حمل الزاد علی الرقاب، حدیث ۱۔

۴۷۶ - موطا، کتاب الجہاد، باب الترغیب فی الجہاد، حدیث ۶۔

۴۷۷ - مسلم، کتاب الجنائز، حدیث ۴۵۔

۴۷۸ - بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب ما یتعوذ من الجبن، حدیث ۱

۴۷۹ - مسلم، کتاب الامارۃ، باب غلظ تحریم الغلول، حدیث ۱۔

۴۸۰۔ موطا، کتاب الجہاد، باب ما جاء فی الغلول، حدیث ۲

۴۸۱۔ ابن ماجۃ، ابواب الجہاد، باب الغلول، حدیث ۲

۴۸۲۔ ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب النھی عن الستر علی من غل، حدیث ۱

۴۸۳۔ ترمذی، ابواب السیر، باب ما جاء فی الغلول، حدیث ۱

۴۸۴۔ حدیث حسن صحیح غریب، ابواب السیر، باب ما جاء فی الغلول، حدیث ۳۔

۴۸۵۔ موطا، کتاب الجہاد، باب النھی عن قتل النساء الخ، حدیث ۳

۴۸۶۔ " " " " " " ۲

۴۸۷۔ بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب لا یعذب بعذاب اللہ، حدیث ۱

۴۸۸۔ حدیث حسن صحیح، ترمذی، ابواب الدیات، باب ما جاء فی النھی عن المثلۃ، حدیث ۱۔

۴۸۹ نسائی، کتاب البیعۃ، باب التشدید فی عصیان الامام، حدیث ۱

اسوۂ حسنہ

جلد سوم

حقوق العباد ۰ دعوتِ اسلامی

تزکیۂ نفس ۰ دعوتِ دین ۰ جہاد

——— (بنتُ الاسلام) ———

بزمِ بتول

فصیح منزل۔ فصیح روڈ۔ اسلامیہ پارک

لاہور ۵۴۵۰۰